جنات



جنّات

حصہ اول۔دوم (یکجا)

رئیس امروہوی

رئیس اکاڈیمی
منا کجی اسٹریٹ، گارڈن ایسٹ، کراچی۔

فہرست (حصہ اول)

☆......☆......☆

فہرست (حصہ دوئم)

پیش لفظ

شاہانہ رئیس امروہوی

دہلی کے شمال مشرق میں اسی (80) میل دور ایک بستی ہے۔ بستی کیا ہے اسرار کا مجموعہ ہے۔ اس کی زمین، اس کی ہوا، اس کی فضا میں معنی خیز پراسراریت ہے۔ اس عجیب بستی کا نام امروہہ ہے۔ اب سے تقریباً ہزار سال پہلے عرب سے ایک بزرگ سید شرف الدین شاہ ولائت یہاں آئے اور انہوں نے امروہہ میں قیام کیا۔ امروہہ کی ستر (70) فیصد آبادی ان ہی کی اولاد ہے۔ جس طرح امروہہ پراسرار اور عجیب ہے اسی طرح وہاں کے لوگ بھی عجیب ہیں۔ وہ روایات جو روزِ اول سے رائج ہو چکی ہیں آج بھی تقریباً جوں کی توں زندہ ہیں۔ امروہہ کی دوپہریں میرے لحاظ سے بڑی ڈراؤنی ہیں۔ لمبی گرم دوپہریں جب ہر طرف سناٹے کا راج ہوتا ہے، ریت کے بگولے ایسے چکراتے پھرتے ہیں جیسے کلموہی چڑیلیں، بڑی بڑی حویلیوں پر خاموشی پہرہ دیتی رہتی ہیں۔ مگر امروہہ کی شام، اس کے سامنے پیرس کی شام بھی ماند پڑ جاتی ہے۔ آنگنوں میں چھڑکاؤ ہونے سے مٹی کی سوندھی خوشبو ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ رابیل، چنبیلی، رات کی رانی کی مدہوش کن خوشبو نشہ سا طاری کر دیتی ہے۔ اندھیرے میں جگمگ کرتے پٹ بیجنے (جگنو) عجیب بہار دکھاتے ہیں۔ ستاروں سے گندھا آسمان جس پر نظر ٹک کر رہ جائے اور آدمی پر سحر طاری ہو جائے۔

اسی امروہہ کے ایک محلے دربار شاہ ولائت کے ایک علمی گھرانے میں رئیس امروہوی کا جنم ہوا۔ ان کا نام سید محمد مہدی رکھا گیا۔ وہ دادا سید شفیق حسن ایلیا کی دوسری اولاد تھے۔ پہلا بیٹا پیدا ہوتے ہی مر گیا تھا، اس لئے ان کی پیدائش پر بڑی منتیں مانی گئی تھیں۔ ان کے 4 لڑکے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ یہ بچپن سے بڑے نازک مزاج تھے۔ بہر تصہ مختصر یہ جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے ان کی ذہانت کے جوہر کھلنے لگے۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ سنہری آنکھوں اور سنہرے بالوں والا بچہ شاعر ہے۔ تب دادا (علامہ شفیق حسن ایلیا جو خود بھی بہت بڑے عالم تھے) نے انہیں محمد مہدی سے رئیس امروہوی بنا دیا۔ شاعری ان کی بنیاد اور روح تھی۔ پراسراریت ان کا مزاج اور روحانیت وراثت تھی۔ چونکہ دادا شاہ ولائت ایک پائے کے درویش تھے ان کی اولاد میں روحانیت کا ہونا تعجب خیز نہیں ہے۔

وہ جب بیس 20 سال کے ہوئے تو لاڈ میں آ کر ان کی شادی ان کی ماموں زاد بنت زینب سے کر دی گئی۔ ہماری امی اس قدر خوبصورت تھیں کہ آج تک لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ بہر حال شادی کے سال بھر بعد ہماری بڑی باجی (ریحانہ) پیدا ہو گئیں۔ وہ ان سے بابا یا ابا کہلاتے ہوئے شرماتے تھے۔ بڑی باجی سب کی دیکھا دیکھی انہیں بھائی کہنے لگیں۔ اس طرح وہ اپنی اولاد کے بھائی ہو گئے

اب میں انہیں بھائی ہی لکھوں گی۔

بھائی شاعر تھے یہ تعجب خیز بات نہیں ہے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بہت بعد میں شاید 1964ء وغیرہ میں انہوں نے مراقبے اور یوگا شروع کیا مگر وجدان کی حالت ان تمام کاموں سے پہلے ہی عروج پر تھی۔ ان کی نظم ''لہو سے اپنے نہلایا گیا ہوں'' اس بات کا ثبوت ہے کہ انہیں اپنے بارے میں معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ بھائی نے جب مراقبہ اور یوگا شروع کیا تب وہ ذہنی طور پر بہت پریشان تھے۔ وہ یہ مشقیں گھنٹوں کرتے رہتے اور رفتہ رفتہ ان پر عالم غیب کے دروازے کھلنے لگے۔ نفس مطمئنہ کی دولت حاصل ہو گئی تب انہوں نے اس علم کو عام کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ جانتے تھے کہ دنیا کے لوگ ذہنی طور پر مر رہے ہیں، انہیں سکون کی تلاش ہے۔ اس طرح رئیس اکیڈمی کی پیدائش ہوئی۔ ہماری حویلی کے باہر کے کمرے میں ان کا دفتر قائم ہو گیا اور سکون حاصل کرنے کے متلاشی لوگ جوق در جوق ان کے پاس آنے لگے۔ وہ انسان بغیر کسی غرض کے لوگوں کے دلوں پر اپنی محبت اور من موہنی شخصیت کا پھایار کھنے لگا۔

1981ء میں مجھے بھی شوق ہوا کہ میں بھی مراقبے اور مشقیں کروں مگر سوال تھا بھائی سے اجازت لینے کا۔ ہم پانچوں بہنیں ان سے حد درجہ شرماتی تھیں اور ڈرتی بھی تھیں۔ وہ انسان جو شہد سے زیادہ میٹھا تھا نجانے کیا بات تھی کہ ہم ان کے سامنے نگاہ اٹھا کر بات نہیں کر سکتے تھے۔ بہر حال بڑی مشکلوں سے کھانے کی میز پر میں نے ان سے کہا کہ میں بھی مشقیں کرنا چاہتی ہوں۔ وہ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ اس طرح میں نے ان کی خاموشی کو رضامندی سمجھ لیا اور مشقیں شروع کر دیں۔ میں اس قدر ٹھس پتھر تھی کہ مہینوں کوئی اثر ہی نہ ہوا، تب میں گھبرا گئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے بھائی سے کوئی شکایت نہیں کی تھی مگر وہ میری کیفیت بخوبی جان گئے تھے۔ ایک دن شام کی چائے پر یکا یک بھائی نے کہا ''بالی مشقیں جاری رکھو'' (ہمارے امروہہ والے بیٹی کو بالی کہتے ہیں) میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

میری مشقیں جاری تھیں، اب ذرا ڈوبنے کی کیفیت شروع ہو چکی تھی۔ نور کا تصور بھی واضح ہونے لگا تھا جو مزاحمت کا شدید حملہ ہوا۔ حسب سابق بھائی سے مشورہ کرنے کی تو ہمت تھی ہی نہیں۔ الجھن بڑھتی جا رہی تھی، سوچتی تھی کیا کروں، میں کام سے نمٹ کر اپنے کمرے میں اداس لیٹی تھی جو بھائی خود ہی آ گئے۔

''شاہانہ بالی! یہ سب کچھ تو ہوتا ہی ہے۔ اچھا پریشان مت ہو'' یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ میں ہکا بکا رہ گئی۔ بڑی مشکل سے خود کو راضی کیا اور مشقوں میں دل لگایا۔ بنیادی بات یہی ہے کہ اپنے سرکش نفس پر قابو پایا جائے۔ بہر طور بدقت تمام پھر ڈوبنے کی کیفیت شروع ہوئی۔ نور کے جھماکے ہونے لگے، کانوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ رات کو میں عموماً چھت پر آسمان تلے مشق کرتی تھی۔ نجانے کہاں کہاں سے غیر مانوس سرگوشیاں ہوتی تھیں۔ کبھی مدھم کبھی واضح۔ ایسا بھی ہوا کہ مراقبہ کر رہی ہوں اور معلوم ہوا کہ کچھ ہیولے میرے پاس بیٹھے ہیں جو مجھ سے مخاطب ہونا چاہتے ہیں۔ اس کیفیت میں شدید خوف محسوس ہوتا اور خود کو ناتواں محسوس کرتی۔ اس کیفیت میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ بھائی بغیر کچھ کہے میری نگرانی کر رہے تھے۔ وہ مجھے بغور دیکھتے اور نظریں بچا لیتے۔

ایک رات مراقبہ کرتے ہوئے گھوں گھوں کی آواز آنے لگی جیسے کے پہیہ چل رہا ہو۔ پھر لگا جیسے میرا وجود غائب ہوگیا اور میں دبیز دھوئیں میں گر رہی ہوں، گرتی جارہی ہوں۔ پھر شاید کوئی ہلکا سا کھٹکا ہوا اور میں ہوش میں آ گئی۔ اب یہ مسلسل ہونے لگا۔ گھوں گھوں کی آواز، دبیز بادلوں میں گرنے کی کیفیت مگر ایک بات عجیب ہوئی کہ بھائی کی آواز میرے ہمسفر رہنے لگی۔ مجھے بھی اس تجربے میں لطف آنے لگا۔ یہ عجیب پر لطف سفر تھا۔ سرمئی اور سفید بادلوں میں ہولے ہولے اڑنے میں سرشاری کی حالت ہوتی تھی۔ کافی دنوں کے بعد حیرت انگیز واقعہ ہوا۔ بھائی کی آواز میرے ساتھ تھی۔ میرا سفر جاری تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں کسی مقام پر اتر رہی ہوں۔

یکا یک بادل صاف ہوگئے۔ ہر طرف ملگجا اجالا سا تھا۔ میں نے خود کو ایک صحن میں پایا۔ یہ ایک بہت بڑا گھر تھا۔ اس کے دالان میں پانچ در تھے۔ دالان کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ آنگن میں رابیل (موتیا) چنبیلی، جوہی کے ڈھیروں پودے تھے۔ ایک انار کا اور امرود کا درخت تھا۔ میں حیرت زدہ سی چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ بھائی کی آواز سرگوشی کر رہی تھی "تمہارے خاندان کے لوگ یہاں موجود ہیں، مگر ابھی تمہاری نظر میں لطافت نہیں ہے"۔

میں غمزدہ ہوگئی۔ شاید میری آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں جو مجھے جھٹکا لگا اور میں واپس آ گئی۔ یہ بتاتی چلوں کہ جب سے یہ لطافت کا سفر شروع ہوا تھا۔ تب سے مجھے روزانہ بخار چڑھنے لگا تھا۔ میرے شوہر علی جرار ہر طرح کا علاج کرا رہے تھے مگر بے سود۔

مشقیں کرتے ہوئے مجھے چھ سال ہوگئے تھے۔ پھر عرض کردوں کہ میرے کہے بغیر بھائی کے اور میرے درمیان گفتگو جاری تھی میں خاموش رہتی اور وہ مجھے تسلی دیتے رہتے۔ انہوں نے کہا "بالی! تجھے اپنے خاندان سے بچھڑے ہوئے لوگوں سے رابطہ کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ یہ کام صرف تو کرسکتی تھی۔ تو گھبرانا مت۔ ان سے ملاقات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں تیرے ساتھ ہوں"۔

ہاں یہ بتانا تو بھول گئی کہ میں اپنے گھر آ کر اترتی۔ پھر وہاں سے دادا جی (شاہ ولائت) کے دربار پر جاتی وہاں جا کر تادیر بیٹھی رہتی اور پھر واپسی کا سفر شروع ہوتا۔ میں جو بے سدھ پڑی رہتی تھی تو میرے شوہر، بچے، باجی امی، بڑی باجی سب یہی سمجھتے کہ میں بخار کی وجہ سے سو رہی ہوں۔ میری کیفیات اور مشاہدات کا قصہ تو طویل ہے مگر میں قصہ کوتاہ کر رہی ہوں۔ ہوتے ہوتے 1988ء آ گیا۔ یہ اپریل کا یا مئی کا مہینہ تھا یا ہوسکتا ہے جون یا جولائی ہو۔ مجھے ٹھیک طرح اب تک یاد نہیں آتا کہ کون سا مہینہ تھا۔ بہر حال میں سفر کرتی ہوئی امروہہ اپنے گھر پہنچ گئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ وہ لق ودق آنگن، مدہوش خوشبو۔ وہی پانچ در میں حسب سابق پورے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی جو دالان میں کچھ ہیولوں کا احساس ہوا رفتہ رفتہ خالی دالان میں پلنگ بچھے نظر آنے لگے۔ نماز کی چوکی میز اور اس پر رکھی ہوئی کتابیں۔ اور خاندان کے لوگ۔ ایک دم خاموش اور ساکت اپنی جگہوں پر مورتیوں کی طرح استادہ۔ میں بری طرح خوفزدہ ہوگئی۔ جو بھائی کی سرگوشی ابھری۔ "گھبراؤ مت" یہ تمہارے اپنے ہیں۔ تمہارے دادا (علامہ سید شفیق حسن ایلیا)، تمہاری دادی نرجس خاتون، تمہاری نانی زینب خاتون اور نانا سید ماجد حسن۔ ان سے ڈرو نہیں۔ یہ سب تمہارے منتظر ہیں"۔ بھائی کے سمجھانے سے میرا ڈر کافور ہوگیا میں نے ان کی

طرف مسکرا کر دیکھا۔ نانا بابا نے بغیر لب ہلائے مجھے مخاطب کیا اور باجی امی کی خیریت دریافت کی۔ پھر وہ سب بغیر لب ہلائے مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ مجھ سے ملنے پر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ دادی اماں اور نانی اماں نے بتایا کہ وہ روز یہیں ہوتے تھے مگر میری بصارت میں وہ لطافت نہ تھی جو میں انہیں دیکھ سکتی۔ بابا یعنی دادا سید شفیق حسن نے کہا کہ یہ میری ان سے پہلی اور آخری ملاقات ہوگی۔ یہ سن کر میں تڑپ کر رہ گئی۔ میرا دل غم سے بوجھل ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ نجانے کیا بات تھی۔ جونہی میری آنکھوں میں آنسو آتے تھے میرا سفر ختم ہو جاتا تھا۔ اب بھی یہی ہوا کہ ایک جھٹکا لگا اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

سفر تو اب بھی ہو رہا تھا مگر ملاقات کی کوئی صورت نہ تھی میرا سفر گھر اور دادا جی کے مزار تک رہ گیا تھا۔ آپ ہی آپ میرا جی اچاٹ ہونے لگا۔ یہ ستمبر 1988ء کی بات ہے۔ بخار اتر چکا تھا مگر دل بھاری بھاری سا تھا۔ یہ سفر میرے لئے بوجھ بننے لگا۔ میرا جی ہی نہیں چاہتا کہ میں آنکھیں بند کروں۔ جب بھی میں اپنے آبائی گھر جاتی ہر طرف سرخی مائل دھند پھیلی ہوتی میں حیرت زدہ تھی کہ کیوں سرخی مائل دھند میں میرا گھر دھندلانے لگا ہے۔ ہر طرف سناٹے اور گہری اداسی تھی۔ اسی اداسی کا بوجھ سینے پر دھرے میں بیدار ہو گئی۔ بیدار ہو کر تو اور بھی الجھن بڑھ گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے سرخ سرخ دھبے ناچ رہے تھے۔ تیز دھوپ ہونے کے باوجود غیر محسوس سرخی مائل دھند ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اور اداسی ناقابل تحریر۔ یہ بات 21 ستمبر 1988ء کی ہے۔ سارا دن میرا اداس ہی نہیں بلکہ ڈوبا ڈوبا سا رہا۔ بھائی کا چہرہ بھی بہت سنجیدہ اور اداس سا لگ رہا تھا۔ شام کو چھت پر جا کر پھر مراقبہ کیا۔ نہ تصور بندھا نہ کوئی سفر ہوا۔ عجیب بے کلی میں وہ رات گزاری۔ دل تھا کہ اڑا جاتا تھا۔ صبح ہوئی اور میں نے بے چینی کے عالم میں مراقبہ شروع کیا۔ اور میں گھر پہنچ گئی۔ تمام رانبیل کے پھول نیچے پڑے تھے۔ چنبیلی اور جوہی کے پودے جڑ سے اکھڑے ہوئے تھے، انار اور امرود زمین بوس تھے۔ ہمارا گھر سرخ آندھی کی زد میں تھا۔ دالان منوں ریت سے اٹا پڑا تھا۔ میں گھبرا کر زاروقطار رونے لگی اور حسب سابق بیدار ہو گئی۔ میں تیزی سے بھائی کے آفس گئی اور دنگ رہ گئی ان کا چہرہ سرخ ہالے کے درمیان تھا۔ ان کی آنکھیں بالکل اجنبی شخص کی طرح تھیں میں تیزی سے واپس آ گئی۔ یہ 22 ستمبر 1988ء کا دن تھا۔ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شام کی چائے کے بعد ایک دھماکہ ہوگا اور یہ مہربان انسان جس کا دل ہر ایک کے لئے تڑپتا ہے اپنے ہی خون میں نہلا دیا جائے گا یہ محبت کا مینار منوں مٹی کے نیچے جا سوئے گا۔ ہاں واقعی شام پانچ بجے ایک دھماکہ ہوا اور سب ختم ہو گیا۔ وہ زخمی روحوں کا مسیحا، نیکوکار شریف بوڑھا ناکردہ گناہ کی سزا میں مارا گیا۔ ان پر الزام تھا اور بڑا بھیانک الزام جس کی سزا موت ہی ہو سکتی تھی اور وہ جرم تھا دکھی لوگوں سے محبت، بے راہ نوجوانوں کو راہ دکھانا، ناامیدی کے اندھیروں کو امید کے اجالوں میں بدلنا، روتی آنکھوں میں مسکراہٹ سجانا، یہ تمام الزام لے کر وہ اس دنیا سے چلے گئے۔ ہمارے ساتھ ساتھ کتنے ہی نوجوان مرد اور عورت یتیم ہو گئے۔ ہم بہنوں کا ایک اور بھی بڑا نقصان ہوا، ہمارا میکہ ڈھے گیا۔ ہمارا چونکہ کوئی بھائی تو ہے نہیں۔ وہی تھے جن سے میکہ آباد تھا۔ ایک سال تک باجی امی اور ہم بہنیں سکتے کی سی حالت میں رہے۔ کچھ یاد نہیں کہ اس ایک سال میں کیا کیا ہوا۔ ایک سال بعد لرزتے وجود کے ساتھ میں نے اکیڈمی

سنبھال لی۔ مقدور بھر کوشش شروع کردی کہ رئیس اکیڈمی مرنے نہ پائے۔ لوگوں کے مردہ دلوں میں روشنی پھیلانے کی کوشش کی مگر اس کوشش میں کامیاب ہوسکی یا نہیں؟۔ مجھے نہیں معلوم؟

واقعات تو اور بھی گہرے اور طویل ہیں۔ مگر ان کے اظہار کی اجازت نہیں۔ مشقیں تو میں بھی وہی کر رہی تھی جو عام طور پر کی جاتی ہیں۔ جن کی تفصیل بھائی نے لکھ دی ہے۔ اب کس پر کیا اثر ہوتا ہے۔ یہ مشقیں کرنے والے پر ہے کاش یہ باتیں بھائی سے زبانی ہوسکتیں۔ آہ، افسوس! یہ ممکن نہ ہوا۔

برس ہا برس بعد وہ تمام کیفیات ذہن میں من وعن تازہ ہیں۔ سوچا کہ کیوں نہ میں بھی اپنے حیرت انگیز تجربات کو کتاب میں شامل کردوں۔ بھائی کے بعد بڑی مشکل سے اکیڈمی کو پھر سنبھالا۔ اب حالت یہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی مشورہ چاہتا ہو تو میں مسعود الحسن اور عون علی خرم کے ذریعے سے انہیں مشورہ دے دیتی ہوں۔

☆......☆......☆

محمد عرفان کراچی لکھتے ہیں کہ

شاہانہ رئیس امروہوی

میں پرسوں یعنی اتوار (29 ستمبر 1968ء) کو چند دوستوں کے ساتھ ٹھٹھہ گیا تھا۔ وہاں مشہور مزارات ہیں، مثلاً عبداللہ شاہ اصحابی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار، شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اور مائی مکلی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار! میں یہاں صبح سے رات کے آٹھ بجے تک رہا۔ کچھ لوگوں کو عجیب وغریب حالت میں دیکھا۔ مثال کے طور پر ایک کمزور دبلا پتلا سا لڑکا، جس کی عمر سولہ برس کی ہوگی۔ کبھی عبداللہ شاہ اصحابی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف آتا ہے۔ کبھی شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی طرف اور چیخ چیخ کر چلا چلا کر کہتا ہے کہ:

"بادشاہ مجھ کو چھوڑ دے، میں تھک گیا ہوں، بادشاہ اسے جلا دے۔ یہ مجھے آٹھ سال سے پریشان کر رہا ہے، بادشاہ اسے تو نے بھگا دیا تھا۔ اس نے جھوٹی قسم کھائی تھی"۔ پھر آ گیا مجھے حکم دے دے بادشاہ! میں اسے جلا کر راکھ کر دوں، مجھ سے اتنی لمبی حاضری نہیں دی جاتی بادشاہ! یہی الفاظ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ اس کے منہ سے برابر نکل رہے تھے۔ یہ اپنا سر پٹکتا، تپتی ہوئی زمین پر پٹخنیاں کھاتا اور حال سے بے حال ہو جاتا، کم زور بے قرار لڑکے کی ماں نے بتایا کہ اس کے سر "جن" آ گیا ہے اور یہ سب کچھ جن کہہ رہا ہے۔ جب تھوڑی دیر کے بعد وہ لڑکا ہوش میں آیا تو میں نے اسے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تم، کیا کام کرتے ہو؟ کہنے لگا قالین بانی کا کام کرتا ہوں۔ اس کام میں تمہیں کتنی آمدنی ہو جاتی ہے؟

کہنے لگا، پانچ روپے روز، پھر اس نے واقعہ سنایا کہ کیرم کا چیمپئن ہوں۔ اس کھیل میں مجھے انعامات بھی ملے ہیں اور میرے فوٹو کیرم کلب میں لگے ہوئے ہیں جب ابا کو میرے اس شوق کا پتا چلا تو انہوں نے بہت مارا پیٹا، ان کی مار پیٹ سے میرے دماغ پر بہت برا اثر ہوا۔ والد صاحب نے بہت سے ڈاکٹروں کو دکھایا، انہوں نے دماغی آپریشن کی رائے دی۔ مگر والد صاحب دماغ کا آپریشن کرانے پر راضی نہ ہوئے۔ اب میرا یہ حال ہے جو آپ نے دیکھا۔ محمد عرفان صاحب کا بیان ہے کہ:

میں اس تماشے کو خود ساختہ سمجھ لیتا۔ اگر اور دو بچیوں کو اس حال میں گرفتار نہ پاتا۔ ان میں سے ایک بچی کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، دوسری آٹھ سال کی! یہ دونوں بچیاں بھی اس جن گرفتہ بچے کی طرح بے ساختہ چیختی چلاتی تھیں۔ کبھی عبداللہ شاہ اصحابی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف دوڑتیں، کبھی شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف! یہ بچیاں پانچ روز سے ان مزاروں پر مقیم تھیں۔ لوگ اسے حاضری لگانا کہتے ہیں۔ ایک بچے کو میں نے مسلسل دو گھنٹے تک اپنی جان کو گزند پہنچاتے دیکھا۔ اس نے پانی مانگا، ہم نے پانی دینا چاہا۔ مگر لوگوں

نے روک دیا کہ ہرگز پانی نہ دینا۔ یہ خود پانی نہیں مانگ رہی۔ جن مانگ رہا ہے، پھر یہ بچی پانی پئے گی بھی نہیں۔ ہم نے پانی کا پیالہ بچی کے منہ سے لگا دیا واقعی اس نے ایک بوند بھی نہ پی۔ تحقیقات سے پتا چلا کہ اس کی ماں کو بھی یہی عارضہ تھا (یعنی اس پر بھی جن آتے تھے) یہ بھی معلوم ہوا کہ اس بچی کا باپ سوتیلا ہے، وہ بچی پر بے حد ظلم ڈھاتا ہے۔ جس سے یہ کیفیت ہوگئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بچی جن گرفتہ ہے۔ کیا واقعی جن گرفتہ ہے؟ اس موقع پر ایک غیر شادی شدہ لڑکی کو دیکھا۔ وہ بھی عبداللہ شاہ اصحابی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی جالی پکڑ کر چلا رہی تھی۔ لوگوں نے اسے بھی جن گرفتہ (یا آسیب زدہ بتایا) اور کہا کہ صاحب مزار نے اس عورت کو پکڑ رکھا ہے۔ اب یہ عورت اس وقت تک جالی سے ہاتھ نہیں ہٹا سکتی جب تک جن نہ بھاگ جائے۔ جن گرفتہ عورت چیخ رہی تھی کہ:

عبداللہ مجھے چھوڑ دے، ورنہ میں یہ کروں گا اور وہ کروں گا (لڑکی مردانے لہجے میں بول رہی تھی) یہ واقعات میں نے خود ٹھٹھہ کے مزاروں پر دیکھے ہیں۔ عرفان صاحب نے سوال کیا ہے کہ ان واقعات کی تشریح و تفسیر کیا ہوگی؟ اور ان کا سائنسی تجزیہ کس طرح کیا جائے گا؟ واضح رہے کہ میں مادہ پرست ہوں اور ان کرشموں کی خالص سائنسی تشریح و توجیہہ چاہتا ہوں''۔

☆.....☆.....☆

دو شخصیتیں

یہ ایک ایسے دوست کے بیانات کا خلاصہ ہے۔ جو واقعی سائنسی نقطہ نظر رکھتے ہیں اور کسی بات پر اس وقت تک ایمان لانا نہیں چاہتے۔ جب تک فراست عامہ یعنی روزمرہ برتی جانے والی عقل مطمئن نہ ہو جائے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ شاہ اصحابی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ (نہ جانے اصل نام کیا ہوگا) اور مائی مکلی کے مزاروں پر جن گرفتگی یا آسیب زدگی کے چند مریض دیکھے۔ ایک سترہ سالہ دبلا پتلا لڑکا۔ دو بچیاں، آٹھ دس سال کی اور ایک نوجوان عورت! جن پر بے خودی سی طاری تھی۔ وہ چیختے تھے۔ چلاتے تھے، زمین پر سر دے مارتے تھے۔ پٹخنیاں کھاتے تھے۔ چلاتے تھے کہ بادشاہ اسے جلا دے۔ یہ مجھے آٹھ سال سے پریشان کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

محمد عرفان کا مطالبہ ہے کہ ان جناتی مریضوں اور آسیب زدہ معمولوں کے ذہن کا نفسیاتی اور سائنسی تجزیہ کیا جائے، نفسیاتی طور پر تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ یہ سب مالیخولیا یا بٹی ہوئی شخصیت اور تقسیم شدہ (شیزوفرینیا) کے مریض ہیں یعنی ان کا نفس (شعور لاشعور) دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ مریضوں کے ذہن یا نفس کا ایک حصہ کسی خیالی آسیب یا جن کے زیر اثر ہے اور دوسرا حصہ اپنے حقیقت پسندانہ مطالعے میں مصروف ہے۔ جب ذہن کا یہ آسیب زدہ (جن گرفتہ) حصہ بروئے کار آتا اور ابھرتا ہے تو مریض اپنے آپ کو جن یا بھوت سمجھ کر جن یا بھوتوں جیسی حرکتیں کرنے لگتا ہے، جب یہ کیفیت دور ہو جاتی ہے تو مریض اپنی اصلی حالت میں آ جاتا ہے۔ جب مریض کو بتلایا جاتا ہے کہ تم نے ابھی ابھی شیزوفرینیا (مالیخولیا) کے دور کے زیر اثر یہ کہا اور وہ کہا یہ کیا اور وہ کیا۔ تو وہ صاف انکار کر دیتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں معلوم، میں کس حالت میں تھا۔ کیا کر رہا تھا اور کیا کہہ رہا تھا؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ جن گرفتہ کی دو شخصیتیں ہوتی ہیں۔ ایک آسیبی یا جناتی شخصیت دوسری حقیقی یا نارمل شخصیت! یہ دونوں شخصیتیں نہ صرف ایک دوسرے سے انجان یا ایک دوسرے کے متضاد ہوتی ہیں بلکہ بجائے خود آزاد و خود مختار بھی ہوتی ہیں۔ جب ذہن کا ایک حصہ (مثلاً آسیب زدہ حصہ) بروئے کار آتا ہے تو مریض کے تمام نظام تصورات، نظام جذبات، نظام محسوسات بلکہ اس کی گفتگو، لہجے، انداز، الفاظ، آنکھوں کے اشارے، چہرے کے رنگ، جسم کی حرکات، الغرض پورے کردار کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور جب ذہن کا دوسرا حصہ یا دوسری شخصیت ابھرتی ہے تو وہ مریض بالکل مختلف رنگ روپ میں نظر آتا ہے۔ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں، جو دوہری، تہری بلکہ چوہری شخصیت کا مالک نہ ہو، ہر نارمل شخص کسی نہ کسی وقت ایب نارمل ہو جاتا ہے، بعض لوگ خاص خاص جذباتی وجود کے زیر اثر دو ٹکڑوں میں بٹ جاتے ہیں، یعنی ان کی دو کھانپیں یا قاشیں ہو جاتی ہیں اور جوں جوں ذہن کے ان کٹے ہوئے حصوں کے درمیان جدائی کی خلیج چوڑی ہوتی چلی جاتی ہے۔ ان کی مالیخولیائی کیفیت یا دماغی جنون، جذباتی کشمکش اعصابی کمزوری اور نفسیاتی پیچیدگی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ تاآنکہ وہ مکمل پاگل ہو جاتے ہیں اور اس پاگل پن کے زیر اثر

اپنے کو کچھ سے کچھ فرض کر لیتے ہیں۔ محمد عرفان نے تین کیس بطور مثال پیش کئے ہیں۔(1) سترہ سالہ دبلا پتلا لڑکا۔(2) دو بچیاں۔(3) جوان غیر شادی شدہ عورت۔ سترہ سالہ لڑکے کے بارے میں انہوں نے خود لکھا ہے کہ لڑکے کو کیرم کھیلنے کا نہ صرف شوق تھا، بلکہ وہ اس کا چیمپئن بھی تھا۔ یہاں تک کہ اس کھیل میں اسے انعامات بھی ملے اور اب تک چیمپئن کی حیثیت سے اس کے فوٹو "کیرم کلب" میں لگے ہوئے ہیں۔ باپ نے بیٹے کو کیرم کا رسیا دیکھ کر اتنی پٹائی کی کہ وہ دماغی دورے میں مبتلا ہو گیا۔ اس وضاحت سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ بحیثیت مجموعی باپ کا بیٹے کے ساتھ کیا طرز عمل ہوگا؟ کتنا جابرانہ اور کتنا سنگدلانہ؟ اس صورت میں قدرتی طور پر لڑکے کے ذہن کا وہی حشر ہونا تھا جو ہوا یعنی ذہن دو حصوں میں تقسیم! ایک حصہ جن گرفتہ اور دوسرا حصہ غیر جن گرفتہ یعنی صحت مند! بلاشبہ یہ لڑکا مالیخولیا کا مریض ہے اور ڈاکٹروں نے بجا طور پر اس کے دماغی آپریشن کا مشورہ دیا تھا۔ ان حالات میں کیا ضرورت ہے کہ لڑکے کو کسی حقیقی جن کے زیر اثر تصور کر لیا جائے۔ یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ وہ کسی شدید ترین مالیخولیائی کیفیت میں مبتلا ہے۔ دوسرا کیس دو بچیوں کا ہے (عمر آٹھ اور دس سال) ان بچیوں کا باپ بھی انہیں کافی مارتا پیٹتا تھا، پھر ان کی ماں بھی دماغی مریضہ تھی۔ یعنی دماغی کمزوری بچوں کو وراثت میں ملی تھی، باپ کا ظلم و ستم مزید، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں بچیاں نیم پاگل ہو گئیں، اب لوگ انہیں جن گرفتہ سمجھتے ہیں تو سمجھنے دیجئے۔ حقیقت واقعہ یہی ہے کہ دونوں بچیاں شیزوفرینیا کی مریضہ ہیں۔ تیسرا کیس ایک جوان غیر شادی شدہ عورت کا ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جن کے زیر اثر ہے، مگر وہ جن اس کے دبے ہوئے، دبائے ہوئے، گھٹے ہوئے، کچلے ہوئے طوفانی جذبات کا جن ہے، ان تیز و تند جذبات نے اپنی نکاسی اور اخراج و اظہار کا ایک راستہ خود بخود پیدا کر لیا ہے اور وہ ہے جنون کا راستہ جب انسان اپنے جذبات کی سلگتی ہوئی بارود کو مسلسل دبانے کی کوشش کرتا ہے تو ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ کسی بیرونی یا اندرونی تحریک سے مشتعل ہو کر، مقید جذبات جوالامکھی کی طرح پھٹتے اور انسان کو بیچ مچ کا بھوت بنا دیتے ہیں، یعنی ذہن ایک ٹکڑے سے کئی ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے۔ آسیب زدگی، ہسٹریا، مرگی، دماغی دورے، شدید اختلاج قلب، ہذیان (سوتے یا جاگتے میں بڑبڑانا) خواب میں چلنا (SOMNAM BULISM) بے انتہائی جذباتی ہیجان، اور بے انتہا، جذباتی ہیجان کے تحت کیفیتوں کے اثرات نہ صرف ذہن پر شدت سے پڑتے ہیں۔ بلکہ جسم بھی ان کی لپیٹ میں آ جاتا ہے اور طرح طرح کی جسمانی بیماریاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ محمد عرفان کے پیش کردہ تینوں کیس مالیخولیا اور "تقسیم شدہ شخصیت" کے کیس نظر آتے ہیں، مگر ان دماغی عارضوں کے ساتھ یہ تینوں مریض کسی جن یا آسیب کے اثر میں بھی ہیں؟

بحث کا یہ پہلو تشنہ رہ گیا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے آسیب زدگی کے سینکڑوں مریض دیکھے ہیں، بلکہ میرے اپنے خاندان کی چند عورتیں بھی ہسٹریا، یا آسیب زدگی کے کسی دورے میں مبتلا تھیں۔ میں نے بہت سے آسیب زدگی مریضوں کی تحلیل نفسی کا بھی فریضہ انجام دیا ہے اور اس چھان بین کے نتیجے میں نفس انسانی کے بارے میں عجیب و غریب معلومات حاصل ہوئی ہیں، اس طرح بصد انکسار مگر کسی قدر ادعا کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی آسیب زدہ یا جن گرفتہ یا مالیخولیا کے مریض کا ذہن کسطرح کام کرتا ہے؟ عام حالات میں بھی اور خاص خاص حالات میں بھی۔

☆......☆......☆

کتنا تہہ دار؟

انسانی ذہن کتنا پیچیدہ، کتنا گہرا اور کتنا تہہ دار ہے؟ فن تنویم (ہپناٹزم) کے ذریعے بھی اس کا بخوبی تجربہ کیا جا سکتا ہے۔ تجربہ بھی، آپ ایک شخص پر تنویمی نیند طاری کیجئے اور اس نیند کو گہرا، اور گہرا کرتے چلے جائیے۔ یہاں تک کہ معمول (جس پر آپ نے تنویمی نیند طاری کی ہے) کی پوری ذہنی، دماغی اور اعصابی شخصیت آپ کی گرفت میں آ جائے اور آپ کی کمانڈ اور حکم پر چلنے لگے۔ اس عالم میں آپ معمول کے جسم اور نفس پر جو کیفیت اور حالت طاری کرنا چاہیں گے وہ طاری ہو جائے گی۔ آپ اس کے جسم میں سوئیاں چبھو دیجئے اور کہئے کہ ان سوئیوں یا چھریوں کے چبھن یا کاٹ تمہیں قطعاً محسوس نہ ہو گی، کیا مجال جو محسوس ہو جائے، اس کے جسم پر انگارے رکھ دیجئے اور کہئے کہ تمہارا جسم قطعاً نہ جلے گا، کیا امکان کہ جل جائے، یا اس کے برخلاف یہ یقین دیجئے کہ میں تمہارے سر پر رومال رکھتا ہوں۔ مگر محسوس کرو گے کہ پہاڑ اچانک میرے سر پر پھٹ پڑا ہے، چنانچہ معمول کے سر رومال رکھتے ہی، وہ اس طرح چیخے گا، تڑپے گا، جس طرح واقعی لاکھ من کا بوجھ سر پر رکھ دیا گیا ہے آپ تنویمی نیند کے عالم میں معمول کے جس حصہ جسم کو چاہیں شل کر دیں، بے جان کر دیں، بے حرکت کر دیں، الغرض تنویمی نیند انسانی جسم کو اس حالت میں لے آتی ہے کہ بڑے بڑے آپریشن کر دیئے جاتے ہیں اور معمول کو پتہ بھی نہیں چلتا، یہ تو ہوئے تنویم کے وہ اثرات، جو انسانی جسم پر پڑتے اور اس میں معمولی قوتیں یا صلاحیتیں بیدار کر دیتے ہیں، اب آیئے ذہن کی طرف، تنویمی کیفیت میں معمول، عامل کے اشارے پر غیر معمولی کیفیات کا مظاہرہ کرتا ہے، اس قسم کا ایک مظاہرہ مجھے یاد ہے:

معمول کو تنویمی نیند کے عالم میں حکم دیا گیا کہ تم یہ محسوس کرو کہ میں اپنے جسم سے باہر نکل رہا ہوں، اس حکم یا ترغیب کو کئی بار دہرایا گیا۔ آخر معمول نے اقرار کیا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے جسم سے باہر نکل رہا ہے۔ عامل یہی فقرہ دہرائے جا رہا تھا کہ تم محسوس کرو کہ میں اپنے جسم سے باہر نکل رہا ہوں، باہر نکل گیا ہوں، پانچ سات منٹ کے بعد معمول نے اطلاع دی کہ میں اپنے جسم سے باہر آ گیا ہوں، اور یہ میرے سامنے صوفے پر میرا جسم پڑا ہے۔ معمول سے سوال کیا گیا کہ تم اس حالت میں یعنی جسم سے باہر آ کر کیا کیفیت محسوس کر رہے ہو؟ اس نے کہا بالکل ہلکا پھلکا، جیسے میرے اندر وزن ہی نہیں۔ جیسے میں ہوا کی طرح لطیف ہوں، اس کے بعد عامل نے کہا کہ تم برق رفتاری کے ساتھ لاہور چلے جاؤ۔

چلے گئے؟

جی ہاں! میں چشم زدن میں لاہور پہنچ گیا اور اب میں گلی نمبر...... محلہ نمبر...... سے گزر رہا ہوں اور بھائی ارشد کا مکان میرے

سامنے ہے، عامل نے کہا۔ مکان کے اندر داخل ہو جاؤ اور تفصیل کے ساتھ بتاؤ کہ بھائی اس وقت کیا کر رہے ہیں؟ ان کی بیوی کہاں ہے؟ بڑی بچی کہاں ہے اور جوان کے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں وہ کیا کر رہے ہیں؟ معمول نے کہا کہ بھائی ارشد غسل خانے میں ہیں۔ بھابی شاپنگ (خرید و فروخت) کے لئے باہر گئی ہیں۔ بڑی بچی کو بخار ہے اور مہمان چلے گئے، جب تنویمی معمول بھائی ارشد کے مکان کی تفصیل بیان کر چکا، تو عامل نے اسے حکم دیا کہ اچھا واپس آ جاؤ!

آ گئے واپس؟

جی ہاں آ گیا۔

تو اپنے جسم میں داخل ہو جاؤ۔

داخل ہو گیا۔

اس کے بعد بخشنر کے ذریعے معمول کی تنویمی کیفیت ختم کر دی گئی۔ چند لمحے بعد معمول بالکل ہوش و حواس میں تھا۔ فوراً ہی لاہور ٹیلی فون کر کے بھائی ارشد سے پوچھا کہ کیا آپ غسل خانے میں تھے، کیا بھابی خریداری کے لئے بازار گئی ہیں؟ کیا کرن (بڑی لڑکی) کو بخار ہے؟ کیا آپ کے مہمان چلے گئے؟ انھوں نے ایک ایک بات کی تصدیق کی اور حیرت سے پوچھا کہ یہ باتیں تمہیں کس طرح معلوم ہوئیں؟ کیا تمہیں علم غیب حاصل ہے؟ یہ واقعہ میرا چشم دید ہے، کیا اس سے اندازہ نہیں ہوتا کہ نفس انسانی کتنے عجائبات کا خزانہ ہے؟ خیر یہ ایک اور بحث ہے۔ سوال یہ ہے کہ سائنس کی روشنی میں "جنات" کی حقیقت کیا ہے؟

عقیل احمد نے (کوئٹہ سے) لکھا ہے:

مجھے یقین ہے کہ جن موجود ہیں۔ میری بچی ہوا میں معلق ہو جاتی ہے۔ اس کے کپڑوں میں خود بخود آگ لگ جاتی ہے۔ گھر کی چیزیں، یہاں تک بھاری بھاری سامان (لوہے کی الماریاں اور مسہریاں) کسی ہاتھ لگائے بغیر زمین سے اٹھتا، ہوا میں چکر لگاتا اور پھر آہستگی کے ساتھ زمین پر رکھ دیا جاتا ہے، جیسے دیو کوئی کھیل کھیل رہے ہیں!

عقیل احمد کا بیان میرے لئے نہ تو نیا ہے نہ انوکھا۔ میں اس قسم کے متعدد واقعات کا شاہد عینی رہا ہوں اور اس موضوع پر بے شمار خط پڑھ چکا ہوں۔ صدہا لوگوں کے مشاہدات سن چکا ہوں۔ اگر یہ واقعات، تجربات اور مشاہدات صحیح ہیں اور بہت سے واقعات کی تصدیق کی جا چکی ہے تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ سائنس کی روشنی میں جنات کا مطالعہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ لیکن نہیں، آیئے ہم اس سوال کو الٹ کر اس طرح کر دیں کہ جنات کے واقعات کی روشنی میں سائنس کا مطالعہ کس طرح کرنا چاہئے۔ پہلے اس سوال پر بحث کریں پھر اس مسئلے پر کہ سائنس کی روشنی میں جنات (نادیدہ مخلوق) کی حیثیت اور حقیقت کیا ہے؟ یا کیا ہو سکتی ہے؟

☆......☆......☆

مابعدالحیاتیات

تصور یہ کیا جائے کہ جن، ایک مخلوق ہے۔ جس کی تخلیق مادے کی بعض غیر معمولی قسموں سے کی گئی ہے۔ ہم زندگی کے اس نظام اور جانداروں کے سلسلے میں واقف ہیں جو ہماری زمین پر پایا جاتا ہے۔ ہمارا علم حیاتیات زندگی کے صرف ایک ہی نمونے سے بحث کرتا ہے۔ لیکن جس طرح نفسیات کی ٹہنی سے مابعدالنفسیات کی کونپل پھوٹ نکلی ہے۔ اسی طرح حیاتیات کے پیٹ سے ایک نئی سائنس جنم لے رہی ہے۔ جسے مابعدالحیاتیات (EXO-BIOLOGY) کہا جاتا ہے۔ ایکسو بیالوجی میں زندگی کی ایسی شکلوں سے بحث کی جاتی ہے۔ ایسے نمونوں کو زیر بحث میں لایا جاتا ہے جو فی الحال زمین پر کہیں نظر نہیں آتے اور انہیں موجود علم الحیات اور فن حیاتیات کے اصول مسلمات اور قوانین کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاسکتا۔ نوبل پرائز یافتہ امریکی عالم حیات جوشولیڈر برگ اس نئی سائنس (ایکسو بیالوجی) کا رہنما ہے۔ مابعدالحیاتیات کا سب سے پہلا مسئلہ اور بنیادی سوال یہ ہے کہ ہماری زمین سے باہر کائنات کے کسی گوشے یا خلاء کے کسی قریب و بعید سیارے میں زندگی موجود ہے؟

اگر موجود ہے تو ہمارے نظام زندگی، یعنی زمینی جانداروں کے سلسلہ حیات سے کس حد تک اور کس طرح مشابہ یا کس حد تک مختلف ومتضاد ہے۔ کائنات میں زندگی کے بے شمار نمونے پائے جاتے ہیں، اور ان گنت زندگیوں کے یہ نمونے جسم و جان کے اس سانچے سے جو ہمیں تفویض کیا گیا ہے۔ قطعی مختلف ہوسکتے ہیں۔ جدید ہیئت دانوں کا اندازہ ہے کہ صرف ہمارے کہکشانی نظام کے اندر ایسے 64 کروڑ سیارے پائے جاتے ہیں۔ جہاں زندگی قطعی مختلف شکلوں میں روبہ کار آسکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے کہکشانی نظام (اور اس قسم کے بے شمار کہکشانی نظام کائنات کے اندر موجود ہیں) کے اربوں سیاروں میں سے چونسٹھ کروڑ سیاروں میں چونسٹھ کروڑ قسم کے نمونے ہائے حیات کے ارتقاء کی گنجائش موجود ہے اور چونسٹھ کروڑ سیاروں میں دس لاکھ سیارے باشعور اور ترقی یافتہ زندگی اور نظام جسم و جان کو وجود میں لانے کے لئے ہر طرح موزوں ہیں، ان سیاروں میں اعلیٰ درجے کی ذہین اور باشعور مخلوق کا کامل امکان پایا جاتا ہے۔ بابل ونینوا کی دیومالا (علم الاصنام) کی رو سے قدیم ترین زمانے میں آسمانی فرشتے (ہاروت وماروت) زمین پر اترے اور انہوں نے دجلے اور فرات کے کنارے تہذیب وتمدن کی بنیادیں رکھیں تو کیا ہاروت وماروت کسی دوسرے سیارے کی ذہین اور باشعور مخلوق سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر یہ بھی سوچئے کہ ہماری زمین میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ اللہ کی کامل ترین اور نادر ترین مخلوق صرف اسی مٹی سے جنم لے سکتی ہے، باقی پوری کائنات بانجھ ہے۔ کائنات میں ہماری زمین سے کہیں بڑے، کہیں زیادہ روشن اور کہیں زیادہ

شاندار سیارے موجود ہیں زمین تو سیاروں اور سیارچوں کے اس صحرائے اعظم میں صرف ایک ذرے کے برابر ہے۔ پہلے ہم زمین کو مرکز کائنات تصور کرتے تھے اور مفروضے پر یقین رکھتے تھے کہ آسمان کے سارے ستارے اور سیارے اور چاند، سورج کرہ ارض کا والہانہ طواف کررہے ہیں۔ لیکن جونہی چشم دوربین اور چشمہ دوربین میں سے خلاء کا معائنہ شروع کیا تو پتہ چلا کہ:

انجم ہیں خلا میں پابہ جولاں سورج ہے زمیں سے پابہ زنجیر

طبعی کائنات میں کرہ ارض کی مرکزیت کا تصور کبھی کا ختم ہو چکا، البتہ کائنات حیات میں زمین کے تنہا مرکز حیات ہونے کا تصور اب تک باقی ہے، یعنی یہ پوری خلائے غیر محدود یعنی بے حد، بے انتہا اور عدد کائنات میں صرف زمین ایک ایسا کرہ ہے جس پر زندگی پائی جاتی ہے۔ یہ عقیدہ ہنوز برقرار ہے لیکن عنقریب بعد الحیات کا علم اس بت کو بھی توڑنے والا ہے۔

☆......☆......☆

پروٹین ان واٹر

ہماری زمین اور ہماری زمین کی مخلوقات، جن کیمیاوی مادوں سے مل کر بنی ہے، پوری کائنات کی تعمیر میں وہی کیمیاوی مسالہ، وہی ایٹم، وہی گیس اور عناصر کا وہی اینٹ گارا استعمال کیا گیا ہے، پھر یہ کیوں سمجھ لیا کہ صرف یہی ننھا منا سا نیلے رنگ کا کرہ، جاندار مخلوق کا مسکن اور زندگی کا گہوارہ اور باقی ساری کائنات، یہ عظیم الشان رنگ، حسین پر شکوہ اور پراسرار کائنات، جو لاکھوں کہکشانی نظاموں اور کروڑوں سورجوں اور ان کے تابع اربوں سیاروں پر مشتمل ہے۔ فقط قبرستان کی حیثیت رکھتی ہے۔ انصاف کیجئے یہ خیال کتنا طفلانہ اور تصور کس درجہ مضحکہ خیز ہے۔ زمین پر دو عناصر، ہائیڈروجن اور ہیلیم کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ کرہ ارض کی پیدائش کے وقت نیون (NEON) اور آرگون (ARGON) گیسیں بھی قدرتی حالت میں یہاں موجود تھیں لیکن رفتہ رفتہ طبعی اسباب کے سبب ضائع ہو گئیں۔ ہماری دھرتی ماتا پر زندگی کی جتنی شکلیں اور نمونے یا جتنی شکلوں اور نمونوں کی زندگی پائی جاتی ہے (انسان سے نباتات تک) اس کا مرکزی جوہر یا بنیادی مسالہ پروٹینز اور (NUELEIC ACIDS) کے سیالمات ہیں۔ زمین کی تمام زندہ مخلوقات ایک قسم کے ایٹموں سے مرکب ہے، ایک ہی قسم کی کیمیاوی تبدیلیوں کے دور سے گزرتی ہے، اور انرجی (توانائی) حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے لئے یکساں ذرائع استعمال کرتی ہے، زمین پر زندگی کی ابتدا سمندروں سے ہوئی اور ہمیں معلوم ہے کہ اس میں کون کون سے کیمیاوی عناصر پائے جاتے ہیں۔

کروڑوں، اربوں برس پہلے جب سمندر سے زندگی کا آغاز ہوا تھا تو اس کے آغاز اور ظہور کی بہت سی شکلیں اور طریقے ممکن تھے۔ زندگی اپنے اظہار کے لئے کوئی سا نمونہ بھی پسند اور اختیار کر سکتی تھی مگر ہوا یہ کہ اظہار حیات کی بے شمار ممکن صرف شکلیں اور امکانی نمونوں میں سے صرف ایک شکل اور نمونہ بروئے کار آیا اور ہم صرف اس شکل حیات اور نمونہ زندگی سے واقف ہیں اور ہمارا فن حیات حیاتیات کے صرف ایک ہی فارمولے سے بحث کرتا ہے۔ مگر اس کے معنی یہ تو نہیں کہ ظہور حیات اور نمود زندگی کی باقی تمام اسکیمیں، فارمولے اور منصوبے ناقابل عمل تھے۔ مثلاً یہ ہو سکتا تھا کہ کرہ ارض پر ''پردار انسان'' اور انسانوں کی طرح سوچنے سمجھنے والے سیاست کار اور سائنس داں پرندے ظہور پذیر ہو جاتے۔ آخر ہم یہ کیوں فرض کئے بیٹھے ہیں کہ زمین پر صرف وہی نظام حیات ضامن حیات ہو سکتا تھا جس سے ہم آشنا ہیں۔ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ ہر قسم کی زندگی (نباتات، حیوان اور انسان) کا بنیادی مسالہ ایک ہی ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ نیم کے پیڑ، بلی کے بچے اور اس مضمون کے راقم میں بنیادی مسالے کا استعمال اور اظہار مختلف شکلوں میں ہوا ہے، زمینی مخلوقات کی

شکل وصورت مختلف سہی، بنیادی ترکیب اور مادہ تعمیر ایک ہے۔ دیکھ لیجئے نا! موم اور پلاسٹک کے مواد سے کتنی مختلف چیزیں اور کتنی عجیب و غریب شکلیں بن جاتی ہیں۔ زمین پر زندگی اور آکسیجن کا ساتھ ہے۔ لیکن اس غلط فہمی میں کیوں مبتلا ہوا جائے کہ جہاں آکسیجن نہیں وہاں زندگی نہیں۔ زمین پر سبزہ، پودے اور درخت آکسیجن پیدا کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ زمین برہنہ تھی، یعنی زمین پر سبزہ وگل موجود نہ تھا۔ ہائے کیا شعر یاد آیا۔

جو سبزہ و برگ سے ہو محروم
وہ شبنم بے کفن ہیں ہم لوگ

تاہم اس وقت بھی زمین پر ایسے جاندار موجود تھے، جو آکسیجن کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں۔ قبل آکسیجن دور کے بعض بیکٹریا (جراثیم) اب تک برقرار ہیں اور آکسیجن جیسی حیات بخش سوج نسیم ان کے لئے زہر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کرہ ارض پر ایسی مخلوقات قائم رہ سکتی ہیں جو زندگی کے لئے آکسیجن کی محتاج نہیں تو مریخ پر کیوں قائم وزندہ نہیں رہ سکتیں، ارضی فن حیاتیات کی رو سے مریخ پر زندگی کا کوئی امکان نہیں، کیونکہ وہاں نہ ہوا ہے، نہ پانی اور سردی اس قدر شدید ہے کہ حیات پہلے ہی قدم پر ٹھٹھر کر رہ جائے۔ مگر کیا یہ حقیقت تعجب انگیز نہیں کہ مریخ کی مفروضہ دقتوں اور رکاوٹوں سے کہیں زیادہ مشکل اور مخالف حیات ماحول کا مقابلہ کر کے زمین پر بعض جاندار (بیکٹریا اور فنگی) زندہ رہے ہیں اور صحیح سلامت ہیں۔ حیات کی نئی سائنس (EXO-BIOLOGY) کا موضوع فکر زندگی کے یہی امکانات ہیں۔ زمین پر نباتات، حیوانات اور انسان کی شکل میں زندگی کا جو ڈھانچہ تشکیل پایا ہے۔ وہ سالمات (MOLECULES) سے مرکب ہے۔ ان میں (PROTEIN) کے سالمات سب سے زیادہ اہم ہیں کیونکہ کوئی مسالہ ان کی جگہ نہیں لے سکتا۔ پروٹین کے سالمے پانی میں پرورش پاسکتے ہیں۔ آج بھی تمام زمینی مخلوقات میں پانی کی مقدار پچاس (50) سے اسی (80) فیصد تک پائی جاتی ہے۔ زمینی زندگی کے اس فارمولے کو کیمیاوی زبان میں "پروٹین ان واٹر" فارمولا کہتے ہیں گویا میں آپ، یہ پیڑ جس کے سائے میں مضمون لکھا جارہا ہے یہ کوا جو دیوار پر بیٹھا کائیں کائیں کررہا ہے یہ مکھی جو کان کے پاس بھنبھنا رہی ہے۔ یہ چیونٹی جو پاؤں پر رینگ رہی ہے۔ ان سب کی زندگی، یا ہم سب کی زندگی کے "پروٹین ان واٹر" فارمولے کی پیداوار ہیں۔ آج تک کیمیا اور حیاتیات کی روشنی میں زمین پر زندگی کے جتنے نمونوں کا امتحان لیا گیا ہے، ان کی تحلیل کی گئی ہے۔ وہ سب کے سب پروٹین اور پانی کے نسخے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن کیا پانی کے بغیر زندگی وجود میں نہیں آسکتی۔ آکسیجن کے سلسلے میں اس مفروضے کو کہ جہاں آکسیجن گیس ہوگی صرف وہیں زندگی پائی جائے گی۔ سائنس کے نقطہ نظر سے غلط ثابت کیا جاچکا ہے۔ اگر کسی سیارے مثلاً مریخ میں پانی کے بجائے ایمونیا (AMMONIA) گیس پائی جاتی ہے تو زندگی کی نشوونما ممکن ہے، چاہے اس زندگی کی شکل کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو۔ ایمونیا ایک تیز چبھنے والی اور اشک آور گیس ہے۔ پانی کی طرح ایمونیا گیس میں بھی زندگی کی نشوونما دینے اور پروان چڑھانے کی قدرتی صلاحیت ہوتی ہے۔ ہمارے نظام شمسی کے جیوپیٹر اور

زحل ستارے میں ہائیڈروجن اور ہیلیم گیسیں کثیر مقدار میں موجود ہیں۔ ان میں امونیا اور میتھان گیسوں کی آمیزش ہے اور یہ کیمیاوی اجزاء جاندار کے کسی نہ کسی سلسلے کو بروئے کار لانے کے لئے قطعی مناسب ہیں، انتہائی سرد اور خنک ترین سیاروں میں زندگی اگر "پروٹین ان واٹر" کے فارمولے پر عمل کر سکتی تو وہ دوسرا نسخہ استعمال کر سکتی ہے۔ وہ ہے "پروٹین ان ایمونیا" کا کیمیاوی فارمولا۔ یہ نسخہ بھی جسم و جاں کے لئے انتہائی مجرب اور بے خطا ہے۔ جتنا پروٹین ان واٹر کا فارمولا اور نسخہ! ہرگز اس خود فریبی پر اصرار اور اس غلط فہمی کی تائید نہ کیجئے کہ صرف وہی بناوٹ، صرف وہی ڈھانچہ اور صرف وہی نمونہ۔ زندگی اور نمود زندگی کے لئے موزوں، مناسب، مفید، کارآمد بلکہ حتمی اور قطعی ہے۔ جسے ہم جانتے، پہچانتے اور برتتے ہیں۔

سائنس کی رو سے کائنات میں زندگی بے شمار ڈھانچوں اور لباسوں میں جلوہ گر ہو سکتی ہے اور عین ممکن ہے کہ زندگی کا ایک نمونہ، زندگی کا ڈھانچہ اور لباس وہ ہو جو دیو، پری، جنات اور فرشتوں کے وجود میں اور ان کے وجود پر نظر آتا ہے۔ ہماری زمین پر "پروٹین ان واٹر" کے فارمولے سے جو زندگی وجود میں آئی ہے وہ کرہ ارض کی آب و ہوا کے عین مطابق ہے۔ لیکن انتہائی خنک اور کرہ زمہریر کی طرح یخ سیاروں پر وٹین ان واٹر کے فارمولے کے بجائے زندگی "پروٹین ان ایمونیا" کے فارمولے کے مطابق وجود میں آسکتی ہے۔ ہم انسان پروٹین اور پانی سے مرکب ہیں اور اپنی غذا ہائیڈروجن اور کاربن کے سالمات سے حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جو غیر انسانی مخلوق پروٹین ان ایمونیا کے فارمولے کے مطابق پیدا ہوئی ہوگی۔ اس کو ہماری طرح غذا کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ فضا سے انرجی جذب کر کے اپنے وجود کو قائم رکھ سکتی ہے۔ جب اس غیر انسانی مخلوق کو غذا کی ضرورت ہی نہیں تو لامحالہ اس کے جسم میں غذا کو ہضم کرنے والے اعضا (معدہ، جگر، گردے اور آنتیں) بھی نہ ہوں گے۔ اس کا جسم کسی اور ہی قسم کا ہوگا "پروٹین ان ایمونیا" کے نمونے پر ترتیب پائی ہوئی مخلوق ممکن ہے کہ جسم کے وزن سے بالکل آزاد ہو، ہوا میں اڑتی ہو، اتنی لطیف ہو کہ بیک چشم زدن نظر سے غائب ہو جاتی ہو، مختلف شکلیں اختیار کر سکتی ہے۔ فن مابعد الحیات کی رو سے کائنات میں ایسی مخلوق کا پایا جانا عین ممکن ہے۔

☆.....☆.....☆

مخلوق آتشیں

یہ بات پہلے ہی طے پا چکی ہے کہ جن جیسی مخلوق کے بارے میں جو کچھ کہا جائے گا۔ اس کا تعلق سائنس اور صرف سائنس سے ہوگا۔ اس بحث میں مذہب واعتقاد کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جائے گا۔ میں اس وعدے پر قائم ہوں اور اسی نقطہ نظر سے اب تک جنات کے وجود پر گفتگو کی جارہی ہے۔ جنات خالص آگ اور ''نار سموم'' یعنی گرم ہوا سے پیدا کئے گئے ہیں، اس قسم کی مخلوق کی جسمانی بناوٹ ہم خاکی نژادوں سے قطعی مختلف ہوگی، نار سموم ایسی گیس کو کہتے ہیں جس میں نہ گرمی ہو، نہ دھواں! یہ ہوا کی طرح خلا میں رواں دواں رہتی ہوگی۔ وقت اور فاصلہ اس کے نزدیک بے معنی چیز ہوگا۔ ممکن ہے کہ خالص نار سموم کی بنی ہوئی تخلوق سیاروں کے درمیان روشنی یا ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کر سکتی ہو۔ مختلف شکلیں بدلنے پر قادر ہو، غذا سے بے نیاز ہو۔ عظیم الشان طاقتوں کی مالک ہو۔ عکس ریز (X-RAY) کی شعاعوں کی طرح ٹھوس جسموں سے گزر سکتی ہو، ہم نے جنات کی یہی خصوصیات سنی ہیں، اور جو حضرات جنات سے ملتے جلتے رہنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی ان کے بارے میں یہی کچھ بیان کرتے ہیں۔ سوال یہ کہ اس قسم کی مختلف آتشیں جو خالص آگ (یعنی مارج من النار) اور نار سموم (گیس) سے پیدا ہوئی ہے۔ ہمارے نظام شمسی کے کسی سیارے میں پائی جاسکتی ہے۔ ہمارے سورج کا وہ کون سا طفیلی سیارہ ایسا ہے جو اس قسم کی ناری تخلوق کو بودوباش اور نشوونما کے لئے موزوں ہے اور بائیو کیمسٹری اور بیالوجی کا وہ کون سا فارمولا ایسا ہے، جو اس قسم کے جانداروں کو وجود میں لانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ آپ کے سامنے اب تک زندگی کو ظہور میں لانے کے دو فارمولے پیش کئے جا چکے ہیں۔ (1) پروٹین ان واٹر کا فارمولا (2) اور پروٹین ان ایمونیا کا فارمولا۔ ہماری زمین پر موجود نظام حیات کو تمام مخلوقات (حیوان وانسان) پہلے فارمولے کی پیداوار ہیں۔ اگر مریخ، زحل اور مشتری میں زندگی موجود ہوگی تو وہ دوسرے فارمولے یعنی پروٹین اور ایمونیا کے سالے سے ظہور میں آئی ہوگی۔ لیکن ہمارے نظام شمسی کے بعض سیارے اتنے سرد ہیں کہ وہاں ایمونیا گیس سیال حالت میں نہیں پائی جاتی اور اس طرح وہ زندگی کی کسی اسکیم کو بروئے کار لانے سے قاصر ہے۔ مثال کے طور پر یورنس، نپ چون سیارے، کہ وہاں شدید ترین سردی کے سبب ایمونیا گیس کا سیال شکل میں پایا جانا ممکن نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یورنس اور نپ چون میں ''پروٹین ان ایمونیا'' کا نمونہ حیات استعمال نہیں کیا جاسکتا، پھر نپ چون اور یورنس سیارے میں جو ہمارے ہی سورج کے گرد گھومتے ہیں زندگی اپنا اظہار چاہے گی، تو کیمیا کے کس فارمولے کو استعمال کرے گی؟

آئیے! اس سوال پر بھی سائنس کی روشنی میں غور کرتے چلیں۔

نپ چون اور یورنس سیاروں میں زندگی کے لامحدود ذخیرے موجود ہیں۔ ''متھان'' قدرتی گیس کا سب سے بڑا جزو ہے، جو تین سو درجے صفر حرارت یعنی نقطہ انجماد سے تین سو ڈگری نیچے والے نقطے پر بھی سیال حالت میں پایا جاسکتا ہے، ایسے سیاروں میں جہاں تین سو درجے صفر درجہ حرارت پایا جاتا ہو، جس کی مثال نپ چون اور یورنس کرتے ہیں، وہاں ''فیث ان متھان'' کا کیمیاوی فارسولا خاص قسم کے جانداروں کو، جو زمینی حیوانوں اور انسانوں سے بااعتبار جسم و جاں بالکل مختلف، زندہ جو بخش سکتا ہے۔ اب آیئے آتشیں مخلوق کی طرف۔

☆.....☆.....☆

جن اور سلفر و فلورین

''جن'' خالص آگ اور گرم ہوا سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اگر کسی سیارے میں 800 ڈگری فارن ہائٹ درجہ حرارت پایا جاتا ہے، تو جن کے قسم کی آتشیں مخلوق وہاں بخوبی اور بفراغت زندگی بسر کر سکتی ہے۔ سائنس کی روشنی میں کہنا چاہیں گے تو یوں کہیں گے کہ جن سلفر (گندھک) کے کیمیادی مواد سے وجود میں آئے ہیں۔ سلفر کی طرح فلورین نامی گیسوں کے سالمات بھی خالص آگ سے بنی ہوئی مخلوق کے لئے مناسب مواد کی حیثیت رکھتے ہیں، جس طرح زندہ زمینی مخلوقات کی کیمیاوی ترکیب میں "ہائیڈروکاربونز" (کلورین، کاربن) عناصر بروئے کار آسکتے ہیں۔ فلورین کے ایٹم ہائیڈروجن کے ایٹوں سے زیادہ پختہ اور مستحکم ہوتے ہیں۔ آپ کسی سائنسداں اور عالم حیات سے پوچھئے کہ کیوں صاحب! جس طرح میں اور آپ ''ہائیڈروکابونز'' مرکبات سے بنائے گئے ہیں اسی طرح کائنات میں کوئی مخلوق ''فلوروکاربونز'' مسالے سے بھی وجود میں آسکتی ہے اور کیا سلفر اور فلورین کے ایٹوں اور سلمات کی ترکیب سے ''جن'' جیسی خصوصیتیں رکھنے والی جاندار ہستیاں جنم لے سکتی ہیں، تو یقیناً اس کا جواب ''ہاں'' میں ہوگا۔ ''نہیں'' میں نہیں ہوگا۔ میرے والد مرحوم علامہ سید شفیق حسن ایلیا نقوی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ جنات کے معاملے سے خالص شغف رکھتے تھے اور اس مخلوق کے بارے میں عجیب و غریب انکشاف فرمایا کرتے تھے۔ میں نے والد محترم کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ جنوں کی بے شمار قسمیں ہیں۔ بعض بے حد خطرناک ہوتے ہیں اور بعض بالکل بے ضرر، بعض قوی ہیں، بعض کمزور، بعض انسانوں سے میل میلاپ پسند کرتے ہیں، بعض پسند نہیں کرتے ہیں۔ روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ جنات کی دس قسمیں معلوم ہوتی ہیں۔ (1) ابلیس، (2) شیاطین، (3) مردہ، (4) عفاریت، (5) اعوان، (6) غواصون، (7) طیارون، (8) توابع، (9) قرنا اور (10) عمار! خیر یہ تو روایت ہے۔ ایکسو بیالوجی (مابعد الحیاتیات) کی رو سے سائنسی حقیقت یہ ہے کہ سلفر اور فلورین کے مرکبات سے ایسی آتشیں مخلوق جو آٹھ سو درجہ حرارت پر زندہ رہ سکے، پیدا ہو سکتی ہے۔ اس طرح ایک عنصر (SILICONES) کے ایٹم بھی آگ سے بنائی جانے والی مخلوق کے لئے بنیادی مسالے کی حیثیت سے استعمال میں لائے جاسکتے ہیں ''فلوروکابونز'' اور سلی کانز سے بنی ہوئی جاندار ہستیاں ایسے لطیف جسم کی مالک ہوں گی۔ جو ضرورت کے وقت ہر سانچے میں ڈھل سکتا ہے۔ ان کا جسمانی نظام ایسا ہوگا کہ غذا کی ضرورت سے بے نیاز ہوں گے اور زمینی پودوں کی طرح براہ راست سورج سے توانائی حاصل کر کے سینکڑوں، ہزاروں سال تک زندہ رہ سکیں گے۔ مشتری انتہائی گرم سیارہ ہے۔ مشتری پر ہماری زمین کے نباتات اور حیوانات ایک لمحے کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ البتہ سلی کانز سے بنے ہوئے جن آسائش کے ساتھ وہاں رہنے سہنے پر قادر ہیں۔ ور

حقیقت ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم زندگی کے صرف ایک ہی (THEME) مضمون کو سمجھ سکتے ہیں۔ کاش ہمیں اندازہ ہوتا کہ یہ کائنات کتنی رنگا رنگ ہے۔ اور اس رنگا رنگ کائنات میں زندگی کے کتنے متضاد نمونوں (انسان جسم، فرشتہ) کو بروئے کار لانے کی صلاحیتیں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں۔ ہمارا فن حیاتیات زندگی کے صرف ایک فارمولے کے گرد گھومتا ہے، وہی "پروٹین اور پانی" کا فارمولا۔ لیکن چونکہ پروٹین اور پانی کے صرف ایک فارمولے سے زندگی کے تمام ممکنات اور امکانات کی تشریح ممکن نہیں۔ اس لئے حیاتیات کی نوخیز سائنس یعنی مابعد الحیاتیات کے ذریعے زندگی کے دوسرے ممکن فارمولوں (ایمونیا، سلفر، فلورین، ہیلی کانز وغیرہ) کو زیر بحث لایا گیا، آج کل نوبل پرائز یافتہ عالم حیاتیات جوشولیڈر برگ ولیم ایمویسٹن، اسٹیفن، ایچ ڈول۔ ہیئت داں کارل سیگاں اور ہیرالڈ سی ارے (عالم کیمیا) ان ہی فارمولوں پر کام کر رہے ہیں، ان کا موضوع فکر یہ ہے کہ دوسرے سیاروں میں جہاں کی آب وہوا اور درجہ حرارت ہمارے سیاروں سے بالکل مختلف ہے، کس قسم کے جاندار پائے جا سکتے ہیں۔

☆......☆......☆

مجنون اور جن

مجنون عربی لفظ ہے۔ مجنون دماغی اعتبار سے ناکارہ مریض کو نہیں، بلکہ اس شخص کو کہتے ہیں جس پر جن مسلط ہو گئے ہوں۔ خود میں نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا ہے، جب جنون کا دورہ پڑتا ہے تو ان سے بعض ضرور جن جیسی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ لیکن مالیخولیا اور مرگی کے مریض کو "جن گرفتہ" سمجھ لینا حماقت ہے۔ مالیخولیا اور دماغی دورے کے ہزاروں مریضوں میں سے چند ہی ایسے ہوتے ہیں۔ جن پر آسیب زدگی اور جن کی گرفتگی کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ حال ہی میں سولہ، سترہ سال کی ایک معصوم لڑکی کو میں نے دیکھا کہ وہ دماغی دورے کے زیر اثر بے حد شور و غل مچاتی تھی، گالیاں بکتی تھی۔ سر زمین پر دے مارتی تھی، اسے کسی پہلو قرار نہ آتا تھا۔ مالیخولیائی دورے کی یہ کیفیت چند گھنٹے جاری رہتی۔ پھر وہ ہوش میں آ جاتی۔ آخر اس بچی کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں اسے تیز خواب آور اعصاب کو سن کر دینے والی گولیاں دی گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ، وہ "لوتھ" اور لاش بن کر رہ گئی۔ چند روز کے بعد بچی کے اعزا اس لوتھ کو گھر اٹھا لائے، اب پھر دماغی دورے کا دور شروع ہوا۔ ایک مرتبہ عالم ہوش میں اس لڑکی نے مجھے بتایا کہ میرا دماغ مجھ سے کہتا ہے کہ میں یہ اعلان کر دوں کہ میں جن ہوں یعنی اپنے کو جنات کے روپ میں پیش کروں، ورنہ مجھ پر کوئی جن وِن، بھوت ووت نہیں ہے۔ لڑکی کا یہ کہنا کہ میرا دماغ کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو جن کے روپ میں پیش کروں، نہایت معنی خیز ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مالیخولیا یعنی بٹے ہوئے ذہن اور تقسیم شدہ شخصیت کے مریضوں کے اندر یہ رجحان کار فرما ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس کیفیت یعنی دماغی دورے کو کسی سپر نیچرل قوت (بھوت ارواح خبیثہ، آسیب، جن، ہمزاد وغیرہ) کی طرف منسوب کر کے اپنے کو بے خطا اور معصوم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی ہم تو کچھ نہیں کر رہے، یہ تو کوئی جن ہے، جو ہم سے سب کچھ کروا رہا ہے، کہلوا رہا ہے۔ یہ سوال بہت قابل غور ہے، بے حد فکر انگیز سوال۔ بہت سی عورتیں اپنی بہت سی فضول حرکات کا یہی عذر پیش کیا کرتی ہیں کہ یہ تو کسی جن کی کارستانی ہے۔ بہر حال معالج کا فرض ہے کہ مالیخولیا کے مریض یا جن گرفت کا علاج شروع کرنے سے قبل پوری طرح اس کی تحقیق کرے کہ اصل معاملہ اور حقیقت واقعہ کیا ہے۔

☆......☆......☆

شاک تھراپی

بعض حالات میں جن گرفتہ مریضوں کا علاج بھی دماغی مریضوں کی طرح "شاک تھراپی" سے کیا جاتا ہے۔ جب مرگی نما دماغی دورے حد سے گزر جاتے ہیں تو مریض کو بجلی کے شاک لگوائے جاتے ہیں۔ برقی جھٹکوں کے ذریعے مریض کو وقتی طور پر افاقہ محسوس ہوتا ہے۔ آسیب زدوں کے علاج کا دیسی طریقہ یہ ہے کہ اس کی ناک دفلیتہ جلا کر مرچوں کی دھونی دے کر، مریض کے گال پر طمانچے مار مار کر، اس کے گرد آگ سلگا کر اور اس قسم کے تشدد آمیز طریقے استعمال کر کے بھوت کو بھگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ مار کے آگے بھوت بھی بھاگے اور یہ مثل کسی نہ کسی حد تک سچ ہے۔ اگر جن گرفتہ مریض بالکل ہی آپے سے باہر نہیں ہوگیا ہے تو اس کا نفسیاتی علاج بھی ممکن ہے۔ اس طرح کہ مریض کے اندر سوئی ہوئی قوت اعتقادی کو جگا دیا جائے۔ جوں ہی مریض کے اندر عقیدے، یقین اور اعتقاد کی حیرت انگیز قوت جاگی اور سارے جن، بھوت اور عفریت بھاگے۔ اس علاج کی پہلی شرط یہ ہے کہ مریض کے ذہن کی چھان بین (تحلیل نفسی) کی جائے۔ مجھ سے ایک جن گرفتہ مریض نے کہا کہ وہ رحیم نامی جن کے زیر اثر ہے، اور یہ جن دہرہ دون سے اسکے ساتھ آیا ہے۔ اس وقت مریض عالم ہوش میں تھا۔ میں نے اسے ایک پرانی بیاض دکھلائی اور کہا کہ دیکھو، اس بیاض میں لکھا ہے؟ بیاض میں لکھا تھا کہ اگر کوئی شخص جنات کی لپیٹ میں آ جائے تو اسے فلاں عزیمت (دعا) پڑھ کر جن سے کشتی لڑنی چاہیئے اور حضرت سلیمانؑ بن داودؑ کی نذر مانی چاہیئے کہ اگر میں جن پر غالب آ گیا تو یہ وہ کار خیر کروں گا۔ مریض سے اس طرح تقریر کی گئی کہ اسے عزیمت (دعا) کی برکت و طاقت پر سو فیصدی یقین آ گیا۔ آنا ہی چاہیئے تھا اس عزیمت یعنی اپنے عقیدے کی طاقت سے وہ بہت حد تک صحت مند ہوگیا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ جنات کے اثرات دفع کرنے کے لئے جو عملیات کئے جاتے ہیں وہ بےکار ہیں اور سارے عامل صرف نفسیاتی طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ ایسا نہیں عملیات کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔ طبی نفسیات کی اپنی جگہ! دیکھنا یہ ہے کہ علاج کے دوران کس وقت کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

☆......☆......☆

اکبر شاہ جن

ڈاکٹر مسعود احمد چشتی (بلاک نمبر 6، سینٹرل طیبہ کالج، سرگودھا) سے لکھتے ہیں کہ: ایک نوجوان باکرہ لڑکی کو ہر سال ایک سانپ مقررتاریخ یعنی 29 اگست کو ڈستا ہے۔ اس سے پہلے تین چار سانپ مارے جا چکے ہیں۔ مگر ڈسنے والے سانپ کا پتہ نہیں چلتا۔ خط و کتابت کے بعد آپ کے مشورے سے لڑکی کو چراغوں کے سامنے بٹھایا گیا۔ دیئے روشن کئے گئے اور مریضہ (جن گرفتہ لڑکی) کو سرخ کپڑے پہنا کر چراغاں کے سامنے بٹھایا گیا اور لڑکی سے کہا گیا کہ وہ چراغ پر پلک جھپکائے بغیر نظریں جما دے اس کے بعد سورہ جن کی تلاوت شروع کی گئی۔ جب سورہ جن کی تلاوت دوسری مرتبہ کی جارہی تھی تو لڑکی پچھنی کھا کر زمین پر گر پڑی، جیسے کسی نادیدہ ہاتھ نے اسے زمین پر دے پٹکا ہے۔ لڑکی نے اس حیران کن حالت میں اعلان کیا کہ میرا نام اکبر شاہ جن ہے اور میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں شامل ہوں۔ جن سے کہا گیا کہ وہ لڑکی کو پراسرار سانپ کے ڈسنے سے نجات دلا دے۔ لیکن کوئی تشفی جواب نہ ملا۔ اب اس جن گرفتہ لڑکی کی حرکات سنئے۔ (1) پورا گھڑا جس میں چھ سات سیر پانی تھا غٹ غٹ چڑھا گئی۔ (2) چائے کی چھ پیالیوں والی کیتلی کی ٹونٹی منہ لگا کر گرم گرم پانی پی گئی۔ (3) دورے کی حالت میں مریضہ چھلانگیں لگاتی ہے، شور مچاتی ہے۔ اکبر شاہ نے (جو مریضہ پر مسلط ہے) ہمارے دوست محمد اقبال سے مطالبہ کیا کہ پانچ سو روپے دلاؤ۔ (4) لڑکی کو بتلائے بغیر ایک شخص کو بھیجا گیا کہ عامل (جن اتارنے والے) کو بلا لائے۔ لڑکی نے چیخ چیخ کر کہا کہ عامل کو بلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (5) ڈاکٹر اس دورے کو ہسٹریا کا دورہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص سے کہا گیا کہ وہ برومائڈ (ہسٹریا کی دوا) لے آئے۔ لڑکی نے کہا میں ہسٹریا کی مریضہ نہیں، برومائڈ کے استعمال سے کیا فائدہ ہوگا۔ (2) مریضہ کی اطلاع کے بغیر سادہ پانی میں برومائڈ ملا کر اسے دیا گیا۔ لڑکی نے تھپڑ مار کر اس گلاس کو توڑ دیا کہ مجھے سادہ پانی میں برومائڈ ملا کر پلاتے ہو تمہیں شرم نہیں آتی۔ ڈاکٹر مسعود احمد چشتی رقم طراز ہیں کہ آپ کو ان حالات سے مطلع کیا گیا تو آپ نے ہدایت کی کہ فلاں سورہ پانی میں دم کر کے مریضہ کو پلاؤ۔ اس ہدایت پر عمل کیا گیا مگر بے سود، اس علاقے میں جتنے عامل رہتے تھے، سب کو بلایا گیا، آزمایا گیا۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پیر سیال شریف اور دوسرے بزرگوں نے اکبر شاہ جن پر قابو پانے اور اسے بھگانے کی تدبیریں کیں۔ لیکن وہ اب تک اس لڑکی پر مسلط ہے۔ مریضہ اب اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ پہچاننا مشکل ہے اس کے بعد کے واقعات بے حد غم انگیز اور دردناک ہیں۔ (1) جن گرفتہ مریضہ کا گھر بالکل تباہ ہو چکا ہے۔ (2) جن کے جنوں میں مبتلا ہو کر اس کی چارپائیاں توڑ ڈالیں، ماں بہنوں کی زبردست بے حرمتی کی، چھلانگ لگا کر چھت پر چڑھ گئی اور پھر چھلانگ لگا کر چارپائی پر کود گئی اور اسے

توڑ دیا۔ مزید تشویشناک بات یہ ہے کہ جن گرفتہ لڑکی جس گھر میں جاتی ہے وہاں تباہی مچ جاتی ہے۔ مثلاً محمد حسین شیر فروش کے گھر آنا جانا شروع کیا تو وہ ڈاکہ زنی کے شبہے میں پکڑا گیا۔ تلاشی پر مال مسروقہ برآمد نہیں ہوا۔ تاہم جیل کی ہوا کھا رہا ہے۔ محمد حسین کی بیوی پر فالج گر گیا۔ مجھلے لڑکے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ خود ڈاکٹر مسعود احمد چشتی (جنہوں نے لڑکی کے علاج میں کافی دلچسپی لی تھی) اکبر شاہ جن کی ہلاکت انگیزی سے نہ بچ سکے۔ ان کی صحت مند گریجویٹ بیوی 10 جنوری 1973ء کو وفات پا گئیں۔ اپنا ذاتی گھر فروخت کرنا پڑا، اب کرائے کے مکان میں سکونت ہے۔ پہلے مطب خوب چل رہا تھا۔ کئی دائیاں اور نرسیں کام کرتی تھیں، اب مطب اجاڑ ہے، الو بول رہے ہیں۔

ڈاکٹر مسعود احمد چشتی نے اپنے دوسرے خط مورخہ 15 دسمبر 1972ء میں لکھتے ہیں کہ جن گرفتہ لڑکی کی زبان سے اکبر شاہ کی جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اکبر شاہ ڈھائی لاکھ جنوں کے قبیلے کا سردار ہے۔ وہ قبیلہ بہ حضرت سید علی ہجویری (داتا گنج بخش) کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ اکبر شاہ جن کے قبیلے کے افراد خود عمل، وظائف اور ذکر و اذکار میں مشغول رہتے ہیں۔ لہٰذا ان پر معمولی عملیات اثر انداز نہیں ہوتے۔ اکبر شاہ جن سے جب آپ کا ذکر کیا گیا تو اس نے بڑی عقیدت سے آپ کے حالات سنائے۔ وہ ادیب کی حیثیت سے آپ کا بڑا احترام کرتا ہے۔ اس عقیدت کے باوجود تعجب ہے کہ اس نے ہماری نقصان رسانی میں کمی نہ کی آزاد قبائل کے مشہور پیر فقیر ایپی کی سالی کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا فقیر صاحب کی سالی پر ایک جن مسلط ہو گیا۔ بڑے بڑے مشائخ نے جن اتارنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ آخر پیر بغداد یوسف شاہ جیلانی سے رجوع کیا گیا۔ پیر جیلانی نے بہت زور مارا، مگر جن پر غالب نہ آ سکے۔ کیونکہ وہ خود سورہ مزمل کا عامل تھا۔ اب میں اسلامی ہپناٹزم کے ذریعے تسخیر جنات کا طریقہ سیکھ گیا ہوں، مگر اس کامیابی کا سہرا آپ کے سر ہے۔

☆......☆......☆

جن کا ادراک

اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے بار بار یہ سوال آپ کے ذہن میں پیدا ہوا ہوگا کہ جن لوگوں کو جن گرفتہ کہا جاتا ہے۔ ان پر سچ مچ کوئی نادیدہ مخلوق مسلط ہو جاتی ہے، یا وہ سیدھے سادھے ہسٹریا کے مریض ہوتے ہیں اور دماغی دورے کی حالت میں اعلان کر دیتے ہیں کہ میں اکبر شاہ جن ہوں۔ مذہبی عقائد، مذہبی ادبیات اور مذہبی تاریخ کی رو سے جن کا وجود ثابت ہے۔ لیکن اس ''ثابت'' کو علمی اور علمی طور پر ثابت کرنا آسان نہیں۔ جتنی اہمیت عقیدے کی ہے، اتنی ہی عقل کی ہے۔ بلکہ عقل کی اہمیت عقیدے سے زیادہ ہے کیونکہ جو عقیدہ (مثلاً بت پرستی) عقل سلیم کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا، اسے ٹھکرا دینا چاہئے۔ ہم مسئلے کے اس پہلو پر گفتگو کر چکے ہیں۔ سائنسی اعتبار سے ایک ایسی آتشیں مخلوق کا وجود جو نظر نہ آئے مگر افراد اور اشیاء پر اثر انداز ہو سکے۔ ناممکن نہیں ہے، ظہور حیات کے صدہا کیمیاوی فارمولے ممکن نہیں۔ یہ کیوں ضروری ہے کہ نظر آنے والی مخلوق عناصر کی جس ترتیب سے پیدا ہوئی ہے عناصر کی کسی دوسری ترتیب سے کام لے کر نظر نہ آنے والی مخلوق (مثلاً جن، فرشتے وغیرہ) کو فطرت خلعت حیات نہ بخش سکتی ہو، اگر مٹی اور پانی سے انسان پیدا ہو سکتے ہیں، تو فطرت تخلیق کی عجوبہ کاریوں سے بعید نہیں کہ وہ آگ اور دھویں سے ایک ایسی قوم کو وجود میں لے آئے جو کہ کرہ ارض کی تمام دیدہ مخلوقات سے بالکل مختلف ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہم جنوں کا ادراک نہ آنکھ سے کرتے ہیں نہ کان سے (یعنی حواس خمسہ ان کو معلوم کرنے سے عاجز ہیں) صرف ''حس مشترک'' کے ذریعے ہم اس مخلوق کا ادراک کر سکتے ہیں۔ حس مشترک وہ حس ہے جو خیالی صورتوں کا ادراک ہوتی ہے۔ بہر حال اصل اور بنیادی سوال وہی ہے کہ ہم اس قسم کے معمولوں کو (جس کی مثال ڈاکٹر مسعود احمد چشتی نے پیش کی) جن گرفتہ اور آسیب زدہ سمجھیں یا ہسٹریا اور شیزوفرینیا کی مریضہ! عام طور پر معمولی لڑکیاں اور مریض مرد واقعی دماغی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ البتہ دس پندرہ ہزار دماغی مریضوں میں ایک آدھ کیس ایسا بھی ہوتا ہے کہ مریض کسی نادیدہ طاقت کے زیر اثر آ جاتا ہے۔ مسعود چشتی نے جس مریضہ کا ذکر کیا ہے، میں تو اسے صرف ہسٹریا کی مریضہ ماننے پر تیار نہیں۔ وہ اکبر شاہ جن ہوں یا جہانگیر شاہ عفریت! بہر حال اس کی شخصیت کا مرکزی حصہ کسی جناتی طاقت کی گرفت میں ضرور ہے۔ مقررہ تاریخ پر یعنی 29 اگست کو سانپ کا ڈسنا اور ہر سال ڈسنا دورے کی حالت میں پانی کا پورا گھڑا ڈگڈگا کر پی لینا۔ چائے کی بھری ہوئی گرم کیتلی منہ سے لگا کر غٹ غٹ چڑھا جانا، اچھل کر چھت پر چڑھ جانا۔ یہ سب مافوق العادت (پیرانارمل) کام یا کارنامے ہیں، یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہسٹریا کے مریض میں فوق البشری طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور جس طرح ہپناٹزم کا معمول تنویمی نیند میں عامل کی ہدایت پر ایسے ایسے کارنامے انجام دیتا ہے کہ عام آدمی حیران

رہ جاتا ہے۔ یا پاگل آدمی جنوں کے دورے میں چار چار پانچ پانچ آدمیوں کے قابو سے نکل جاتا ہے، اسی طرح ہسٹریا کا مریض شعور معطل ہونے یعنی عالم بے خبری میں بہت کچھ کرتا اور کر سکتا ہے۔ میں نے ہسٹریا اور آسیب زدگی کے بے شمار کیسوں کا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ ہسٹریا کا دورہ ہو یا جنات کا دورہ۔ ان دونوں کی علامتیں مشترکہ ہوتی ہیں۔ دماغی مریضوں میں قوت ارادہ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ انسانی انا، کہ میں ہوں، کا سب سے بڑا مظہر اس کا ارادہ ہے۔ اگر ارادے کی قوت معطل ہو جائے تو انا ایک موہوم تصور بن کر رہ جاتی ہے۔ ہسٹریا اور شیزوفرینیا کے مریض آزاد ارادے کی قوت سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کے نفس کا یہ خانہ خالی ہوتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ "خانہ خالی را دیو می گیر" یعنی خالی گھروں پر بھوت پریت قبضہ کر لیتے ہیں۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ جنات نامی ایک مخلوق موجود اور ہمارے گردوپیش کارفرما ہے۔ ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ جن عورتوں یا مردوں کی دماغی فعلیت اور ذہنی میکانزم ابتر ہو جاتا ہے۔ ان پر نہایت آسانی کے ساتھ کوئی پراسرار طاقت مسلط ہو جاتی ہے۔ یعنی دماغی دورے اور جن گرفتگی کسی حد تک لازم وملزوم ہیں۔ عربوں کا تصور یہ تھا کہ ہر مجنون جن گرفتہ ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس تصور میں بہت حد تک صداقت موجود ہے۔ اگر ہم مضبوط ارادے کے مالک ہوں تو نہ ہم جذبات سے مغلوب ہو سکتے ہیں، نہ جنات سے! جب انسانی ارادہ فاتح کائنات ہے، فاتح جنات کیوں نہ ہوگا؟ جس مشت خاک کو فرشتے سجدہ کر چکے ہیں اسے آتشی مخلوق (گندھک اور نوشادر کے آمیزے) سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ البتہ جب انسانی دماغ کے قواء یعنی اس کی ذہنی اور اعصابی قوتیں کسی گہرے اور دوررس جذباتی دھچکے کی بنا پر تلپٹ ہو جاتی ہیں تو اس پر کوئی بھی سواری گانٹھ سکتا ہے۔ جن ہو آسیب، ہسٹریا کا حملہ ہو یا شیزوفرینیا کا!

مختصر یہ کہ دماغ کے ایب نارمل کیسوں میں ایک سپرنارمل عنصر ضرور شامل ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

جن کی خوشبو

مختار مغل (بندر روڈ، کراچی) اپنے خط مورخہ 7 دسمبر 1976ء میں رقم طراز ہیں کہ:

1970ء کے آخر کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ سالہا سال سے میں ایک بزرگ کے مزار پر ہر جمعرات کو حاضری دینے کا عادی ہوں۔ ایک روز نماز مغرب کے بعد احاطہ مزار سے واپس آیا تو دیکھا کہ ایک ہجوم جمع ہے۔ ہجوم کو چیر کر میں بھی اندر پہنچ گیا۔ عجیب منظر دیکھ کر میری روح تک لرز اٹھی۔ دیکھا کہ ایک نہایت حسین نوجوان عورت وجد کے عالم میں برہنہ کھڑی جھوم رہی ہے۔ سر کے بال کھلے ہوئے ہیں اور لباس تار تار ہو چکا ہے، کچھ لوگ اس کے جھومنے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بعض کی حریص نظریں اس کے خوبصورت جسم پر مرکوز تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر مارے غیرت کے میرا خون کھول گیا۔ میں نے جلدی سے لڑکی کا ڈوپٹہ زمین پر پڑا تھا۔ دوپٹے میں سے عجیب قسم کی خوشبو آ رہی تھی، ایک بات آپ کو بتانا بھول گیا۔ سانس کی مشق کے بعد جب مجھ پر ڈوب جانے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو گاہے گاہے خود بخود دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ اس حالت خاص میں اگر کسی آسیب زدہ یا جن گرفتہ کے ڈوپٹے یا کپڑے کو سونگھوں تو مجھے اس میں سے لوبان یا نازبو کی مہک آتی ہے کہ یہ کپڑا کسی ایسے شخص کے جسم پر رہا ہے، جس کے ذہن پر جنات کا تسلط ہے۔ سانس کی مشق کے عالم میں اگر کوئی اچھی روح آپ کے قریب سے گزرے گی تو لازماً آپ کو گلاب، موتیا اور چنبیلی کی خوشبوئیں محسوس ہوں گی اور اگر کسی خبیث روح کا پھیرا ہو گا تو خود بخود بدبو آنے لگے گی۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ سانس کی مشق سے انسان میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں تو، عرض کرنا یہ ہے کہ میں نے اس جن گرفتہ دوشیزہ کا ڈوپٹہ سونگھا تو نازبو کی تیز خوشبو سے دماغ مہک اٹھا۔

دل سے گلستان سے آتی ہے
تیری خوشبو کہاں سے آتی ہے

میں نے ایک دم اس جھومتی ہوئی، حالت وجد میں بے خود و سرا شار انجانی دوشیزہ کے بال پکڑ لئے۔ وہ بدستور جھوم رہی تھی اور اس جھومنے کی کیفیت بڑی عجیب و غریب تھی۔

نزہت کدہ کون و مکاں جھوم رہا ہے
میں جھوم رہا ہوں تو جہاں جھوم رہا ہے

میں نے مضبوطی سے لڑکی کے بال پکڑ لئے۔ اس نے غرا کر مجھے دیکھا، اس کی خوبصورت آنکھیں خون کبوتر کی طرح لال

ہوگئیں، جیسے انگارے دہک رہے ہوں جوں ہی میری نظر جن گرفتہ لڑکی کی آنکھوں پر پڑی۔ اچھی خاصی خنکی کے باوجود میں پسینے میں شرابور ہوگیا، میں نے سوال کیا۔

تم کون ہو؟

مجنون یا بے خود لڑکی نے میرے الفاظ دہرا دیئے اور کہا۔

تم کون ہو؟ اور تمہیں میرے بالوں پر ہاتھ ڈالنے کی جرات کیسے ہوئی (جھنجھلا کر) چھوڑ دو میرے بال!

میں نے اس کے بالوں پر ہاتھوں کی گرفت اور مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

میں بچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں اور مجھ میں یہ قوت موجود ہے کہ تیری گردن موڑ دوں۔

میری اس دھمکی سے وہ لڑکی مرعوب ہوگئی یا وہ جن مرغوب ہوگیا اور پھر جن کی معمولہ مجھ سے سندھی میں کہنے لگی کہ:

میرا نام عبدالقدوس ہے اور میں مکلی کا جن ہوں۔ یہ لڑکی مکلی آتی تھی، اس نے میرے آستانے کے قریب گندگی پھیلائی اور میں نے اس کی گردن اور داب لی (لڑکی یا عبدالقدوس جن نے مزید بتایا کہ) جب بچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات تھے، تو میں حضرت کی محفل سماع میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

اس پر میں نے لڑکی سے کہا کہ عبدالقدوس! تم بچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو تو پھر میرے پیر بھائی ہوئے۔ پیر بھائی اپنے پیر بھائی کی بات نہیں ٹالا کرتے۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی اس لڑکی کو تنگ نہ کرو گے۔

لڑکی یا جن نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا کہ:

ٹھیک ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ لڑکی کبھی سرخ کپڑے نہ پہنے گی۔

اچھا تم اسے شادی کی اجازت تو دے دو، ہم نے عبدالقدوس جن سے درخواست کی یہ صرف شادی کے دن لال جوڑا پہنے گی۔ پھر کبھی نہ پہنے گی ہم وعدہ کرتے ہیں۔

جن نے تسلیم واقرار میں سر ہلایا اور بچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ کا مخصوص نعرہ ''حق موجود'' لگایا۔

جس کے جواب میں، میں نے بھی ''سدا موجود'' کا نعرہ لگایا۔ لڑکی غش کھا کر گر پڑی۔ اس کے یہ معنی تھے کہ وہ ان دیکھی طاقت (خواہ اس کا نام عبدالقدوس ہو یا کچھ اور) اپنی معمولہ کو اس کے حال پر چھوڑ کر چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد لڑکی کو ہوش آیا تو اس کے باپ نے ایک چادر اسے اوڑھا دی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ابھی نیند سے بیدا ہوئی ہے۔ لڑکی کے باپ نے قسم کھا کر کہا کہ لڑکی سندھی زبان سے قطعاً واقف نہیں۔ یہ سندھی کا ایک فقرہ بھی نہیں بول سکتی، یہ سندھی میں تم سے کیا گفتگو کر رہی تھی، میں نے اسے گفتگو کا خلاصہ بتلایا۔ لڑکی کے باپ نے کہا کہ یہ بے چاری ایک سال سے اس عارضے میں مبتلا ہے۔ ہر

جمعرات کو اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے، میں اسے بہت سے مزاروں پر لے گیا۔ متعدد پیروں، فقیروں کی خدمت میں حاضری دی تم پہلے شخص ہو جس نے اس جن سے بات چیت کی۔

حال ہی میں اس لڑکی کی شادی ہوئی میں اس تقریب میں شریک تھا۔ گھر والوں نے مارے ڈر کے دلہن کو لال جوڑا نہیں پہنایا، سبز جوڑا پہنایا الحمداللہ کہ اب دولہا دلہن پر مسرت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جناب! میرا تجربہ یہ ہے کہ جو لوگ سانس کی مشقیں کرتے ہیں۔ اگر سانس کی مشقیں کرنے والا آسیب زدہ یا جن گرفتہ لڑکی کے بالوں یا کپڑوں کو سونگھے تو اسے کبھی ناربو اور کبھی لوبان کی خوشبو آئے گی یہ ہے میرا تجربہ!

☆......☆......☆

مرد بزرگ

ایم جاوید نیازی (لائل پور) کا بیان بھی سنئے:

جب میری عمر تقریباً بارہ سال کی تھی تو مجھے قرآن حکیم کی تلاوت اور نماز وغیرہ سے بے حد لگاؤ تھا۔ ایک روز اتفاقاً رات کے دو بجے میری آنکھ کھل گئی۔ خیال یہ ہوا کہ نماز صبح کا وقت قریب ہے، مسجد نور چلنا چاہئے جو ہمارے گھر سے دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی، چنانچہ مسجد کے لئے روانہ ہوگیا۔ راستے میں کسی نے با آواز بلند، میرا نام لے کر مجھے پکارا، میں نے مڑ کر دیکھا، مجھے کچھ نظر نہ آیا، راستے میں چوکیدار ملا، کہنے لگا، نیازی صاحب، کہاں جارہے ہیں؟ رات کے دو بجے ہیں۔ میں نے چوکیدار کی بات سنی ان سنی کردی اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا کہ دو نہیں چار (4) بجے ہیں۔ جب میں مسجد نور میں پہنچا تو دروازہ بند تھا، آواز دینے پر دروازہ کھلا۔ ملائے مسجد میری ناوقت آمد پر حیران کہ دو بجے یہ یہاں آ گیا میں اندر گیا تو مسجد کے گھنٹے میں دو بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ اب مجھے جلد بازی کا احساس ہوا۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ معاف کرنا، میں وقت سے پہلے آ گیا ہوں، کہنے لگے کہ کوئی بات نہیں، یہیں سو جاؤ۔ میں نے کہا اب سونے کا وقت نہیں، آپ آرام کریں۔ میں تلاوت کرتا ہوں، آپ کو چار بجے جگا دوں گا۔ مولوی صاحب اپنے حجرے میں آرام کرنے چلے گئے اور میں قرآن مجید کھول کر بیٹھ گیا کہ یک لخت ایک آواز بلند ہوئی "زور سے پڑھو"۔

میں ڈر گیا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ آواز دینے والا نظر نہ آیا، تاہم میں نے تلاوت کلام پاک جاری رکھی اور پھر سنتیں شروع کر دیں۔ سنتوں سے فارغ ہو کر پھر تلاوت کے ارادے سے قرآن پاک کھولا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے مقابل نوے یا سو سال کے ایک مرد بزرگ جلوہ گر ہیں۔ سفید داڑھی۔ نورانی چہرہ، سبز چولہ، سر پر کپڑے کی ٹوپی، ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے ہاتھ میں لوٹا۔ وہ میرے پاس بیٹھ گئے اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ:

پڑھو!

اب اسے میرا خوف کہہ لیجئے یا ضد کہ ان بزرگوار کے بار بار فرمانے کے باوجود میں نے قرآن سنا کر نہ دیا، انہوں نے سوال کیا۔

کیا مانگتے ہو؟

میں نے کہا کچھ نہیں۔

وہ بزرگ غائب ہوگئے اور میں الٹے پاؤں گھر واپس آ گیا۔ گھر واپس آ کر عجب حال ہوا۔ تیز بخار، لال آنکھیں، بس عجیب

کیفیت ہوگئی۔ ہر وقت ایک حالت بے خودی طاری رہتی اور قوالیوں کے مصرعے گنگناتا رہتا۔ اس کے بعد جاوید نیازی نے اپنی اور گھر والوں کی تباہی کی داستان لکھی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خوش حال گھرانے کی تباہی میں ان ہی پیر مرد کا ہاتھ تھا۔ جو حیرت انگیز طور پر مسجد میں نمودار ہوئے تھے اور چھلاوے کی طرح نظر سے اوجھل ہو گئے۔ کیا یہ مرد بزرگ جن تھے۔

☆......☆......☆

ہنومان جن

ڈاکٹر اے آر جاوید (پوسٹ آفس، سکرنڈ، ضلع نواب شاہ) کے خط کے اقتباس ملاحظہ ہوں:

ہمارا پیشہ زمینداری ہے اور رشتہ داروں کے چار پانچ گھرانے ایک ہی احاطے میں سکونت پذیر ہیں۔ بھائی بیاہ کر کے جب سے بیوی گھر لائے تھے، بھابی کا قاعدہ یہ تھا کہ صبح چار بجے اٹھتیں اور گھر کے کام کاج میں لگ جاتیں۔ دوسروں کے جاگنے تک وہ مویشیوں کا گوبر اٹھاتیں، جھاڑو دیتیں اور صبح ہوتے ہی گھر والوں کا ناشتہ تیار کرتیں۔ محنت کے سبب بھابی کا معدہ کافی مضبوط تھا۔ چھ سات روٹیاں کھانے کے بعد بھی شکایت کرتیں کے پیٹ نہیں بھرا، ہم یہ سمجھ کر کہ کام زیادہ کرتی ہیں اس لئے بھوک بھی زیادہ لگتی ہے، ان باتوں پر توجہ نہیں کرتے تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اتنا کام کرتے وقت ان کے ماتھے پر کبھی بل نہ آتا تھا۔ نہ کبھی شکوہ کرتیں کہ اتنے آدمی گھر میں موجود ہیں، کام کا بوجھ مجھ ہی پر ہی کیوں ڈال دیا گیا ہے۔ چھ مہینے تک صورتحال یہی رہی۔ پھر یکا یک ہم نے محسوس کیا کہ ان کے طرز عمل میں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ ان کی بھوک بالکل گھٹ گئی اور اس لئے کام بھی چھوڑ دیا۔ چند روز بعد بھابی پر دورے پڑنے لگے۔ ہوتا یہ کہ وہ دورہ پڑنے سے قبل چھپ جاتیں اور پھر گر کر بے ہوش ہو جاتیں۔ دورے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ کبھی رات کو پڑتا، کبھی دن میں ان کی گود میں تقریباً دو سال کی بچی تھی۔ اس زمانے میں بچی سے پیار کم ہو گیا تھا۔ دورے سے ہوش میں آنے کے بعد ان کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں ہوتے۔ رنگ پیلا پڑ جاتا، ہوش میں آنے کے دس، پندرہ منٹ بعد تک اتنی سکت نہ ہوتی کہ اٹھ بیٹھیں۔ دورے کے بعد جب گھر والے پوچھتے کہ کیا ہو گیا تھا، تو کہتیں کہ:

کیوں پوچھتے ہو؟ تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟

پانچ، چھ مہینے تک یہی حالت طاری رہی۔ اس زمانے میں کافی علاج کرائے گئے، مگر بے فائدہ، میں خود بھی ڈاکٹر ہوں۔ پریکٹس کرتا ہوں، متعدد دوائیں تجویز کیں۔ دوا کے اثر سے چند روز دورہ نہ پڑتا تھا، پھر وہی حالت شروع ہو جاتی تھی۔ جب دوائیں موثر ثابت نہ ہوئیں تو مریضہ کا روحانی علاج شروع کیا گیا۔ تعویز وغیرہ دیئے گئے، وہ بھی بے اثر نکلے، ہمارے ایک دوست نے جو مولوی صاحب تھے، بتلایا کہ فلاں جگہ ایک عامل رہتے ہیں۔ اس قسم کے جناتی مریضوں کا علاج کرتے ہیں اور ان کے علاج سے بعض لوگوں کو فائدہ بھی ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ ان عامل صاحب کو بلوایا جائے۔ ابھی ہم ان عامل صاحب کو بلانے کے لئے مشورہ کر ہی رہے تھے کہ پتہ چلا۔ خود وہ عامل صاحب اپنے مریدوں سمیت فلاں جگہ آئے ہوئے ہیں جو ہمارے گوٹھ سے قریب ہے، چنانچہ ان عامل صاحب کو بلوایا

گیا۔ گھر میں کسی کو علم نہ تھا کہ عامل صاحب کو بلوایا گیا ہے۔ جوں ہی عامل صاحب نے گھر میں قدم رکھا۔ مریضہ پر شدید دورہ پڑ گیا۔ عامل صاحب کو علیحدہ مقام پر ٹھہرا دیا گیا اور مریضہ کی حالت کی اطلاع دی گئی۔ انہوں نے والد صاحب کو ایک آیت بتلائی اور کہا کہ یہ آیت پڑھ کر مریضہ پر دم کر دو۔ والد صاحب نے آیت پڑھ کر مریضہ پر پھونک ماری تو وہ ہوش میں آ گئیں۔ دورے کی کیفیت دور ہو گئی۔ عامل صاحب نے حکم دیا کہ مریضہ شام تک قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہے۔ مریضہ نے حکم کی تعمیل کی تو انہیں ایسا محسوس ہوا (یہ بھابی صاحبہ کا بیان ہے) کہ جیسے ایک سایہ اندر گھوم رہا ہے۔ عشاء کے وقت تک عامل صاحب نے مریضہ کو نہیں دیکھا تھا۔ عشاء کے بعد انہوں نے عمل کا ارادہ کیا، زمین پر چادر بچھا دی گئی، چادر پر بھابی کو بٹھا دیا گیا۔ خود عامل صاحب دور ایک چارپائی پر تشریف فرما ہوئے۔ ریت سے بھرا ہوا ڈبہ منگوایا گیا۔ اگربتیاں منگوا کر اس ریت میں گاڑ دیں۔ ہاں۔ یہ بات بتانی رہ گئی کہ عامل صاحب کے ساتھ دوسرا شخص بھی تھا۔ جسے وہ اپنا خلیفہ کہتے تھے۔ خیر عامل صاحب نے پہلے کوئی وظیفہ پڑھا۔ پھر کلام پاک کی تلاوت شروع کر دی۔ اس کے بعد مریضہ سے پوچھا۔

"تو کون ہے؟ (کئی مرتبہ پوچھنے کے بعد کوئی جواب نہ ملا) تو عامل صاحب کو جلال آ گیا۔ تیور اور لہجہ بدل کر کہنے لگے کہ بتاتا ہے یا نہیں کہ تو کون ہے؟ ورنہ تیرا کوئی اور علاج کروں۔ اس پر مریضہ نے کہا کہ میں جن ہوں۔

کیا نام ہے تیرا؟

میرا نام ہنومان جن ہے۔

عامل صاحب نے پوچھا کہ تو اسے کیوں پریشان کرتا ہے؟

تو مریضہ یا ہنومان جن نے جواب دیا کہ اس نے میرے گھر پر پیشاب کیا ہے تمہارا گھر کہاں ہے۔ عامل صاحب نے دریافت کیا۔

میرا گھر بیری کے درخت کے نیچے ہے (بیری کا درخت ہمارے گھر سے تھوڑی ہی دور ہے۔ ادھر لوگ رفع حاجت کے لئے جاتے ہیں) پھر عامل نے کہا تم اسے چھوڑ کر جاتے ہو یا نہیں۔ جن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر تو عامل صاحب نے ڈانٹنا شروع کیا۔ آخر جن نے اقرار کیا کہ چھوڑ کر جاتا ہوں۔ عامل صاحب نے کہا کہ جاتے وقت کوئی نشانی دے کر جاؤ۔ جن نے کہا کہ کس قسم کی نشانی چاہتے ہو، عامل صاحب نے کہا کہ جس چادر پر مریضہ بیٹھی ہے اسے نیچے سے نکال کر دور پھینک دو، مریضہ کو گرا دو۔ اگربتیاں بجھا دو، یہ ہے۔ تمہارے جانے کی نشانی! پھر ایسا ہوا کہ چادر ہلتی ہوئی نظر آئی۔ مگر مریضہ اپنے مقام پر بیٹھی رہی اگربتیاں سلگتی رہیں۔ عامل صاحب نے غصے میں کہا کہ تمہیں جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو، ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ عامل صاحب کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی، یکا یک اگربتیاں بجھ گئیں۔ مریضہ گر پڑی اور چادر اس کے تلے سے نکل گئی۔ عامل صاحب نے مریضہ سے کہا کہ کلمہ پڑھو۔ بھابی نے کلمہ پڑھا، عامل صاحب نے کہا کہ جا کر سو جاؤ۔ بھابی کافی نڈھال نظر آتی تھیں۔ دوسرے روز ہم نے بھابی سے پوچھا کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ کہنے لگیں بالکل ہلکی۔ دوسرے روز صبح کو عامل صاحب نے ہمارے گھر کی بھیڑ کے کان سے خون نکالا اور اس خون سے ایک تعویز لکھا۔ بھیڑ کے لئے حکم دیا

کہ اسے مسکین یا فقیر کو دے دو یا ذبح کر کے اس کا گوشت بانٹ دو۔ خبردار اس بھیڑ کو ہرگز ہرگز گھر میں نہ رکھنا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ آپ سے زیادہ اس بھیڑ کا مستحق کون ہوگا؟ آپ ہی قبول فرمالیں۔ چنانچہ ان بزرگوار نے وہ بھیڑ قبول فرمالی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر عامل صاحب نے اجازت طلب کی۔ ان کا چیلا جسے وہ اپنا خلیفہ کہتے تھے۔ کہنے لگا کہ حضرت! یہ لوگ بڑے خوش اخلاق ہیں، شریف ہیں۔ بہتر ہے کہ کچھ وقت ان کے پاس گزاریں اور ان سے کہیں کہ کچھ ہماری مدد کریں۔ عامل صاحب نے چیلے کی رائے پر صاد کیا اور والد صاحب سے کہا کہ ہم ایک مقدمے میں ماخوذ ہیں اور چار ہزار روپے دینا ہیں۔ ان چار ہزار میں سے تین ہزار ہم ادا کر چکے ہیں۔ ہزار روپے ادا کرنے ہیں۔ تم ان ہزار روپے میں سے پانچ سو روپے کی حامی بھرلو۔ باقی کا اللہ مالک ہے۔ والد صاحب نے جواب دیا کہ ہم نے ابھی ابھی زمین کی قسط ادا کی ہے۔ اس وجہ سے ہم اتنی بڑی رقم کی ادائیگی کا انتظام نہیں کر سکتے۔ پیر مرشد کے خلیفہ نے کہا۔

روپے نہیں تو چوپایہ ہی سہی۔

والد صاحب نے کہا کہ ہماری گائیں، بھینسوں میں سے جو جانور پسند آئے کھول لو۔ چیلے نے تمام مویشیوں کو ٹٹول کر دیکھا۔ بھینس دو دو ہزار کی تھیں، ان کو کھولنے کی تو ہمت نہ ہوئی چھ سو، سات سو روپے کا ایک بیل ہتھیا لیا۔

اس سلسلے میں ایک بات قابل ذکر ہے۔ وہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب وہ دونوں (پیر و مرشد اور ان کا خلیفہ) اکیلے ہوتے تو اپنی ایجاد کردہ زبان میں گفتگو کرتے ان اشاروں سے ہمیں اندازہ ہوتا کہ اپنے اس ڈرامے کی کامیابی سے وہ مطمئن ہیں۔ ہم ان کی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھے۔ البتہ ان کے اشاروں کنایوں سے ان کا خبیث باطن ظاہر ہوتا تھا۔ ہمارے ایک بھائی خفیہ طور پر ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ عامل صاحب اور چیلا دونوں وقفے وقفے سے چرس اور بھنگ پیتے، باتوں باتوں میں دوپہر ہوگئی۔ والد صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ شام کو چلے جائیں۔ عامل صاحب شام تک ٹھہرنے پر راضی ہوگئے اور بھائی کو پیسے دیئے کہ اس کی چرس خرید کر لا دو۔ بھائی نے یہ تمام کہانی مجھے سنائی۔ میں نے والد صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ ایسے ٹھگ بہتیرے پھرتے ہیں، انہیں کچھ نہیں دینا چاہئے۔ والد صاحب نے کہا کہ جب مریضہ کو فائدہ ہوگیا ہے تو آخر کیوں، ان کی خدمت نہ کریں، میں اپنی جائیداد اپنی اولاد پر قربان کر سکتا ہوں۔ تب میں نے کہا کہ میں خود عامل صاحب سے ملتا ہوں، مگر والد صاحب نے مجھے منع کر دیا۔ میرا اصرار تھا کہ بیس، پچیس روپے دے کر ان سے معافی چاہی جائے۔ ورنہ میں پولیس کو اطلاع کروں گا۔ والد صاحب اس پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ تب میں نے ان کی خدمت میں پچاس روپے پیش کئے کہ یہ ان ٹھگوں کو دے دیئے جائیں۔ والد صاحب نے قبول کیا اور ان سے کہنے لگے حضرت! ہم غریب آدمی ہیں، ہماری اوقات پچاس روپے سے زیادہ نہیں ہے۔ عامل صاحب نے کہا کہ آپ غریب ہیں تو ہم آپ کے نہ دینے پر بھی راضی ہیں۔ شام کو عامل صاحب اپنے چیلے سمیت رخصت ہوگئے۔ تب ہمارے ملازم نے جوان کی خدمت پر مامور تھا بتایا کہ عامل صاحب کہتے تھے کہ ہم نے ان کی مریضہ کو اچھا کر دیا، جن بھگا دیا۔ انہوں نے بیل دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وعدے سے مکر گئے (پچاس روپے پر ٹرخا دیا) اب ہم

دیکھتے ہیں کہ یہ بیل کیسے نہیں دیتے۔ عامل صاحب نے ہمارے ملازم سے کہا کہ ہم تمہیں ایک تعویز دیتے ہیں، جس طرح ممکن ہو، لڑکی کو پلا دینا۔ ملازم نے تعویز لینے سے انکار کر دیا تو اسے ڈانٹنے لگے۔ غریب نے ڈر کر رکھ لیا اور عامل صاحب کے رخصت ہو جانے کے بعد والد صاحب کو تمام قصہ سنا دیا اور تعویز نکال کر دے دیا۔ والد صاحب نے تعویز پانی میں بہا دیا، اس کو ایک مہینہ گزر گیا ہے۔ مریضہ رو بصحت ہے۔ اس پر کوئی دورہ نہیں پڑا۔ آخر میں ڈاکٹر اے آر جاوید لکھتے ہیں کہ:

اب آپ سے استدعا ہے کہ آپ ازراہ کرم ہمیں یہ بتلائیں کہ وہ عامل صاحب واقعی عامل یا پیر تھے۔ لڑکی کو کون سا مرض تھا؟ کیا واقعی جن تھا؟ میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ اس کرشمے کی کیا حقیقت ہے؟

ڈاکٹر اے آر جاوید نے اس کرشمے کی حقیقت معلوم کرنی چاہی ہے وہ آج سے نہیں ہمیشہ سے انسانی عقل کے لئے ایک معمے کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاریخ اور قبل تاریخ کے ہر عہد میں انسانوں کا واسطہ چند "اسرار" سے رہا ہے۔ جاوید صاحب نے جس چرس نوش عامل کا ذکر کیا ہے، وہ بھی ہر ملک اور ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں۔ جن گرفتہ مریضہ کی جو کیفیتیں انہوں نے بیان کی ہیں، جن اتارنے کے عمل کی جو تفصیلات لکھی ہیں، وہ ہم میں سے کسی کے لئے اجنبی نہیں۔ اس سلسلے میں بعض باتیں قابل غور ہیں۔ مثلاً عامل نے مریضہ کے جن سے کہا تمہارے جانے کی علامت یہ ہے کہ مریضہ جس چادر پر بیٹھی ہے اسے مریضہ کے نیچے سے نکال کر پھینک دو۔ اگربتیاں بجھا دو، یکایک اگربتیاں بجھ گئیں، مریضہ گر پڑی اور چادر اس کے تلے سے نکل گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے کام کسی نادیدہ ہاتھ نے انجام دیئے۔ یہ نادیدہ ہاتھ کس جن کا تھا، اس کی تلاش میں تو عقل انسان صدیوں سے سرگرداں ہے۔

☆......☆......☆

بے تحاشا سایہ

میں بنام نصیر احمد بطور ڈسپنسر کی حیثیت سے تقریباً ڈھائی سال سے نوکری کر رہا ہوں۔ میں مری روڈ پر راولپنڈی کے سینٹرل گورنمنٹ اسپتال میں ڈسپنسر ہوں۔ آج سے کوئی پانچ، چھ سال پہلے کی بات ہے کہ میرے اباجی اپنے گاؤں کی مسجد (واقع ضلع گوجراں ڈاک خانہ منڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات) میں رمضان کے دوران اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ آخر عشرہ رمضان میں اعتکاف کی مدت پوری ہونے کے بعد ہم لوگ اباجی کو گھر لے آئے۔ اس رات ہم کافی دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ میری عمر اس وقت سترہ سال کی ہوگی۔ رات کو باتیں کرتے کرتے میں اباجی ہی کے ساتھ سو گیا رات کو میں نے دیکھا کہ اباجی کے بستر کے چاروں طرف اور بہت سے بچے سو رہے ہیں۔ صبح کو جب میں نے یہ بات گھر والوں کو بتائی تو انہوں نے ذرا بھی اہمیت نہ دی، مذاق میں ٹال دیا۔ صرف یہ کہا کہ رات کو سونے سے قبل الحمد شریف، درود پاک، اور دو، چار سورتیں قرآن پاک کی پڑھ لیا کرو۔ خیر یہ تو میں پہلے ہی سے پڑھتا تھا اور اب تک پڑھتا ہوں۔ ہماری مسجد کے ساتھ بہت بڑی حویلی ہے۔ اس چوبارے میں ایک بزرگ چلہ کشی میں مصروف رہتے تھے۔ اس وقت میری عمر کوئی چھ، سات سال کی ہوگی۔ سننے میں آیا ہے کہ بڑے باکمال بزرگ تھے اور جنات ان کے قبضے میں تھے۔ خیر عرض کرنا یہ ہے کہ ایک روز میں اس چوبارے میں سویا ہوا تھا۔ یہ عید الفطر کی رات تھی۔ سوتے میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک بہت بڑا سایہ میرے اوپر لیٹا ہوا ہے۔ اس سائے کا وزن بے تحاشا تھا، خیر میں نے اپنے ہوش و حواس قائم رکھ کر الحمد شریف، کلمہ طیبہ، آیۃ الکرسی اور جتنی دعائیں مجھے یاد تھیں، پڑھنی شروع کر دیں۔ وہ سایہ بدستور مجھ پر لیٹا ہوا محسوس ہوتا رہا۔ میں یہ دعائیں اور سورتیں عالم خیال میں پڑھ رہا تھا، لیکن آواز تو در کنار، میرے ہونٹ تک نہ ہلتے تھے۔ میں نے پوری کوشش کی کہ بلند آواز سے پڑھوں یا خالہ کو آواز دوں۔ مگر ایسا لگا کہ حلق میں روئی ٹھنسی ہوئی ہے۔ قہر یہ کہ میں جس طرح جس حالت میں لیٹا تھا اس سے ایک انچ بھی جنبش نہ کر سکتا تھا۔ ہاتھ پاؤں کی طاقت سلب ہوگئی تھی، کروٹ بدلنے تک کا سوال نہ پیدا ہوتا تھا مجھے یاد نہیں کہ اس حالت میں میری جاں بخشی کس طرح ہوئی؟ صبح کو میں نے یہ واقعہ خالہ کو سنایا تو انہوں نے کچھ پڑھ کر مجھ پر دم کر دیا اس روز "رمضان کی عید" تھی۔ نماز عید سے فارغ ہوئے تو بذریعہ خط اطلاع ملی کہ منجھلے ماموں کا کل رات آبائی گاؤں میں انتقال ہو گیا۔ عید کی تمام خوشی خاک میں مل گئی خیال آیا کہ کل رات میرے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے۔ (بے تحاشا سائے کا اوپر لیٹ جانا) وہ اس حادثہ موت کی پیش خبری تو نہ تھا۔ پھر مجھے گاہے گاہے، یہ تجربہ ہوتا رہا کہ وہی سایہ میرے ساتھ یا مجھ پر دراز ہے کبھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ بہت سی ٹکیاں میرے کمرے میں چل رہی ہیں کسی رات ایسا ہوتا ہے کہ میرا خواب پولٹری فارم بن جاتا ہے اور مرغیوں اور بطخوں کے بچے کمرے میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں کسی رات ایسا ہوتا ہے کہ سفید چادر اوڑھے ایک عورت دیوار کے ساتھ چلتی نظر آتی ہے۔ مگر اس کا چہرہ نظر نہیں آتا یہ تین مناظر پر اسرار ٹکیاں مرغی، بطخ کے بچے اور چادر پوش خاتون اپنے کو دہراتے رہتے ہیں۔

☆......☆......☆

جنات اور حقہ نوشی

شیخ تاج محمد ولد شیخ غلام سرور کشمیر روڈ مانسہرہ، ضلع ہزار کا بیان ملاحظہ ہو:

مانسہرہ شہر میں آپ کے کافی پروانے ہیں۔ان میں سے چند میرے ہم مجلس بھی ہیں۔انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں آپ کے مضامین ضرور پڑھا کروں۔شروع شروع میں تو آپ کے مضامین پڑھ کر مجھے شبہ ہوا کہ آپ (خدانخواستہ) پاگل واقع ہوئے ہیں۔پھر میں نے آپ کی چند ہدایات پر عمل کرنا چاہا تو ہمت جواب دینے لگی۔آخر میں آپ کے ارشادات کا بغور مطالعہ شروع کیا اور آپ کی ہدایت پر سوتے وقت یہ فقرہ دہرانا شروع کیا کہ:

میری ذہنی حالت روز بروز بہتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

میں نے یہ فقرہ دہرانا شروع کیا تو خدا کے فضل سے بہت سی آسانیاں پیدا ہو گئیں۔پھر بھی میں براہ راست آپ سے خط و کتابت کی ہمت نہ کر سکا اور ان مہربانوں سے کہا کہ واقعی اگر آپ رئیس صاحب کو جانتے ہیں تو میرے لئے ان سے کوئی حکم حاصل کر لیجئے۔انہوں نے کہا کہ تم باوضو ہو کر بسم اللہ کے بعد الرافع کا ورد کیا کرو۔اس اسم کے پڑھنے سے مجھے اتنے فائدے ہوئے کہ بیان ان کا ممکن نہیں۔دو تین روز ہوئے کہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے ایبٹ آباد گیا۔میرا معمول یہ ہے کہ تنہائی میں کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا ہوں۔اس کمرے میں 14، 15 آدمی موجود تھے،ہم سب خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے کہ کسی نے آ کر اطلاع دی کہ:

ملازم مشکور پر کوئی دورہ پڑ گیا ہے اور وہ چار پائی کے نیچے پڑا ہے۔سب اسے دیکھنے لگے دیکھا کہ مشکور کے ہوش و حواس بالکل غائب ہیں۔نبض تیز ہے (12 درجے سے زائد) انگوٹھے ہتھیلی پر زہرہ کے ابھار پر گڑے ہوئے ہیں اور اس شدت سے کہ چار آدمی بھی انہیں زور لگا کر نہیں کھول سکتے۔میں باوضو بھی تھا اور وظیفے کا عامل بھی۔فوراً آپ کا ارشاد یاد آیا کہ:

انسان میں سب طرح کی قدرت ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے:

ایک صاحب نے رائے دی کہ ڈاکٹر بلایا جائے۔

میں نے کہا کہ یہ وہ مرض نہیں، جس کا علاج ڈاکٹر کر سکیں۔میں نے پانی منگا کر دم کیا اور اسے بے ہوش مشکور پر چھڑکا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا:

السلام علیکم۔مشکور نے جواب دیا وعلیکم السلام۔پوچھا تم کون ہو؟ کہا پردہ دار ہوں۔مجھ پر چادر ڈال دو، پھر پانی پلاؤ، پھر چلم۔

حکم کی تعمیل کی گئی تو وہ صاحب (یا صاحبہ) جو مشکور پر قابض تھے یا تھیں وعلیکم السلام کہہ چلے گئے یا چلی گئیں۔ آہستہ آہستہ مشکور کی آنکھیں کھلنے لگیں۔ اس نے ہوش آنے کے بعد پہلا سوال یہ کیا کہ:

میں کہاں ہوں اور میرے انگوٹھوں میں اتنا شدید درد کیوں ہو رہا ہے؟

اپنے خط مورخہ 16 اگست 1972ء کے آخر میں انہوں نے سوال کیا کہ:

کیا جن بھی حقہ پیتے ہیں؟

☆.....☆.....☆

تسخیر جنات

حافظ بشیر احمد (ٹنڈو آدم، ضلع سانگھڑ) کو جنات کی تسخیر کا بہت شوق ہے۔ لکھتے ہیں کہ میں نے جنات کی تسخیر کے لئے بہت سے عمل پڑھے۔ عمل خوانی کے زمانے میں جنات سے ملاقات بھی ہوئی، مگر دوستی نہ ہو سکی۔ حافظ بشیر احمد صاحب نابینا ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جنات سے ملاقات بھی ہوئی۔ یہاں ملاقات کے معنی گفتگو ہو سکتے ہیں یعنی جنات سے انہوں نے بات چیت کی۔ مگر میرا خیال ہے کہ یادوں نے انہیں فریب دیا ہے۔ نابینا ہونے کے سبب وہ کسی کو دیکھ تو سکتے نہیں۔ یقیناً ان کے دوستوں نے جن کے لہجے میں گفتگو کی ہوگی وہ اپنی سادہ دلی کے سبب یہ سمجھے کہ خود یہ آتشی مخلوق ہم کلام ہے۔ بہت سے حضرات تسخیر جن کے چکر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں لکھا ہے کہ انہوں نے کسی بزرگ سے تسخیر جنات کے عملیات کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! ایسے عمل موجود ہیں اور جنات تسخیر ہو بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ کی آزاد مخلوق کو قید کرنے سے کیا فائدہ؟ مولانا صاحب نے لکھا ہے کہ یہی ایک فقرہ کام کر گیا اور پھر کبھی بھی ہمیں تسخیر جن کا خیال تک نہ آیا۔ حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کسی مسجد میں تسخیر جنات کا چلہ پڑھا تھا۔ چلہ پڑھ رہے تھے کہ یکا یک مسجد کی صف بوریا خود بخود لپٹتی ہوئی چلی آئی اور خواجہ صاحب کو لپٹتی چلی گئی۔ میرا بچپن کا زمانہ تھا کہ ہمارے چھوٹے نانا سید جرار حسن مرحوم نے کسی ذاتی مسئلے کو سلجھانے کے لئے تسخیر جنات کا ارادہ کیا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ اس زمانے میں سلے ہوئے کپڑے پہننے کی بجائے احرام باندھتے اور چپل پہنتے تھے۔ غذا صرف مونگ کی دال اور روٹی کے چھلکے ہوتے۔ چھوٹے نانا مرحوم اپنی آبائی مسجد جو امروہے کے تھانے کے بالکل سامنے تھی۔ رات کے وقت شمع روشن کر کے سورہ جن کا چلہ خاص ترکیب سے کھینچا کرتے تھے۔ انہوں نے گوشہ مسجد میں چراغ کی لو کے سامنے بیٹھ کر اور حصار کھینچ کر چالیس روز تک سورہ جن کا وظیفہ پڑھا۔ ان چالیس روز میں بڑے بڑے تماشے، شعبدے اور کرشمے دیکھنے میں آئے۔ کبھی شمع کی لو بھڑک کر مسجد کی چھت تک بلند ہوگئی۔ کبھی شمع کی لو میں ایک دیو مہیب رقصاں نظر آیا۔ کبھی شعلہ شمع جہنم اگلنے لگا۔ پھر یکا یک وہاں ایک عظیم الشان میدان کارزار گرم ہو گیا۔ کبھی محسوس ہوا کہ مسجد ایک عظیم الشان زلزلے سے لرز رہی ہے۔ کبھی ہولناک چیخیں! کبھی مہیب قہقہے، کبھی شعلہ شمع میں بڑے دلفریب نظارے نظر آتے اور کبھی وہ انتہائی ہولناک روپ دھار لیتے۔ غرض ان چالیس روز میں ایک قیامت گزر گئی۔ شاباش ہے ان مرحوم کے عزم اور حوصلے کو کہ سب کچھ دیکھتے اور سب کچھ سنتے رہے۔ آخر چالیسویں روز خدا خدا کر کے چلہ ختم ہوا۔ دیوار شق ہوئی اور ایک سبز پوش بزرگ دیوار مسجد سے برآمد ہوئے۔ یہ وہی بزرگ تھے جن کو پھانسنے کے لئے چالیس روز تک یہ سختی کھینچی گئی تھی۔ ان بزرگ وار سے کچھ عہد و پیمان ہوئے

اور میں نے سنا ہے کہ ان بزرگ نے تاعمر مرحوم کا ساتھ نبھایا۔ والد بزرگ وار علامہ سید شفیق حسن مرحوم کو نادیدہ مخلوق یعنی جنات کے بارے میں کافی معلومات حاصل تھیں۔ بابا نے ایک خاص رسم الخط ایجاد کیا تھا اور وہ اس جن سے اسی رسم الخط میں (جسے دوسرا ہرگز نہ سمجھتا تھا) مراسلت کیا کرتے تھے۔ بارہا بابا مرحوم سے ان جن کے بارے میں گفتگو رہی۔ اس جن سے ہمارا خاندانی تعلق قائم ہوگیا۔ میری والدہ سیدہ نرجس خاتون، میری خالہ سیدہ راضیہ خاتون اور میری چھوٹی خالہ سیدہ مطاہرہ خاتون، ان حضرات کی عنایات سے اکثر مشرف ہوئی ہیں۔ والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جنات کی تخلیق آدم سے قبل ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ تخلیق آدم کے بعد بارگاہ حق تعالیٰ سے فرشتوں کو حکم ملا کہ اس خاک کے پتلے کو سجدہ کرو۔ شیطان نے کہا کہ اپنی کثرت عبادت کے سبب زمرہ ملائکہ میں شامل ہوگیا تھا۔ حالانکہ وہ جن تھا، آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور عذر یہ پیش کیا کہ میں آگ سے بنا ہوں، مٹی سے نہیں! آگ، مٹی کو کس طرح سجدہ کرسکتی ہے۔ جنات کی تخلیق، آگ سے ہوئی ہے۔ بابا مرحوم نے جنات کی سرشت اور سرگزشت کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا۔ میں نے ان تمام معلومات اور معاملات کو نظم کردیا ہے۔ یہ نظم آپ بھی سن لیجئے۔

رات آئے تھے میری خلوت میں
آدمی زاد قبل آدم کے
جیسے خواب وخیال کے سائے
یا ہیولے قیاس مبہم کے
کچھ عجیب وغریب مجموعے
آتش وخاک وصرصرونم کے
کچھ مہیب ومحال سے مظہر
ابتدائے ظہور عالم کے
چند آوارہ گرد سے نقشے
ایک تخلیق نامنظم کے
سخت حساس، سخت نامحسوس
شعبدے جسم ناجسم کے
ظلمتوں کے لباس میں ملبوس
شعلے ترشے ہوئے جہنم کے

کانپتی تھیں میرے تصور میں
کچھ لکیریں دھوئیں کی تھم تھم کے
جھلملاتے تھے اس طرح چہرے
ان کی افسوں گری مبہم کے
جس طرح سلسلہ شہابوں کا
ابر تیرہ کی اوٹ میں چمکے
کہکشانوں کے پیچ وخم پہ محیط
سلسلے ان کی زلف برہم کے
ہاں وہ موہوم اولیں خاکے
مشتِ خاکسترِ دو عالم کے
یوں مری خلوتوں میں در آئے
جس طرح پیک مرگ آدھمکے
چھڑ گئے اجنبی ہیولوں سے
تذکرے ابتدائے عالم کے
میں نے جب ان سے یہ سوال کیا
تم ہو محرم ہر ایک محرم کے
قبل تخلیق بوالبشر کیا تھے
رنگ اس کارگاہ عالم کے
ایک سائے نے یہ جواب دیا
صرف آدم تھا قبل آدم کے

میں نے اس ضمن میں قبل آدم کی مخلوق (جنات) کی تصور کشی کے لئے خواب وخیال کے سائے، قیاس مبہم کے ہیولے۔ عناصر اربعہ کے عجیب وغریب مجموعے، مہیب ومحال مظہر، آوارہ گرد نقشے، نامجسم شعبدے، جہنم کے ترشے ہوئے شعلے، دھوئیں کی لکیریں شہابوں کے سلسلے، ادر موہوم اور اولیں خاکے، جیسے استعارے استعمال کئے ہیں، یہ فقط استعارے اور تشبیہیں ہی نہیں، حقیقتیں بھی ہیں۔ جن کی تصور

کشی صرف ان ہی اصطلاحوں کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔ میرے برادر بزرگ (شاعر اہل بیت) مولانا سید قائم رضا نسیم امروہوی اپنا ایک تجربہ بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں وہ اور ان کے بھائی سید سکندر رضا پڑوس کے کسی مکان میں جو کھنڈر بن چکا تھا۔ بیری کے بیر توڑنے جایا کرتے تھے۔ اسے بچپن کا ایک مشغلہ یا کھیل سمجھ لیجئے۔ دو تین روز تک تو یہ دونوں بھائی وہاں اودھم مچاتے رہے، کسی نے مداخلت نہ کی۔ ایک روز جب لو چلتی ہوئی دوپہر چاروں طرف ویرانی اور سناٹا چھایا ہوا تھا اور یہ دونوں بھائی ہیبت ناک کھنڈر میں بیر چن رہے تھے۔ یکا یک ایک طویل القامت بزرگ نہ جانے کدھر سے نمودار ہو گئے اور انہوں نے ڈانٹ کر کہا۔

''بھاگ جاؤ، کبھی ادھر بیر چننے مت آنا''۔

مولانا قائم رضا نسیم کا بیان ہے کہ اس بزرگ کو دیکھ کر ہم پر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ اپنے مقام پر جم کر رہ گئے۔ وہ بزرگ جس طرح یکا یک نمودار ہوئے تھے، اسی طرح اچانک غائب ہو گئے۔ تب ہم بمشکل بھاگ کر گھر آئے۔ خیر دو چار دن تو ان بھائیوں نے اس مکان کا رخ نہ کیا اور جب ہیبت کم ہوگئی تو دو چار اور لڑکوں کو جمع کر کے پھر اس کھنڈر میں جا پہنچے اور بیریوں پر دھاوا بول دیا۔ چند منٹ کے بعد ایک خوفناک آواز گونجی۔ دیکھا وہی بلائے بدیعنی دیو قامت بزرگ سامنے کھڑے ہیں۔ نسیم صاحب کا بیان ہے کہ ان کی آنکھیں انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔ ہمیں یہ محسوس ہوا کہ ان لال دہکتی آنکھوں سے آتشیں کرنیں نکل رہی ہیں، یعنی ایک بجلی کی لہر سی دوڑتی ہوئی ہماری طرف آتی ہے۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس ہوشربا نظارے سے ان کی حالت پر کیا گزر گئی ہوگی۔

☆......☆......☆

ان دیکھی مخلوق

سعیدہ بنت اسماعیل کراچی اپنے خط مورخہ یکم ستمبر 1972ء میں لکھتی ہیں کہ:

میں نے اپنی زندگی کے سات سال مشرقی پاکستان میں گزارے ہیں۔ کراچی آئے ہوئے صرف تین سال ہوئے، حال ہی میں فرسٹ ایئر کا امتحان دیا ہے۔ جھوٹ سے سخت نفرت کرتی ہوں۔ اپنی طرف سے جو کچھ لکھوں گی بالکل سچ لکھوں گی، جواب سے محروم نہ کیجئے گا۔

مشرقی پاکستان کے زمانہ قیام سے ہی میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آتا رہتا ہے۔ یہ کہ جب میں بستر پر بیٹھتی۔ لیٹتی یا سوئی ہوئی ہوتی تو اچانک ایسا محسوس ہوتا، جیسے بستر کے نیچے یا اوپر کوئی سو رہا ہے۔ میں ڈر کر یا تڑپ کر چارپائی سے چھلانگ لگاتی تو کوئی نظر نہ آتا۔ کراچی آ کر ایک اور مصیبت شروع ہوئی، کبھی کبھی رات کے 12 بجے خود بخود میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا۔ جسم کا رواں رواں کھڑا ہو جاتا، رگ رگ میں سرد لہریں سی دوڑنے لگتیں۔ کمرے میں ویرانی سی چھا جاتی اور احساس ہوتا کہ اس کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ یہ صورتحال کچھ دیر قائم رہتی پھر ختم ہو جاتی (جیسے وہ نادیدہ چیز کمرے سے باہر چلی گئی) ایک بار ایسا ہوا کہ میں قرآن پاک میں کوئی سورہ تلاش کر رہی تھی۔ ابھی قرآن پاک کو بند کیا تھا کہ مجھ پر گہرے خوف و دہشت کی وہی حالت طاری ہوگئی۔ میں نے جلد از جلد قرآن پاک کو بند کر کے الماری میں رکھا اور بستر پر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کیں سکون نہ ملا، مجبوراً کھول دیں۔ مغرب کی طرف منہ کیا تو ایسا لگا وہی ان دیکھی مخلوق میرے سر کے برابر کھڑی ہے۔ اس کا قد سات آٹھ فٹ کے برابر ہے، رنگ کالا ہے، سر سے پاؤں تک سیاہ کپڑوں میں ملبوس ہے اور اس کی کوشش یہ ہے کہ میرے اندر گھس جائے۔ جنگ دسمبر 1971ء کے زمانے میں یہ کالی شے ہر وقت میرے ساتھ رہتی تھی۔ البتہ جب غسل خانے میں جاتی تو نجات مل جاتی تھی۔ جب غسل خانے سے باہر نکلتی تو پھر ساتھ لگ جاتی۔ سعیدہ بنت اسماعیل نے جس سیاہ فام سائے کا ذکر کیا ہے۔ کیا یہ کشور ظلمات کا کوئی باسی ہے؟ طلسم ہوشربا میں کشور ظلمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تاریک دنیا اندھیروں میں لپٹی ہوئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس دنیائے تیرہ و تار (کشور ظلمات) میں جنات کی ایک قوم آباد ہے۔

مجھ سے مجھ کو نہ چھین کرلے جائے

شہزادی کشور ظلمات

☆......☆......☆

پری اور دیو

سعیدہ کو جو تجربہ ہوا وہ منفرد نہیں۔ نہ جانے کتنے لوگ ان عجائبات سے دوچار ہو چکے ہیں۔ میر ظہور احمد بروہی لکھتے ہیں کہ:

آپ نے مجھ سے تفصیل دریافت کی ہے عرض یہ ہے کہ جب میں چھوٹا سا تھا، تو ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ گاؤں کے نزدیک ایک پہاڑی پر کسی نظر نہ آنے والی چیز کو ڈھول بجاتے سنا، اس کے متعلق ہمارے بزرگوں نے بتایا کہ وہاں پریوں کا قلعہ ہے اور یہ پریاں شادی بیاہ کے وقت ڈھول بجاتی ہیں۔ پریوں کے سلسلے میں دیو مالائی کہانیوں کا ایک ضخیم مجموعہ ہر قوم کی ادبیات اور علم الاضام میں پایا جاتا ہے۔ ہمارے دیو مالائی ادب میں پریوں کو دیوزادوں اور دیوؤں کی صنف نازک قرار دیا گیا ہے اور دیو جنات ہی ایک قسم ہے۔ دیو اور پری کی روایات کوہ قاف کے التزام کے ساتھ ایرانیوں سے اخذ کی گئی ہیں۔ خود اردو نثر نظم میں پریوں اور دیوؤں کی کہانیوں کے دفتر موجود ہیں۔ اردو شعر میں پری حسن و جمال کا نازک ترین استعارہ ہے اور اس استعارے کی شاخ سے پری رو، پری پیکر، پری وش، پری زاد، پری چہرہ اور پری تمثال کی شاعرانہ کونپلیں پھوٹی ہیں۔

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

پری کے مقابل دیو ہیبت اور تن و توش کی علامت ہے۔ پریوں کے پر ہوتے ہیں اور دیوزادوں کے سینگ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب تخلیل کی بلند پروازیاں ہیں۔

سعید الحسن لکھتے ہیں:

ایک روز گرمی کی دوپہر میں میری جو آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر سناٹے میں آ گیا کہ سنگھار میز پر چند ننھی منی پریاں ناچ رہی ہیں۔ بعض سبز ہیں، بعض سرخ، بعض سنہری (سبز پری اندر سبھا ناٹک کا مشہور کردار ہے) راجہ کے ناٹک میں جب سبز پری اسٹیج پر نمودار ہوتی ہے تو بہزار عشوہ و ادا اپنا تعارف اس طرح کراتی ہے۔

شوخی سے نزاکت سے شرارت سے بھری ہوں
شمشاد مرا نام ہے میں سبز پری ہوں

بکاؤلی بھی تو دنیا افسانہ کی مشہور پری تھی جس کے طلسمی پھول کو چرا لیا گیا تھا۔

ہے ہے مرا پھول لے گیا کون
ہے ہے مجھے داغ دے گیا کون

مسز شاہدہ حسین لکھتی ہیں کہ:

ہمارے گھر میں صحن میں ایک کامنی درخت تھا، جو موسم گل میں پھولوں سے ڈھکا رہتا تھا۔اس کے پھولوں کی مہک سے،ہم تو ہم آس پاس پڑوس کے لوگوں تک کے دماغ معطر ہوجاتے تھے۔بڑی بوڑھیوں کا کہنا تھا کہ اس میں کامنی پریاں رہتی ہیں۔اسی لئے کامنی کے درخت کو کوئی چھوتا، چھیڑتا نہ تھا۔میں پریوں کی اس کہانی کا ہمیشہ مذاق اڑایا کرتی تھی۔ایک روز طلوع آفتاب کے وقت میری آنکھ کھل گئی اور صحن میں ٹہلنے کو نکل آئی۔ہوائے سرد چل رہی تھی اور عجیب روح افزا اسماں تھا۔رئیس صاحب! بخدا آپ یقین کریں کہ میں نے دیکھا کہ کامنی کے گل افشاں درخت کی ٹہنی پر عجیب وغریب مخلوق تھرک رہی ہے، رقص کر رہی ہے اچھل رہی ہے۔اس حیرت انگیز مخلوق کے چہرے عورت نما تھے۔ننھے منے جسموں پر رنگ برنگ کے پر چسپاں نظر آتے تھے۔ان کی آنکھیں ہیرے کی کنی کی طرح چمک رہی تھیں اور ریشم جیسے نرم و نازک بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔مشکل سے یہ سماں دس، پندرہ سیکنڈ قائم رہا ہوگا، میں اس ہوشربا نظارے سے چونکی تو نہ پریاں تھیں، نہ یہ پری زادوں کا رقص! مجھے پرستان کی اس آسمانی مخلوق کا وجد عالم سرشاری اب تک یاد ہے۔رئیس صاحب! آخر یہ کیا کرشمہ تھا۔میں نے مسز مشاہدہ حسین کو جواب دیا کہ عزیزہ! یہ سب کچھ فریب نظر تھا۔تم نے بچپن سے یہ کہانی سنی تھی کامنی کہ اس درخت پر پریاں رہتی ہیں۔یہ تصور آپ کے لاشعور میں راسخ ہو چکا تھا۔اس روز جو آپ خواب سے بیدار ہوکر صحن میں آئیں اور کامنی کے درخت پر نظر پڑی تو بچپن کا وہ تصور غالب آ گیا اور اس نے وہ نظارہ آپ کو دکھا دیا جو افسانہ اور کہانیوں میں دیکھا تھا۔

میر ظہور احمد بروہی اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:

ایک روز میرا پالتو کتا زور سے بھونکنے اور رونے لگا، اٹھ کر باہر گیا تو دیکھا کہ تین سال کے بچے کے برابر ایک ننگ جسم جارہا ہے۔منٹ بھر بعد وہ ننگا جسم سخت چیخ کے ساتھ نہایت لمبی شکل میں تبدیل ہوکر غائب ہوگیا۔ایک بار اندھیری رات میں دوست کے گھر سے گاؤں جارہا تھا، برف باری ہورہی تھی کہ یکایک برف آلود راستے پر کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔پیچھے مڑ کر دیکھا ایک طویل القامت مکروہ تن و توش، سفید کپڑوں میں ملبوس دیو تعاقب کر رہا ہے۔میں نے بھاگنا چاہا تو اس دیو نے سامنے آ کر رستہ روک لیا۔راستہ چھوڑ کر بھاگا تو چاروں طرف مہیب شور وغل برپا ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

عنصری مخلوق

جنات ہوں، دیوزاد ہوں، پریاں ہو شیاطین ہوں، عفریت ہوں، آسیب ہوں، ان کے ظہور اور عمل کے واقعات اگر مکمل تاریخ نہیں تو انسان کی تاریخ تصور اور روایات کا ایک حصہ ضرور ہیں۔ کرہ ارض پر جہاں دیدہ مخلوق پائی جاتی ہیں وہاں نادیدہ مخلوقات کو بھی فرض کیا گیا ہے۔ اس قسم کے اکثر تجربے اور مشاہدے، وہم سہی، فریب حواس سہی، خبط دماغ کا نتیجہ سہی، تاہم سینکڑوں واقعات کامل صحت مند آدمیوں کو کامل ہوش وحواس کے عالم میں بھی پیش آئے ہیں اور انہوں نے ان تجربات کو ریکارڈ اور قلم بند بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے سائنس نہ ان مظاہر کی تردید کرسکتی ہے نہ تائید، یہ سائنس کا دائرہ عمل ہی نہیں ہے لیبارٹری کے آلات اور کیمیاوی جانچ پڑتال سے نادیدہ مخلوق کے وجود کو ثابت کر دینا ممکن نہیں لیکن اگر خردبین یا دوربین سے آپ کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ سرے سے وہ چیز موجود ہی نہ ہو، کیا سائنسی تجربہ گاہوں میں کوئی آلہ ایسا موجود ہے جس کی مدد سے آپ سب اٹامک پارٹیکلز یعنی الیکٹرون، پروٹون اور نیوٹرون کو دیکھ سکیں۔ حقیقت واقعہ صرف اتنا ہے ہم اٹامک انرجی یا جوہری قوت کے عمل کو دیکھ کر، جانچ کر، پرکھ کر اور استعمال کر کے ہی ایٹمی برقپاروں کے تعامل اور وجود پر یقین رکھتے ہیں، یا وبائی امراض کے جراثیم آنکھوں سے نظر نہیں آتے لیکن ہم اس کارکردگی کو بچشم خود دیکھ سکتے اور اپنے جسم میں محسوس کرسکتے ہیں پھر حیرت ناک شعبدوں کو دیکھ کر کیوں نہ کسی نادیدہ قوت کی کارفرمائیوں کو تسلیم کر لیا جائے۔ بہت سے حضرات اپنے جن گرفتہ اور آسیب زدہ عزیزوں کے علاج کے سلسلے میں مشورہ طلب کرتے ہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ آسیب زدگی اور جناتی دورے کے اکثر واقعات محض مالیخولیا اور تقسیم شخصیت کے نتیجے میں رونما ہوتے ہیں۔ ان کی بنیاد خالص، دماغی، اعصابی، ذہنی اور جذباتی ہوتی ہے اب رہے وہ واقعات جن کی توجیہہ کچھ اور بھی ہوسکتی ہے تو خیال یہ ہے کہ فضا میں یقیناً ایک کم شعور توانائی کارفرما ہے، یہ ایک دھندلی سی شخصیت ہوتی ہے اس نیم تاریک شخصیت کی اکثر حرکات خودکار ہوتی ہیں یعنی غیر ارادی (جیسے مشینی حرکات) یہ بے شعور توانائی، انسانی شعور اور اس کے ارادے سے لرزہ براندام رہتی ہے یہ خلاء میں تیرنے والی قوت کروڑوں اکائیوں میں تقسیم ہے اور ہر اکائی محدود، ادھورے اور ناقص وجود کی مالک ہے ان اکائیوں کو عنصری مخلوق یا قوائے عنصری (ELEMENTALS) کہا جاتا ہے۔ عنصری ایسی مخلوق ہے، جس کی جسمانی ترکیب اور دماغی ساخت انسان سے مختلف کم درجے کی ہے عنصری جسم نظر بھی آسکتے ہیں نہیں بھی آسکتے۔ صرف چند لمحے کے لئے اپنی پسندیدہ شکل میں ظاہر ہوتے اور نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں ان میں ہر شکل اور ہیئت (FORM) کو اختیار کرنے کی غیر معمولی صلاحیت واستعداد پائی جاتی ہے۔ یہ سب سے زیادہ انسان کی طاقت اور دماغی لہروں سے خوف زدہ رہتے ہیں آدمی

کے ذہن و دماغ سے جس طول موج (دیولنگتھ) کی لہریں نکلتی ہیں وہ ان کے حق میں زہریلی گیس کا حکم رکھتی ہیں انسانی ذہن کی لہر (قوت ارادہ) جس قدر قوی ہوگی، طاقتور ہوگی یہ اس سے اتنے ہی خوفزدہ ہوں گے ہم صرف اپنی قوت ارادی اور خود اعتمادی سے انہیں اپنا محکوم بنا سکتے ہیں جس طرح اور عنصری قوتوں (بھاپ، بجلی، ایٹمی توانائی اور مقناطیسیت) کو اپنے اشاروں پر چلاتے اور ان سے مفید یا مضر کام لے سکتے ہیں ان عنصر زاد مخلوقات سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ حال ہی میں سویڈن کے ایک سائنس داں (جو غالباً طبی پیشے سے تعلق رکھتا ہے) نے اعلان کیا کہ میں متواتر تجربات سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ روح کا وزن 21 گرام ہوتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ صاحب کس قسم کے تجربات سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں، جہاں تک روح کے وزن کا تعلق ہے تو یہ خیال ہی مضحکہ خیز ہے البتہ عنصری مخلوقات کا وزن 21 گرام ہوسکتا ہے ہاں۔ اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ کسی شخص کو جنات، آوارہ گرد روحوں اور بھوت پریتوں سے ڈرنا نہیں چاہئے اگر ہیں تو یہ سب طلسماتی ہیولے ہیں۔ صرف ایک قوی الارادہ شخص کی ڈانٹ بڑے بڑے بھوت کو بھگا دینے اور جن کو ڈرا دینے کیلئے کافی ہے۔ مجھے بھی ELEMENTAL کے بعض تجربات ہوئے مگر ان کی نوعیت بالکل ذاتی ہے لہٰذا ان پر گفتگو مناسب نہ ہوگی صرف اتنا عرض کردوں کہ آسیب زدگی اور جناتی اثرات کے علاج کے وقت اردو کا ایک محاورہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ "مار سے بھوت بھی بھاگتا ہے" میں نے ایک عامل کو دیکھا کہ وہ جن گرفتہ مریضوں کا علاج صرف ایک تھپڑ سے کیا کرتا تھا۔ جب کسی شخص کے سر پر جن آئے، ان صاحب کو بلایا گیا تو انہوں نے تحکمانہ لہجے میں اصلی یا خیالی جن کو حکم دیا کہ فوراً مریض کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔ آسیب یا جن نے تعمیل حکم کردی تو ٹھیک! نہیں تو عامل کا تھپڑ رسید کرتے ہی جن مفرور ہوا اس علاج بالجبر کا اصول وہی ہے جو شاک تھراپی کا، شاک تھراپی میں مریضوں کے دماغ کو بجلی کے جھٹکے لگائے جاتے ہیں اور وہ ہوش مند ہو جاتا ہے انسانی عظمت کے سامنے بڑے سے بڑے جن، بھوت، دیو، چھلاوے، عفریت، چڑیل، خبیث اور آسیب کی حیثیت کتے، بلی سے زیادہ نہیں یہ مکمل باشعور ہستیاں نہیں ہوتیں، بلکہ شخصیت کی بکھری ہوئی اکائی ہوتی ہیں ان تمام نادیدہ ہستیوں کا گروگھنٹال ابلیس ہی تو ہے تو خود ابلیس کی بزدلی ملاحظہ کیجئے کہ ادھر آپ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھی۔ ادھر وہ ڈر کر بھاگا۔ میں نہ آسیب اتارنے کے فن سے واقف ہوں، نہ تسخیر جنات کا مدعی، نہ سفلی علوی عملیات کا شوقین، البتہ ایک نفسیاتی حقیقت کی طرف اشارہ کروں۔ جن گرفتہ یا آسیب زدہ کی شخصیت بھی (شیزوفرینیا کے مریضوں کی طرح) دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ یعنی عقل سلیم (شعور) معطل ہو جاتی ہے اور لاشعور بروئے کار آجاتا ہے۔ لاشعور تمام جذبوں اور جبلتوں کا خزانہ ہے اور وہ تمام موروثی عقیدے تمام یادیں اور خیالات کے تمام بنیادی سلسلے نفس کے اسی تہہ خانے میں محفوظ رہتے ہیں۔ جنی یا آسیبی اثرات کے عالم میں مریض کے لاشعور کو براہ راست متاثر کیا جاسکتا ہے۔ اس قسم کے تمام دورے عام طور پر کمزور اعصاب رکھنے والوں پر پڑتے ہیں۔ ایسے لوگ بے انتہا حساس اور شدید طور سے اثر پذیر ہوتے ہیں ان میں مضبوط قوت ارادوں کا فقدان ہوتا ہے میں عمل خوانی کا عادی نہیں، بایں ہمہ جناتی مریضوں کے علاج کا ایک طریقہ عرض کرتا ہوں۔

جب کسی پر ہسٹریا کی سی کیفیت طاری ہو یعنی اس کا شعور معطل ہو جائے وہ اول فول بکنے لگے۔ یہ دعویٰ کرے کہ مجھ پر فلاں شیخ سدو اور فلاں شیخ کبیر آئے ہوئے ہیں اور منہ سے بولنے اور سر سے کھیلنے لگے تو فوراً کسی مضبوط اور قوی ارادہ رکھنے والے شخص کا فرض ہے کہ مریض کے سامنے جم بیٹھے، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دے اور لاحول پڑھ کر حاکمانہ تحکمانہ اور فاتحانہ لہجے میں آکر جن کو حکم دے کہ بھاگ جاؤ ورنہ گردن مروڑ دی جائے گی سو میں نے ننانوے فیصد یہ علاج کامیاب ہوتے دیکھا گیا ہے۔

☆......☆......☆

زرد رنگ کے بزرگ

ہومیوپیتھ کالج ڈاکٹر اعوان (میر پور خاص) تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایک خوبصورت لڑکا بشیر ولد گلاب، غریب آباد میر پور خاص چار سال سے عجیب وغریب بلا میں مبتلا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے بدن کے مختلف اعضاء (بازو، ٹانگ، سینہ، گردن وغیرہ پر) ایسے زخم نمودار ہو جاتے ہیں۔ جیسے کسی نے تیز دھار آلے سے کچوکے لگائے ہیں۔ جسم سے خون کی دھاریں بہنے لگتی ہیں۔ بچے کی عمر تقریباً سولہ سال کی ہے، کوئی حملہ آور چیز نہیں نظر آتی صرف زخم آتے ہیں، بچے کا کہنا ہے کہ مجھے ناخنوں سے کوئی چیز کاٹتی ہے۔ بعض اوقات ایک سایہ بھی نظر آتا ہے۔ ہر قسم کے جسمانی اور روحانی علاج کرائے، مطلق افاقہ نہیں ہوا براہ کرم اس مرض پر روشنی ڈالیے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ ہمارے لوگ ویسے بھی ضعیف العقیدہ واقع ہوتے ہیں۔ پیر پرستی، نقیر پرستی، درویش صورت لوگوں پر آن کی آن میں ایمان لے آنا، تعویز گنڈوں کی تجارت، عملیات اور وظیفوں کی کثرت! مختصر یہ کہ کیا کیا نہیں ہوتا۔ سبھی کچھ تو ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے بھی کچھ کر کے دیکھ لیا۔ بچے کے سر سے بلا دور نہ ہوئی۔

رضا بیگ لکھتے ہیں کہ:

چند ماہ سے ہم لوگ عجب آفت میں مبتلا ہیں۔ صحن میں مولسری کا چھوٹا سا پودا اگا ہوا تھا۔ میری لڑکی صابرہ نے اسے کاٹ ڈالا۔ فوری سے اس پر دورے پڑنے لگے۔ دورے کی نوعیت یہ ہے کہ یکا یک وہ پھول کر کپا ہو جاتی ہے (جیسے جسم پر سوجن آ جائے) آنکھیں سرخ ہو کر لال انگارہ بن جاتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ سر کے بال کھڑے ہو گئے۔ اس عالم میں کس کی مجال کہ صابرہ کے پاس جا سکے۔ خیر یہاں تک تو تصور کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہ کسی اعصابی یا دماغی مرض میں مبتلا ہو گی۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس عالم میں وہ ایسی فصیح و بلیغ زبان بولتی ہے کہ ہم اسے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ صابرہ اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے بتلا دیتی ہے کہ فلاں عزیز فلاں مقام پر اس حال میں ہے، بعد کو سب باتوں کی حرف بہ حرف تصدیق ہو جاتی ہے۔ دورے کے عالم میں وہ نسخے بھی بتاتی ہے، تعویز بھی لکھواتی ہے۔ کبھی کبھی مستقبل کے بارے میں صحیح صحیح پیشین گوئیاں بھی کرتی ہے۔ صابرہ کا بیان ہے کہ اسے زرد کپڑے پہنے ہوئے ایک بزرگ نظر آتے ہیں، پھر خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہوا؟

☆......☆......☆

قرآن خواں جن

سید مظاہر حسین (لاہور) کا بیان ہے کہ ان کے گھر عجیب آفت نازل ہے۔ سید مظاہر لکھتے ہیں کہ:

ان کے گھر کے برتن خود بخود ہوا میں معلق ہو جاتے ہیں اور پھر گر کر ٹوٹ جاتے ہیں، کبھی کبھی چھت سے سیاہ پتھر (کوئلے جیسے انجن میں جلتے ہیں) برسنے لگتے ہیں۔ کھانے سے فضلے کی بو آنے لگتی ہے۔ رات میں چھت پر ایسا ادھم مچتا ہے خدا کی پناہ۔ جیسے ہاتھی دوڑ رہے ہوں۔ دو تین سیاہ بلیاں لڑتی ہوئی آتی ہیں اور چشم زدن میں آنکھ سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ گھر کے درخت اس طرح ہلتے ہیں جیسے تیز آندھی چل رہی ہو۔ حالانکہ ہوا کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا۔ کپڑوں کی الماری میں خود بخود آگ لگ جاتی ہے۔ غرض ایک بات ہو تو لکھوں، ایسے عذاب میں مبتلا ہوں کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ چند سال پہلے کا ذکر ہے کہ "روزنامہ مشرق" (کراچی، لاہور) کے ایک کارکن کسی مشترکہ دوست کے ساتھ تشریف لائے۔ بے چارے نہایت پریشان تھے۔ ان کا بھائی بقول ان کے جنات کے زیر اثر ہے۔ جب اس پر جن سواری گانٹھتے ہیں تو وہ ہوا میں معلق ہو جاتا ہے۔ آٹھ آٹھ آدمی زور کرتے ہیں، ان کے قابو میں نہیں آتا حیدرآباد کے قریب ایک چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کے اسٹیشن ماسٹر نے تفصیل کے ساتھ اپنی بیوی کے واقعات لکھے ہیں۔ یہ دورے کے عالم میں یعنی جب ان پر جن آتا ہے۔ قرآن مجید کے سورے کے سورے پڑھتی ہیں (حالانکہ حافظ قرآن نہیں) نعتیں سناتی ہیں، ادق زبان میں تقریریں کرتی ہیں، ان پر کوئی ایک اثر نہیں۔ مختلف اثرات ہیں، ہر اثر یعنی ہر جن اپنے مختلف نام بتلاتا ہے۔ ان بی بی کے معاملے کی نفسیاتی تشریح اس طرح ممکن ہے کہ انسان کے خزانہ حافظ (لاشعور) میں وہ سب کچھ محفوظ رہتا ہے جو اب تک اس نے سنا، پڑھا، کہا یا محسوس کیا ہے، جب کسی وجہ سے شعور معطل ہو جاتا ہے تو حافظے سے یادداشتوں کی ایک رو نکلتی ہے اور الفاظ کا جامہ پہن لیتی ہے۔ متعدد دماغی آپریشنوں کے دوران یہ تجربہ ہوا کہ جب مریض کے کاسہ سر کے ان حصوں کو نوک نشتر سے چھیڑا گیا، جن کا تعلق آواز کی یادداشتوں صوتی نقوش سے ہے تو اسے بہت سے ایسے بھولے بسرے نغمے اور فراموش کردہ آوازیں سنائی دینے لگیں، جس کا تعلق ماضی سے ہے۔ تنویمی نیند کے عالم میں اگر مریض کو یہ ترغیب دی جائے کہ تم اپنی زندگی کے فلاں دور کی باتیں سن رہی ہو، تو وہ یقیناً اس عہد کی آوازیں سننے لگے گا۔ ہم اسٹیشن ماسٹر کی اہلیہ کے دورے کی یہ تشریح کر سکتے ہیں کہ قرآن پاک کی سورتیں، پرانی نعتیں اور ادق تقریریں جو انہوں نے مختلف زمانوں میں اپنے بزرگوں سے سنی تھیں۔ ان کے حافظے میں محفوظ تھیں، جب دماغی دورے میں شعور معطل ہو جاتا ہے تو وہ تمام ذخیرہ یادداشت باہر نکل پڑتا تھا۔ شمس الدین مرحوم راقم الحروف کے دوست تھے۔ ان کے دولت خانے کی ایک کوٹھری کسی بزرگ کے لئے مخصوص تھی۔ کوٹھری میں قفل

پڑا رہتا تھا، ہر جمعرات کو شمس الدین بہ احتیاط قفل کھولتے ۔کوٹھری کی صفائی کراتے ، وہاں لوبان جلاتے اور اگر بتی سلگا کر کوٹھری کے دروازے کو مقفل کر دیتے۔پابندی سے تو نہیں، البتہ کبھی کبھی جمعرات کی شب میں اس کوٹھری سے قرآن خوانی کی ایسی لطیف وشیریں آواز آتی کہ روح وجد کرنے لگتی۔کوٹھری سے خوشبوؤں کے قافلے نکلتے اور سارا محلہ مہک اٹھتا۔

ہاں، ابھی آپ کا پیامِ کرم
بوئے گل پر سوار گزرا ہے

شمس الدین کا بیان تھا کہ یہ بزرگ خواب میں بھی آتے ہیں اور مناسب ہدایات دے جاتے ہیں۔میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ میں نے امتحاناً ایک نامانوس اور اجنبی زبان (یعنی جمل وجعفر کے اعداد) میں ایک رقعہ ان بزرگ کے نام لکھا اور شمس الدین مرحوم سے کہا کہ یہ رقعہ اس کوٹھری میں رکھ دیں۔اس رقعے کا مفہوم اس قدر پر پیچ تھا کہ جفر و جمل جاننے والا بھی نہ سمجھ سکتا تھا۔یہ رقعہ جمعرات کے روز (بغرض آزمائش) بیچ سورے کے اندر رکھ گیا۔تیسرے روز جواب ملا۔اسی زبان میں جو ایجاد بندہ تھی، جواب واضح قطعی اور اطمینان بخش تھا۔شمس الدین سر پیٹتے تھے کہ سوال و جواب کی نوعیت بتلا دی جائے لیکن راز بہر حال راز ہے۔یہ طریقہ میں نے اپنے والد بزرگ وار سیدنا ومرشدنا سید شفیق حسن ایلیا رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا تھا۔بابا مرحوم نے ایک خاص زبان اس مقصد کے لئے تصنیف کی تھی جو نصف حروف اور نصف اعداد پر مشتمل تھی۔بابا مرحوم بھی یہ زبان نادیدہ مخلوقات سے سوال وجواب کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔

☆......☆......☆

زین خان

زین خان کا نام بھی ہمارے مرحوم امروہے کے شیخ صدرالدین عرف شیخ سدو کے اسم گرامی کی طرح تقسیم سے قبل برکوچک پاک وہند میں مشہور تھا (اب یہ شخصیتیں دھندلا گئی ہیں) امروہے کی لوک کہانیوں کی رو سے شیخ صدرالدین ایک عامل تھے۔ زین خان نامی جن ان کے تابع تھا۔ حالات نے وہ رخ اختیار کیا کہ زین خان جن اپنے عامل کے قبضے سے نکل گیا اور اس نے شیخ صدرالدین کو بربنائے انتقام زمین پردے پٹکا۔ شیخ صدرالدین (عرف شیخ سدو) کی وفات کے بعد زین خان نے ان کا نام اطراف عالم میں مشہور کیا، وہ جس کے سر پر چاہتا سوار ہو جاتا اور پھر اپنے معمول کو حکم دیتا کہ جا تر ہی (زائر) بن کر امروہے جاؤ اور شیخ سدو کی مسجد میں بکرے یا مرغے کی بھینٹ نذر کرو۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ آسیب زدہ لوگوں کے قافلے کے قافلے دور دراز سے امروہہ آتے اور دامن مراد بھر کر واپس جاتے۔ یہ میلہ بدھ کے روز لگا کرتا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد شیخ سدو اور ان کے دوست زین خان پر نہ جانے کیا گزری؟ نئی کراچی میں ایک دہلوی تاجر کی شادی شدہ لڑکی کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، اس کے عزیزوں نے بتایا کہ اس بے چاری پر زین خان آتے ہیں۔ جب میں نے مریضہ کو دیکھا تو وہ بقول خود زین خان بنی ہوئی تھی۔ چار چار، پانچ پانچ آدمی زور کر رہے تھے اور یہ کسی کے قابو میں نہ آتی تھی۔ میں نے کافی سوالات پوچھے، بعض کے جوابات مبہم تھے۔ بعض صاف! عام حالت میں یہ خاموش اور سنجیدہ رہتی ہے۔ لیکن ہر تیسرے مہینے کے آخری چہار شنبے کو شام کے 5 بجے زین خان آتے ہیں، میں نے اس لڑکی کو ربیع الاول کے آخری چہار شنبے کو دورے کی حالت میں دیکھا۔ زین خان نے وعدہ کیا اب وہ جمادی الثانی کے آخری شنبے یعنی تین مہینے بعد آ کر مجھ سے گفتگو کرے گا۔ زین خان کی حسب ذیل خصوصیتیں بتلائی گئیں۔ (1) بے موسم کے پھل حاضر کر دیتے ہیں۔ مثلاً آپ کا جی چاہا کہ امروہے کے ثمر بہشت آم کھاؤں گا۔ رومال میں پیسے باندھ کر سرپوش کے نیچے رکھ دیجئے۔ چند منٹ بعد سرپوش اٹھایئے، پیسے غائب، ثمر بہشت حاضر۔ (2) چار چار، پانچ پانچ آدمیوں کا کھانا بیک وقت چٹ کر جاتے ہیں۔ (3) جوش کی حالت میں کئی کئی شہ زوروں کے قبضے میں نہیں آتے۔ (4) دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بتلا دیتے ہیں۔ (5) دور دراز کے فاصلے پر پیش آنے والے واقعات کی تفصیل سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

☆......☆......☆

مغربی جرمن میں

جہاں تک جنوں، آسیبوں، چڑیلوں، پریوں، دیوزادوں اور فضا میں آوارہ پھرنے والی روحوں کے عملیات اور مظاہر کا تعلق ہے تو مشرق کا ہر ملک اس قسم کی دیو مالائی کہانیوں کے لئے مشہور ہے۔ ہمارے معاشرے اور آس پڑوس میں ہزاروں افراد ایسے اور اس قسم کے حیرت انگیز واقعات سننے اور سنانے کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے ہیں، اوہام پرست جو ٹھہرے! لیکن یورپ؟ یورپ میں بھی مغربی جرمن؟ سائنس کا گھر، فلسفے کا گہوارہ، تحقیق علم وطب کا عظیم ترین سرکز، مغربی جرمنی کے سفارتخانے (کراچی) سے ایک اردو خبرنامہ شائع ہوتا ہے۔ اس وقت یہی خبرنامہ پیش نظر ہے۔ ایک سرخی پر نظریں جمی ہوئی ہیں، سرخی یہ ہے کہ:

"کیا مافوق الفطرت کی سائنسی توجیہہ ممکن ہے"؟

سائنس کی روشنی میں ایسے واقعات کی توجیہہ وتعلیل (یعنی ان واقعات کی علت کیا ہے) جو قوانین فطرت سے بلند یعنی عادت کے خلاف (خارق العادہ نظر) آئیں مضمون نگار نے یہ سوال قائم کر کے خود اقرار کیا ہے کہ فی الحال سائنسی طور پر اس سوال کا جواب دینا ممکن نہیں۔ مضمون نگار نے لکھا ہے کہ جب سے انسان اس زمین پر آباد ہے، بھوت، پریت اور مافوق الفطرت واقعات سے اس کا سابقہ پڑتا رہا ہے۔ عقیدے کی بات اور ہے جہاں تک خالص سائنٹفک تحقیق اور تجربے کا تعلق ہے۔ ہماری زندگی کے چند پہلو ایسے باقی ہیں جو اب تک انسانی تجربے اور علم کی رسائی سے باہر ہیں۔ بھوت پریت اور مافوق الفطرت مظاہر اسی زمرے میں آتے ہیں۔ روحوں کی دنیا کا تحقیقاتی سلسلہ پچھلی صدی میں شروع ہوا تھا۔ اس مقصد کے لئے انگلستان، جرمنی، امریکہ اور فرانس میں متعدد بلند پایہ علمی سوسائٹیاں قائم ہوئیں اور اب تک کام کر رہی ہیں۔ سب کا مقصد یہ ہے کہ سپر نارمل واقعات کی کوئی قدرتی سائنسی توجیہہ کی جا سکے۔

☆......☆......☆

پہلا سائنسی تجربہ

اب تک جنات کے واقعات کو ریکارڈ کرنے والے مناسب سائنسی آلات موجود نہ تھے، یا تھے تو نامکمل، لیکن پچھلے دنوں وفاقی جمہوریہ جرمنی میں ایک واقعہ ایسا رونما ہوا جسے اس ضمن میں پہلا سائنسی تجربہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ سائنسی آلات نے جو شہادت فراہم کی ہے وہ اگر صحیح ہے تو اس تجربے کو روحوں کی سائنسی تحقیقات میں سنگ میل قرار دیا جائے گا۔ پچھلے سال 9 دسمبر کی بات ہے کہ ایک وکیل کے دفتر میں ناقابل یقین واقعات کا سلسلہ شروع ہوا۔ کبھی دفتر میں لگے ہوئے بجلی کے بلب خود بخود پھٹ جاتے۔ کبھی برقی قمقمے ہولڈر سے نکل کر زمین پر گر کر ٹوٹ جاتے۔ شارٹ سرکٹ اور فیوز کا اڑ جانا تو معمولی بات تھی۔ ہزار جانچ پڑتال کے بعد ان حیرت انگیز کرشموں کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ چند روز بعد ٹیلی فون پر بھی بلا نازل ہوگئی، یعنی وہ نادیدہ جن یا بھوت دفتر کا ٹیلی فون بھی استعمال کرنے لگا۔ بھوت جتنی کالز (CALLS) کرتا وہ ٹیلی فون کے آٹو میٹک ایکسچینج میں ریکارڈ ہوتیں، اور ان کا بل وکیل صاحب کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ واقعات میونخ کے قریب قصبہ روزن ہائم میں ایک وکیل کے دفتر میں پیش آ رہے تھے۔ ڈان ایکسپریس سروس کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ وکیل صاحب کے دفتر میں ''اینا میری شولڈز، نام کی ایک 21 سالہ خوبصورت لڑکی کام کرتی ہے۔ اس لڑکی پر جن آتے ہیں، یہ شرارتیں وہی جن کرتا ہے۔ بجلی اور ٹیلی فون کے محکمے نے سینکڑوں کوششیں کیں، ان سینکڑوں پراسرار واقعات کا سبب معلوم کریں۔ مگر نہ کر سکے ماہرین نے ریڈیائی اور برقی لہروں کو پکڑنے والے پیچیدہ نازک آلات اور برقی رو کو ریکارڈ کرنے والی بہت حساس ترین مشینیں وکیل صاحب کے دفتر کے چاروں طرف نصب کیں۔ مگر کوئی پتہ نہ چلا اور بھوت بدستور بجلی اور ٹیلی فون سے کھیلتا رہا۔ جب ماہرین نے بہت زور مارا تو نادیدہ جن غصے میں بھر گیا۔ اب اس نے مزید شرارتیں شروع کر دیں۔ دفتر کی روشنیاں خود بخود بجھ جاتیں، بلب پیچ دار ہولڈروں سے گر پڑتے۔ ریڈیائی آلات پر طاقتور سگنل محسوس ہوتے۔ پھر یہ ہوا کہ حساس مشینیں خود بخود پھٹنے لگیں۔ دیوار پر لگی ہوئی تصویریں آپ ہی آپ ناچنے لگتیں۔ کیلنڈر دیواروں سے اکھڑتے اور ہوا میں لہرانے لگتے۔ سائنس دانوں نے ہفتوں تک ان پراسرار واقعات کی چھان بین کرنے کے بعد 24 صفحے کی ایک رپورٹ شائع کی ہے۔ اس رپورٹ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ بلاشبہ کوئی نادیدہ قوت ان تمام واقعات کے پس پشت کام کر رہی ہے۔ فری برگ جرمنی کے انسٹی ٹیوٹ آف پراسائیکالوجی کے ڈائریکٹر پروفیسر ہانز بینڈر نے اعلان کیا ہے کہ ان کی تحقیقات کے نتیجے میں سائنسی طور پر بھوتوں کا وجود ثابت ہوگیا ہے۔ ڈان ایکسپریس کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ ان واقعات کے بعد اینی میری شولڈر نے وکیل صاحب کا دفتر چھوڑ دیا اور ایک نوجوان دوست آرتھر شمڈٹ سے شادی کا ارادہ کیا۔ لیکن بدنصیب آرتھر شمڈٹ نے بھوتوں کے وہ کرشمے دیکھے کہ اس جن زدہ لڑکی سے شادی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب یہ جنات کی محبوبہ تنہا پراسرار زندگی بسر کر رہی ہے۔ ہاں اینی میری

شولڈر کے ذکر سے یاد آیا کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ عام طور پر کنواریاں اور نوجوان لڑکے اور لڑکیاں نادیدہ مخلوق یا کسی مافوق توانائی (سپر نارمل ایجنسی) کا آلہ کار بن جاتی ہیں۔ ادھیڑ عمر کے لوگوں اور بوڑھوں پر یہ غیبی حملہ بہت کم ہوتا ہے۔ یہ سوال ہمیشہ ماہر النفسیات والوں کے پیش نظر رہا ہے۔ ہمارے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ جنسی توانائی اور روحی طاقت ایک ہی حیاتیاتی رجحان کے دو مظہر ہیں۔ جس طرح برقی قوت مقنا طیسیت لازم و ملزوم ہیں۔ اسی طرح جنسی طاقت اور روحی طاقت ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائی جا سکتیں۔ جو لوگ روحی یا روحانی مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ اپنی جنس پر کڑی پابندیاں عائد کر لیتے ہیں۔ روزے اور عشرہ رمضان کے زمانہ اعتکاف میں کامل تجربہ و لازمی ہے۔ اکثر فقراء شادی نہیں کرتے۔ بعض اعمال وظائف کی ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ انسان دوران عمل شہوت رانی سے اجتناب برتے گا۔ یہ تمام پابندیاں اس لئے ہیں کہ تجرد یا برہم چاریہ پن کے ذریعے جنسی قوت کے ضائع ہو جانے کو روکا جا سکے، تاکہ انسان کی مناسب ذہنی، دماغی اور روحانی نشوونما ہو سکے۔ نوجوان ہونے والی لڑکیوں اور لڑکوں کی غیر استعمال شدہ توانائی۔ عجب نہیں کہ نادیدہ دنیا کی ہستیوں کو کسی پراسرار رشتے کی بنا پر اپنی طرف کھینچ لیتی ہو۔ البتہ ہر آسیب زدہ کہلانے والی لڑکی، طلسماتی اور جناتی نہیں ہوتی۔ عام طور پر ہسٹریا اور تقسیم شخصیت کے کیس، آسیب زدگی کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں۔ عام طور سے جن لڑکیوں کے سر پر شیخ سدو یا اسی قسم کے کوئی نام نہاد بزرگ آتے اور طرح طرح کے تماشے دکھاتے ہیں۔ ان کا اعصابی نظام کمزور، دوران خون میں گڑبڑ، سوداویت کا غلبہ، ماہانہ اخراج خون کی خرابی اور ضعف ہضم کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ لڑکے اور لڑکیاں شدت جذبات کے جوالا مکھی اپنے اندر چھپائے پھرتی ہیں۔ ان کی شخصیت دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ شخصیت کا ایک حصہ وہ، جوان کے کچلے ہوئے، دبائے اور نفس کے اندر گھرے دبے ہوئے جذبات سے مرکب ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ وہ جس کا تعلق براہ راست عقل سلیم سے ہوتا ہے۔ عقل سلیم، جس سے وہ نارمل زندگی بسر کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی بیرونی تحریک (کوئی منظر، کوئی آواز)، کوئی پیام، کوئی ہیجا، کوئی محرک) سے اندرونی جذبات میں ہلچل برپا ہو جاتی ہے، یہ تمام جذبات سمٹ سمٹا کر ابلتے ہوئے، بپھرتے ہوئے طوفانی دھارے کی طرح دل و دماغ کی طرف بڑھتے ہیں اور آدمی آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ آسیب زدگی اسی کیفیت کو کہتے ہیں۔ اس کیفیت کے زیر اثر مریض ننگی ننگی گالیاں بکتا ہے، کپڑے پھاڑ دیتا ہے، بال نوچتا ہے، جھومتا ہے، رقص کرتا ہے، لڑتا ہے، جھگڑتا ہے اور ایسی عجیب و غریب حرکتیں ان سے سرزد ہوتی ہیں کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے مریضوں کو چراغوں کے سامنے بٹھایا جائے یا کسی چمک دار نقطے کی طرف پلکیں جھپکائے بغیر مسلسل تکتے رہنے کی ترغیب دی جائے تو ان پر آسانی سے استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ استغراق کی کیفیت کو تنویمی نیند کہتے ہیں، یہ کیفیت بڑی حیران کن کیفیت ہے۔ اس عالم میں معمول کے اندر غیر معمولی طاقتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ حال ہی میں سوویت یونین کی ریاست آذربائی جان کے پوسٹ گریجویٹ میڈیکل سینٹر ٹریننگ دی جائے (باکو) کی ایک رپورٹ نظر سے گزری ہے جو بے حد پراز معلومات ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ استغراق کی حالت میں انسانی ذہن اور جسم یکا یک کس طرح تبدیل ہو جاتا ہے۔

☆......☆......☆

عمل جراحی

اس انسٹی ٹیوٹ کے ڈاکٹروں کا بیان ہے تنویمی حالت میں مریض کے پیچیدہ سے پیچیدہ آپریشن کئے جا سکتے ہیں۔ مریض بستر خواب پر ساکت وصامت پڑا رہتا ہے۔ اس کی حس وحرکت ختم ہو جاتی ہے۔ آپریشن کے بعد زخموں کی تکلیف کا ذرا سا احساس بھی نہیں ہوتا، نقاہت نہیں ہوتی۔ مریض پر پانچ چھ مرتبہ تنویمی عمل کر دینا کافی ہے۔ اس کے بعد وہ بدترین عمل جراحی کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ آزربائی جان پوسٹ گریجویٹ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ ٹریننگ کے شعبہ عمل جراحی اور شعبہ تخدیر (بے ہوش کر دینے والی دواؤں کو استعمال کرنے والا شعبہ) کے نفسیاتی کلینک نے اس قسم کے پچیس مریضوں کا آپریشن نہایت کامیابی کے ساتھ کیا۔ قلب کی جراحی کے ماہرین اور نفسیاتی اور اعصابی امراض کے معالجین کے اشتراک عمل سے ان آپریشنوں کو کامیاب بنایا گیا۔ آپریشن کے بعد مریض پر خواہ مخواہ خوف و دہشت کا جو دورہ پڑتا ہے۔ اس کا علاج بھی تنویمی ترغیبات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ تنویمی علاج کے ایک کامیاب طریقہ علاج کو پروفیسر ج، عبدالائیف، ڈاکٹر آف میڈیکل سائنس، پروفیسر م، فیل اور غ، مانوف نے مشترکہ کوششوں سے پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے ان کی رائے میں قلب کا آپریشن ہو یا دماغ کا جگر پر عمل جراحی کیا جائے یا گردوں پر! سب سے بہتر طریقہ عمل تنویم کا استعمال ہے۔ تنویم کے ایک کیس میں گلے کے غدودوں کو نکالنے کا آپریشن مریض کو بے ہوش کئے بغیر (صرف بجشنر کی امداد سے) کیا گیا۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ترغیبات کے زیر اثر نہ صرف مریض کو تکلیف محسوس نہیں ہوئی بلکہ عمل جراحی میں خون بھی نہیں بہا۔ آپ اس چیز سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب استغراق کی حالت میں جسم کی اتنی صلاحیتیں اور طاقتیں بروئے کار آ جاتی ہیں تو حالت بے خودی میں نفس انسانی کے کرشمے کتنے عجیب و غریب ہو جاتے ہوں گے۔ جن کا مظہر بھی تو نفس انسانی سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

☆......☆......☆

سید جن

جناتی دورے کی کیفیت بھی ایک طرح کی تنویمی حالت ہی ہے۔ جس طرح ہپناٹزم کے زیر اثر معمول یا مریض کے تمام اعصاب اعضا اور دل و دماغ پر صرف ایک لفظ، ایک فقرہ، ایک حکم، ایک ترغیب اور ایک تلقین چھا جاتی ہے۔ اسی طرح آسیب یا جن کے زیر اثر معمول غیر شعوری طور پر کام کرتا ہے اور بے چارے کو خود بھی نہیں پتہ چلتا کہ اس دورے کی حالت میں اس نے کیا کیا کہا اور اس سے کیا کیا حرکات سرزد ہوئیں۔

سب رنگ ڈائجسٹ کے ایڈیٹر شکیل عادل زادہ لکھتے ہیں کہ:

والد (عادل ادیب مرحوم) کے انتقال کے بعد گھر میں تایا زاد بھائی کامل ہمارے ساتھ رہتے تھے۔ مشہور تھا کہ ان پر سید جن آتے ہیں (جن اور سید، اس کا جواب ہی نہیں) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کامل بھائی کی آنکھیں نیلی پیلی ہو جاتیں۔ مستانہ وار حرکات کرنے لگتے۔ برسات کی ایک شام کا ذکر ہے کہ گھر میں سب نے طے کیا کہ پوریاں پکائی جائیں۔ چنانچہ کڑھائی چڑھا دی گئی اور پوریاں تلنی شروع ہو گئیں۔ کامل صاحب کو کھانے اور پکانے کے معاملے میں خاص دخل ہے۔ اس مہم میں پیش پیش تھے۔ وہ بڑے انہماک سے پوریاں تلنے میں مصروف تھے کہ کیفیت بدل گئی۔ اتفاقاً، کفگیر (جس سے پوریاں تلی جا رہی تھیں) ادھر سے ادھر ہو گیا، ڈھونڈا نہ ملا، جب پوریاں تیل میں جلنے لگیں تو کامل صاحب نے بحالت استغراق انگلیاں تیل میں ڈال دیں اور اس روانی سے پوریاں تیل سے نکالنے لگے، جس طرح تنکے سے نکالتے۔ ہم سب حیران و ششدر رہ گئے۔ لیکن اماں نے ٹوکا کہ شور مت مچاؤ۔ سید صاحب (جن) موجود ہیں۔ دوسری شام کو ایسا ہوا کہ اندھیرا ہو چلا تھا کہ کامل بھائی نے یکا یک چیخنا شروع کر دیا، روشنی کرو، روشنی کرو، ہم نے اور زیادہ روشنی کر دی، مگر وہ برابر چیختے رہے کہ:

روشنی، روشنی، روشنی، روشنی

کامل بھائی کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں سے یکا یک نور غائب ہو گیا تھا۔ والدہ نے اسے بھی سید جن کی کرامت پر محمول کیا۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد یہ کیفیت دور ہو گئی اور انہیں سب کچھ نظر آنے لگا۔ میں نے ایک جنات کے عامل یا جنات کے معمول کو دیکھا کہ وہ اس حالت میں بالکل "جن" بن جاتا تھا۔ وہ انگلی سے اشارہ کرتا اور چیزیں ہوا میں معلق ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ وہ خود ہوا میں اڑتا ہوا نظر آیا، ممکن ہے۔ یہ فریب نگاہ ہو۔ یہ شخص کسی شخص کا علم، رومال، گھڑی یا اور کوئی چیز ہاتھ میں لے کر اس کی تمام اگلی پچھلی زندگی کے

سچے واقعات بیان کر دیتا۔ بیماروں کے لئے صحیح نسخے تجویز کرتا اور ان نسخوں سے فائدہ ہوتا۔ اس شخص پر ہمیشہ بے خودی کی سی کیفیت طاری رہتی۔ ان صاحب کا دعویٰ تھا کہ زعفر جن سے میرے تعلقات ہیں۔ واقعی اس شخص کی کیفیتیں اور حرکتیں عجیب سی تھیں۔ اس معاملے پر بہت کچھ غور کرنے، سوچنے اور تفکر و تامل کے بعد ذہن صرف اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ہر انسان کے دو وجود ہوتے ہیں۔ جسمانی وجود اور نورانی وجود (پیکر مثالی) یعنی گوشت پوست کا بدن اور لطیف ترین بدن! یہ دونوں وجود اس طرح ایک دوسرے سے ملے اور جڑے ہوئے ہیں۔ جس طرح جسم کے ساتھ سایہ! جسمانی وجود کے ساتھ لطیف جسم ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ یہ خاکی پیکر پر اس طرح ڈھکا ہوا ہے جس طرح غلاف ہو یا خول۔ بعض افراد میں قدرتی طور پر یا مشق و ریاضت سے یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ شعوری اور ارادی کوشش سے گوشت پوست کے بدن کو نورانی وجود (جسے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نسمے سے تعبیر کیا ہے) سے الگ کر لیں۔ موت کے بعد جسم کو زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے اور یہ پیکر لطیف (نسمہ) عالم انوار میں چلا جاتا ہے۔ عالم انوار۔ عالم مثال یا برزخ کیا ہے؟ کیا یہ کوئی بعید ترین نورانی دنیا ہے؟ جو اس کرہ ارض سے کروڑوں میل پر واقع ہے۔ جی نہیں۔ یہ عالم انوار، یہ روحانی ..... (ASTRAL WORLD) اسی کرہ ارض پر موجود ہے۔ ہم بیک وقت کرہ ارض اور عالم ارواح (برزخ) میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ البتہ اس دنیا کو اپنے حواس خمسہ کی مدد سے دریافت نہیں کر سکتے۔ اگر آپ الیکٹرانک دوربین کی مدد سے اس عبادت کا مطالعہ کریں تو آپ کو لفظوں اور حرفوں کی بجائے کروڑوں سیاہ نقطے تیزی کے ساتھ اچھلتے کودتے اور رقص کرتے نظر آئیں گے۔ آپ حیران رہ جائیں گے یہ کیسی امرو ہوی کی تحریر ہے یا رقصاں سیاہ نقطوں کی ایک دنیا؟ ہمارے پاس فی الحال وہ سائنسی دوربین نہیں، جن کی مدد سے ہم علم مثال کی مخلوقات، یعنی ارواح اور جنات کو دیکھ سکیں جو ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ بعض لوگوں کے دماغ (غدہ صنوبری یا پائی نیل گلینڈ) میں یہ پراسرار دوربین موجود ہوتی ہے اور وہ عالم غیب کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ جنات کے معمول میں کسی نہ کسی وقت طاقت بیدار ہو جاتی ہے۔ ہر شخص کا جسمانی وجود اور اس کا نورانی وجود مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ اور چسپاں ہوتا ہے۔ ان دونوں میں جتنی دلچسپی اور وابستگی ہوگی، انسان کی نفسیاتی اور اعصابی شخصیت اتنی ہی مضبوط و مستحکم ہوگی۔ البتہ بعض لوگوں کے دونوں وجودوں (جسم خاکی، جسم مثالی) کے درمیان ایک ڈھیلا ڈھالا سا تعلق ہوتا ہے اور بس! یہ تعلق اور رشتہ جس قدر ڈھیلا ڈھالا ہوگا۔ انسان اسی حد تک ''ایب نارمل'' یا ''سپر نارمل'' ہوگا۔ جنات کے عامل اور معمول دونوں اسی خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں۔ یعنی ان کا جسم مثالی زیادہ فعال، سرگرم اور چست ہوتا ہے، جناتی دورہ درحقیقت جسم مثالی پر وارد ہوتا ہے..... جسم خاکی تو صرف اس کے اظہار کا ذریعہ ہے۔

☆.....☆.....☆

خون آلود انگلیاں

سکندر حیات لکھتے ہیں کہ:

ہمارے گاؤں کی ایک عورت جوانی میں بیوہ ہوگئی تھی۔ دس سال کا ایک بچہ اس کی کل پونجی تھا۔ یہ بچہ ایک دن کھیل کھیل میں کھرپے سے زمین کھود رہا تھا۔ زمین کھودتے ہوئے اچانک خون ابل پڑا۔ اس نے دیکھا کہ انسانی انگلیوں سے مشابہ تین انگلیاں کٹی پڑی ہیں۔ بچہ دہشت سے بھاگ کھڑا ہوا، ماں سے یہ واقعہ بیان کیا اور لوگ جمع ہوگئے۔ سب نے دیکھا کہ لال رنگ کی تین انگلیاں کٹی پڑی تھیں۔ عجیب بات یہ کہ ان انگلیوں پر بال بھی تھے۔ خیر لوگوں نے وہ خود آلود انگلیاں خاک میں دبا دیں۔ بچے کو اسی وقت بخار ہوگیا اور بڑھتا چلا گیا۔ ماں بچے کو لے کر سوگئی، آدھی رات کے قریب بچے کے رونے کی آواز آتی تو ماں کی آنکھ کھلی، دیکھا بچہ پلنگ پر نہیں۔ پاس ہی اپلوں کی کوٹھری تھی، بچہ اپلوں پر پڑا ہوا تھا۔ ماں دوڑی دوڑی گئی۔ بچے کو اٹھایا، اٹھایا ہی تھا کہ دھم سے کوئی چیز ماں پر کود پڑی۔ ماں بچے کو لے کر تیزی سے بھاگی کہ ایک خوفناک آواز آئی کہ اس نے میری انگلیاں کاٹی ہیں۔ میں اسے ساتھ ہی لے کر جاؤں گا۔ عورت نے شور مچایا، لوگ جمع ہوگئے، بچے کو دیکھا تو مر چکا تھا۔ بچے کی اس ناگہانی خوفناک موت سے ماں پاگل سودائی ہوگئی، نہ کھانے کا ہوش نہ تن ڈھانپنے کی پروا!...... پاگل ماں دن بھر ویرانوں میں گھومتی رہتی تھی۔ اس جنون کے عالم میں ایک سال گزر گیا، ایک روز کا واقعہ ہے کہ دکھیاری ماں گاؤں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر، پاگل پن کی حالت میں گھوم رہی تھی اس نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا، دیکھا کہ اس کا بچہ جو ایک سال پہلے مر چکا تھا، سامنے میدان میں بکریاں چرا رہا ہے، پگلی یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی اور پھر ممتا کے جوش میں دوڑ کر بچے کو گلے لگا لیا، بچہ ماں ماں کہہ کر چمٹ گیا۔ بچے کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ دکھیا ماں نے بچے سے کہا کہ آؤ میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں۔ بچے نے ڈر کر جواب دیا کہ نہیں! ماں! وہ نہیں جانے دیں گے۔ میں ہر روز یہیں آتا ہوں، تم مجھ سے یہیں آ کر مل لیا کرو۔ خیر بچے سے مل کر وہ عورت گاؤں میں آئی اور اس نے گاؤں والوں کو یہ ماجرا سنایا۔ مگر کسی کو یقین نہ آیا، سب نے یہ سمجھا کہ یہ معمول ہوگیا تھا کہ ہر روز کوئی اچھی سی چیز پکا کر لے جاتی۔ بچے کے ساتھ رہتی اور شام کو واپس آجاتی۔ اب لوگوں کو شبہ پیدا ہوا، گاؤں کا ایک آدمی پگلی عورت کے ساتھ ہولیا۔ اس نے دیکھا کہ واقعی اس کا بچہ (جو سال بھر پہلے مر کر دفنایا جا چکا تھا) زنجیریں پہنے بکریاں چرا رہا ہے۔ وہ گاؤں والا ڈر کر الٹے پاؤں لوٹ آیا۔ اب وہ عورت بالکل ٹھیک ٹھاک ہو چکی تھی۔ لوگوں سے ہنستی بولتی۔ گھر کا کام کاج کرتی۔ ایک روز عورت کو جوش آ گیا، بچے سے کہنے لگی کہ آج میں تجھے ضرور گھر لے جاؤں گی۔ بچے نے پھر وہی جواب دیا کہ ماں! وہ تجھے نہیں لے جانے دیں گے۔

لیکن ماں کو صبر کہاں؟ اس نے بچے کو اٹھا کر کندھوں پر بٹھالیا اور گھر کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی دور گئی ہو گی کہ کندھوں پر زبردست بوجھ محسوس ہوا بوجھ کی تاب نہ لاکر غریب گر پڑی، دیکھا تو ایک خوفناک بلا بچے کو گھسیٹے لئے جا رہی ہے۔ ماں صدمے اور خوف سے بے ہوش ہوگئی، اس کے بعد وہ نہ بچہ کہیں نظر آیا، نہ ماں زندہ بچی۔ اس واقعے کے سلسلے میں سکندر حیات نے میری رائے دریافت کی ہے۔ میں سکندر حیات کو کیا رائے دے سکتا ہوں۔ واقعے کے راوی وہ خود ہیں، سب سے پہلے انہیں اپنی رائے دینا چاہئے کہ وہ اس واقعے کو صحیح سمجھتے ہیں یا غلط؟ یہ واقعہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ بچے کی موت پر ختم ہو جاتا ہے، یعنی زمین کھودتے ہوئے تین سیاہ رنگ کی خون آلود انگلیاں زمین سے برآمد ہوئیں، بچے کو بخار آیا اور وہ مر گیا۔ سکندر حیات نے لکھا ہے کہ وہ انگلیاں بہت سے لوگوں نے دیکھیں۔ یہ انسانی انگلیوں سے مشابہ تھیں اور ان پر سنہری بال تھے۔ خیر اس حد تک سکندر حیات کی ذمہ داری پر میں اس واقعے کو تسلیم کئے لیتا ہوں۔ جہاں تک اس واقعے کے دوسرے حصے کا تعلق ہے (مردہ بچے کا زندہ ہو کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے بکریاں چرانا) تو اس کی راوی صرف ایک پاگل عورت ہے۔ پھر ایک گاؤں والے نے بھی اس بیان کی تصدیق کی، لیکن یہ دونوں شہادتیں قابل قبول نہیں۔ پاگل عورت دمرد خیالی شکلیں دیکھتے ہیں اور انہیں حقیقی سمجھ لیتے ہیں، یہ روزمرہ کا تجربہ ہے۔ ماں اپنے بچے کے غم میں پاگل ہوگئی تھی۔ عجب نہیں کہ شدت تصور کے سبب اسے بچہ نظر آنے لگا ہو۔ تخیل اور تصور میں بڑی قوت ہے۔ خصوصیت کے ساتھ دیوانے کا تصور تو بڑا عجیب اور نہایت قوی ہوتا ہے۔ دیوانہ آدمی جو تصور کرے وہ مجسم ہو کر سامنے آجائے گا۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ پاگل عورت نے بکریاں چراتے ہوئے جس پابہ زنجیر لڑکے کو دیکھا، یا تو وہ سارا نظارہ خیالی تھا یا کسی دوسرے گاؤں کا بچہ بکریاں چرا رہا تھا۔ دکھیاں ماں نے اسے اپنا بیٹا تصور کر لیا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ لڑکا اس کا ہم شکل ہو۔ جہاں تک پاؤں میں زنجیروں کا تعلق ہے تو اگر غمزدہ بے قرار ماں کو مرا ہوا بچہ بکریاں چراتے نظر آسکتا ہے تو اس کے پاؤں میں زنجیریں کیوں نظر نہیں آسکتیں، اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ بھینس بین بجا سکتی ہے تو یہ بھی فرض کر لیں کہ وہ ہوا میں اڑ سکتی ہے۔ اگر ایک خلاف عقل بات تسلیم کر لی جائے تو دوسری خلاف عقل بات کو بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ہم سکندر حیات صاحب کے بیان کردہ کیس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ نہ تردید! واللہ عالم کیا معاملہ تھا؟ کس طرح پیش آیا اور کیوں پیش آیا؟

☆......☆......☆

سیاہ بلیاں

ذاکر اجمیری بہت اچھے شاعر، قلم کار، خطاط اور خوش نویس تھے۔فن شعر میں مجھ سے اصلاح لیتے تھے، قیام حیدرآباد میں تھا۔ حال ہی میں بعارضہ تپ دق ان کا انتقال ہوا ہے۔ 1972ء میں میرے دو بہترین شاگرد، طاہر صلاح الدین (ستمبر کے پہلے ہفتہ میں ڈیرہ اسماعیل خان میں رحلت پائی کئی سال تپ دق کے جان لیوا مرض میں مبتلا تھے)۔ان للہ وانا الیہ راجعون۔ذیل جوانمرگ ذاکر اجمیری کا ایک خط ملاحظہ فرمایئے:

کراچی چھوڑے ہوئے ایک سال ہونے کو آیا۔ایک مرتبہ پھر اسی الجھن میں مبتلا ہوں۔جس سے ہر سال دوچار ہونا پڑتا تھا۔ تقریباً ایک ہفتہ سے سیاہ رنگ کی بلیوں نے بازار سے گھر تک ساتھ دینا شروع کر دیا ہے۔یہ بلیاں کھانا کھاتے وقت میرے سامنے بیٹھی رہتی ہیں۔لاکھ لقمہ پھینکتا ہوں، مطلق منہ نہیں لگاتیں۔بلکہ مسلسل گھورے جاتی ہیں۔میں نے ان کی نگاہوں کا مفہوم پڑھنے کی بے حد کوشش کی ناکام رہا۔ان کی نگاہوں میں نہ حیرت ہوتی ہے، نہ غصہ! ایسا لگتا ہے کہ کسی ان دیکھی طاقت نے انہیں میری نگرانی پر مامور کر دیا ہے۔ اکثر آنکھ کھلنے پر دیکھتا ہوں کہ یہ بلیاں پلنگ کے نیچے اس طرح چکر لگا رہی ہیں جیسے پہرے پر ہوں۔استاد محترم! یہ بلیاں نہ میری محبت کا جواب دیتی ہیں، نہ نفرت وحقارت کا! بس اک پر اسرار انداز میں آنکھوں کے اندر آنکھیں ڈالے دیکھتی رہتی ہیں۔آپ کو یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کو اپنی اس کیفیت سے آگاہ کیا تھا تو دوسری ہدایتوں کے علاوہ آپ نے یہ ہدایت بھی کی تھی کہ بلیوں کے اس طلسم ہوشربا کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے۔سیاہ بلیوں کے اس ہنگامے کے ساتھ ایک اور کیفیت سے بھی دوچار رہوں۔چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سوچی کائنات عطر میں بسی خود عطروں، نگہتوں اور شمیموں میں ڈوبا ہوا ہوں۔جسم سونگھتا ہوں، کپڑے سونگھتا ہوں۔مگر یہ خوشبو نہ جسم سے آتی ہے، نہ لباس سے! نہ جانے کہاں سے آتی ہے؟ استاد محترم! مجھے صاف سنائی دیتا ہے کہ میرا نام لے کر پکارا جا رہا ہے۔پچھلے دنوں سے مجھے "افغانی شہزادے" کے نام سے پکارا جا رہا ہے۔واضح رہے کہ میرا نسب افغانستان کے شاہی خاندان تک پہنچتا ہے۔میں نے بھی اس پکار کو جواب نہیں دیا۔

یہ فقط شورش ہوا تو نہیں
کوئی مجھ کو پکارتا تو نہیں

رات کی تاریکی میں انجانی آوازیں آتی ہیں۔

ذاکر! ذاکر! افغانی شہزادے!

استاد محترم! یہ کتنی ناقابل یقین حقیقت ہے کہ میں جو سخت بزدل واقع ہوا ہوں اور اس قسم کی چیزوں سے سدا ڈرتا ہوں۔ ان واقعات سے قطعاً خوفزدہ نہیں ہوتا، بلکہ اپنے آپ کو بہادر اور توانا محسوس کرتا ہوں، کیا یہ عجیب بات نہیں۔ جب تک یہ بلیاں میرے ساتھ رہتی ہیں، میں ناگہانی حوادث سے اس طرح بچ جاتا ہوں کہ حیرت ہوتی ہے۔ جس طرح مخفی قوتیں میری نگرانی کر رہی ہیں، کل میرا رکشا ایک جیپ سے اس طرح ٹکرایا کہ رکشا کھینچنے والا بے ہوش ہو کر گر پڑا مگر مجھے خراش تک نہ آئی۔ بیداری میں یہ حالت اور نیند میں یہ صورت کہ سچے خواب نظر آتے ہیں۔ خواب کی حالت میں جو گفتگو ہوتی ہے، جاگنے کے بعد لفظ بہ لفظ وہی گفتگو سنتا ہوں۔ بحالت خواب دیکھتا ہوں کہ فلاں شخص ملیریا میں مبتلا ہے۔ صبح جاگنے کے بعد تصدیق ہوگئی۔ خواب میں ایک عزیزہ کی بیماری اور موت کا واقعہ دیکھا۔ ہو بہو ویسا ہی تھا وہی پیش آیا۔ خواب میں دیکھا، ایک صاحب انڈیا سے آئے ہیں۔ صبح گھر پر موجود، وہی کپڑے، وہی جوتا، وہی تھیلا، وہی صندوق، بحالت خواب نظر آیا کہ دو آدمیوں میں برف کے لین دین پر جھگڑا ہو گیا ہے اور برف والے نے برف توڑنے والی ہتھوڑی گاہک کے پیٹ میں مار کر اسے شدید زخمی کر دیا۔ دوسرے روز بیداری میں یہی واقعہ پیش آیا۔

استاد محترم یہ سب کیا ہے۔ کیوں ہے؟

جنات کی روایات میں سیاہ بلیوں کا ذکر بار بار کیا جاتا ہے۔ ہماری طرف عام خیال یہ ہے کہ جنات سیاہ بلیوں کا روپ بھی دھار لیتے ہیں۔ بعض سانپ بھی جن گرفتہ ہوتے ہیں۔ ابلیس جنات کا ابوالاباء ہے۔ اسرائیلی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ وہ سانپ ہی تھا، جس نے جنت میں حوا تک شیطان کا پیام ضلالت پہنچایا تھا۔ ذاکر اجمیری مرحوم کو یقین تھا کہ سیاہ بلیوں کے روپ میں جن ان سے ملاقات کرتے ہیں۔

☆......☆......☆

ایک فلسفی کی شہادت

مشہور مفکر اور فلسفی سی، ای، ایم، جوڈ اپنی تصنیف کا افکار حاضرہ میں اسی قسم کے مناظر اور مظاہر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
جنات کے کرتوت اور ان کی شرارتیں وہ مظاہرے ہیں جنہیں سفلی روحوں یا زمین و ہوا کے موکلوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ مظاہر کسی ظاہری سبب کے بغیر نمودار ہوتے ہیں۔ مثلاً چھوٹی موٹی چیزوں کا خود بخود حرکت کرنا۔ بعض اوقات تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ توجہ ہٹانے، منہ چڑانے، نقلیں اتارنے، مذاق اڑانے یا برہم کردینے کے لئے کیا جارہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ جنوں کی شرارت کے سبب ہورہا ہے۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کسی نئے مکان کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے زمین کی نیو کھودی جاتی ہے، تو کبھی کبھی اس قسم کے واقعات کا طوفان برپا ہوجاتا ہے۔ دروازے اور الماریاں خود بخود کھلتی اور بند ہوجاتی ہیں۔ پانی کے لوٹے خود بخود الٹ جاتے ہیں۔ یکا یک گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ نادیدہ ہاتھ بچوں کے بال کھینچتے ہیں۔ پروفیسر جوڈ نے لکھا ہے کہ عام طور پر جناتی واقعات دور دراز علاقوں میں پیش آتے ہیں۔ اس لئے ان کی سائنسی تحقیق ممکن نہیں، لہٰذا غیر محتاط راویوں کے بیانات پر تکیہ کرنا پڑتا ہے۔ البتہ چند سال پہلے ایک ایسا موقع ملا کہ پابند حالات (جو سائنسی تجربے کے لئے ضروری ہے) اور باضابطہ نگرانی میں ایک جن گرفتہ لڑکی کا معائنہ کیا گیا رومانیہ کے ایک کسان کی لڑکی ایلیوناز جنات کے اثر میں آگئی۔ ہوتا یہ تھا کہ اس کے چہرے، بازوؤں یا پیروں پر دانتوں کے نشان یا نیل پڑجاتے اور اس کا کوئی سبب نظر نہ آتا۔ جب ایلیوناز سے پوچھا جاتا تو وہ انہیں کسی جن کی کارستانی قرار دیتی۔ پھر اسی زمانے میں حسب ذیل واقعے کا مشاہدہ کیا گیا۔ کمرے کی چھت سے ایک آدھ انچ نیچے چاروں طرف دیواروں پر تختے جڑے ہوئے تھے۔ جن پر دھات کے بنے ہوئے حروف تہجی اور سکے رکھے ہوتے۔ جو خود بخود اچھل کر زمین پر گر پڑتے، نشان زدہ سکے میز کی درازوں سے گم ہوجاتے اور لوگوں کی جیب سے نکلتے۔ ایلیوناز کبھی کبھی چیختی کہ جنات مجھ پر حملہ کررہے ہیں اور فوراً اس کے بازوؤں پر زخم سے ابھر آتے۔

☆......☆......☆

نادیدہ مخلوق

نادیدہ مخلوق (خواہ جنات ہوں یا پری زاد یا آسیب) کی سب سے زیادہ علمی تحقیق ایف ڈبلیو ایچ مائرس کی ہے جو انگلستان میں روحی مظاہر اور سپر نارمل واقعات کی چھان بین کرنے والے ادارے (S.P.R) کے بانیوں میں شامل تھے، مائرس کا بیان یہ ہے کہ اس قسم کے حیرت انگیز واقعات ان ہستیوں کے اشارے سے پیش آتے ہیں، جو ہم سے مختلف وجود رکھتے ہیں، ممکن ہے کہ وہ شعور برتر (HIGHER INTELLGENCES) کی بھی مالک ہوں۔ ممتاز سائنس داں اور روحی تحقیقات کے ماہر سر آلیو لاج نے ایف ایچ مائرس کے نقطہ نظر ان کو لفظوں میں بیان کیا ہے کہ:

یہ عجیب و غریب مظاہر مائرس کے لئے ذرا بھی حیرت انگیز نہ تھے، کیونکہ اس نے کائنات کا جو نقشہ بنایا تھا۔ اس کے فریم میں یہ تمام مظاہر اور واقعات با آسانی فٹ ہو جاتے تھے۔ وہ اس وسیع تر نظام فلسفہ کا ایک بنیادی جزو تھے۔ سر الیور لاج کے بیان کی تشریح یہ ہے کہ مائرس، نادیدہ مخلوق کے وجود پر یقین رکھتا تھا۔ اس نے عالم غیب اور علم ارواح کا ایک قیاسی نقشہ بنا کر رکھا تھا اور جب بھی اس قسم کا کوئی واقعہ مائرس کی نظر سے گزرتا وہ اس کی تشریح اپنے فلسفہ کائنات کی روشنی میں کر لیتا۔ اس طرح مائرس کو کسی نظریاتی الجھن کا مقابلہ نہ کرنا پڑا۔ دوسرے تمام سائنس داں (جنھوں نے ان مظاہر کی چھان بین میں حصہ لیا تھا) جس میں الجھ کر رہ گئے۔ مائرس فقط حیات بعد الممات (زندگی پس از مرگ) ہی کا معتقد نہ تھا۔ بلکہ ایسی مخلوقات کے وجود کو بھی مانتا تھا جو ترکیب و ساخت کے لحاظ سے انسان سے مختلف ہو۔ سی ایم جوڈ نے نادیدہ مخلوقات کے وجود اور ان کے ظہور پر بحث کرتے ہوئے مشہور سائنس داں سر جیمس جینس (پراسرار کائنات کے مصنف) کے نظریات پر بحث کی ہے۔ سر جیمس جینس کائنات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ عین ممکن ہے کہ خلا میں ایسے سیارے موجود ہوں۔ جہاں زندگی (دوسری شکل ہی میں سہی) کے رونما ہونے کا امکان ہو۔ مشہور یہ ہے کہ جن چاند کے غاروں اور مریخ کے میدان میں رہتے ہیں۔ چاند پر حضرت انسان چہل قدمی کر چکے ہیں وہاں کسی جن، پری یا دیو کا نقش قدم نظر آتا یہی حال مریخ کا ہے، مریخ کا چپہ چپہ ہماری دوربینوں کی زد میں ہے۔ مریخ پر آبادی کا بعید تر امکان بھی موجود نہیں۔ یہی حال زہرہ، مشتری اور اس نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کا ہے۔ ہم اس مکان کو قطعاً مسترد کر سکتے ہیں کہ اس نظام شمسی میں کرہ ارض کے علاوہ کسی اور کرے پر زندگی کا امکان یا زندہ مخلوقات پائی جا سکتی ہے۔ البتہ ممکن ہے کائنات کے بعید ترین گوشوں میں ایسے سیارے یا ستارے موجود ہیں، جن میں ''جن'' جیسی مخلوق آباد ہو۔

☆......☆......☆

لحیم شحیم حسینہ

اردو کے مشہور ناول ''امراؤ جان ادا'' کے مصنف مرزا محمد ہادی رسوا کے پوتے مرزا محمد عسکری (ہیلتھ ڈپارٹمنٹ حیدرآباد، سندھ) کا بیان ہے کہ میرے دادا مرحوم (مرزا ہادی رسوا) کے انتقال کے بعد میرے چچا آغا علی مرحوم نے مجھے گھر سے الگ کر دیا۔ اور میں اپنا گزارہ بچوں کا مکتب پڑھا کر کرنے لگا۔ 1934ء میں حیدرآباد دکن کے محلہ سید جنگ کی گلی میں دس روپے ماہانہ پر دومنزلہ مکان کرائے پر لیا۔ اس مکان کے بارے میں عجیب وغریب روایتیں مشہور تھیں۔ مگر میں ان کا قائل نہ تھا۔ پھر میں پنج وقتہ نمازی، یاسین شریف کا وظیفہ خواں باطہارت عبادت کا عادی تھا۔ غرض اس مکان میں فروکش ہوا۔ اجنبی اور ویران مکان، پھر یہ وحشت وتنہائی: کوئی بارہ بجے شب کے قریب ایسا محسوس ہوا کہ کمرے میں کچھ انجانے ان دیکھے لوگ ادھر ادھر چل رہے ہیں۔ میں نے دعائیں پڑھ کر چادر منہ پر ڈال لی، کچھ دیر کے بعد کسی پراسرار ہستی نے قریب آ کر زور زور سے سانس لینا شروع کی۔ صبح لوگ مجھے زندہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دوسرے روز میں نے سونے کا کمرہ بدل دیا۔ خواب میں ایک لحیم شحیم حسینہ تشریف لائیں اور آ کر پلنگ پر بیٹھ گئیں۔ خواب ہی میں خیال آیا کہ یہ مالک مکان کی صاحبزادی ہیں۔ میں نے بدنامی کے خیال سے ان سے الگ بیٹھنے کو کہا۔ یکا یک مجھے اپنے سینے پر کافی وزن محسوس ہوا، جیسے کوئی بری طرح دبا رہا ہے۔ فوراً آنکھ کھل گئی، سارا جسم شل اور میں ناپاکی کے عالم میں تھا، فوراً اٹھ کر حمام گیا۔ نماز پڑھی اور ورد وظائف میں مشغول ہو گیا۔ تیسرے روز جب بچوں کو تعلیم دے کر مکان میں داخل ہوا۔ زینے پر اندھیرا تھا، پھر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی روشنی ساتھ ساتھ چل رہی ہے، گھبراہٹ تو ہوئی، تاہم دل کو مضبوط کر کے میں نے اس روشنی سے کہا کہ شکریہ! ان ڈرا دینے والے واقعات کے زمانے میں چونکہ میری قوت ارادی برقرار رہی اور اپنے کام میں لگا رہا۔ اس لئے کوئی نقصان نہ پہنچ سکا (تھڑدلے لوگ ایسے حالات میں کبھی کبھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں) اب آرام سے زندگی گزرنے لگی تاہم کبھی کبھی پراسرار آوازیں آتی تھیں کہ تم اس مکان کو خالی کر دو، یہاں سے چلے جاؤ ورنہ پچھتاؤ گے! میں ترکی بہ ترکی جواب دیتا کہ کیوں چلے جائیں، ہم اس مکان میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہتے ہیں، دس روپے مہینہ ادا کرتے ہیں۔ حد سے حد یہ ہوتا ہے کہ کسی نے سوتے میں پاؤں کا انگوٹھا پکڑ لیا...... زبردستی بستر سے اٹھا دیا، یا کوئی انجان وجود قریب آ کر زور زور سے سانس لینے لگا یا پھر سینے پر غیر معمولی دباؤ بڑھ گیا۔ جسے آپ کابوس بھی کہہ سکتے ہیں، کبھی کنڈی کھٹکھٹانے کی آواز آئی، کبھی کوئی میرا نام لے کر پکارتا، مگر اب میں ان شتر غمزوں کا عادی ہو گیا تھا۔ ایک رات کوئی عورت اپنے دس سالہ بچے کو لے کر میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ یہ بچہ جنازے کے ساتھ قبرستان گیا تھا، وہاں سے واپس آ کر بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ میں نے حصار کھینچ

کراس لڑکے کو بٹھایا اور لوبان سلگا کر سورہ جن کی تلاوت شروع کردی۔ لڑکے کے بال پکڑ لئے اور برابر اس پر پھونکتا رہا، لڑکا فوراً جھومنے اور سر سے کھیلنے لگا۔ مجھے چھوڑ دو، میں اب کبھی نہیں آؤں گا۔ بچے کے منہ میں جاگ بھر گئے، آنکھیں جذبہ انگیز اور چہرے میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ پہلا موقع تھا کہ میں نے کسی روح کو کسی اجنبی جسم پر قابض ہوتے دیکھا، اس نے اپنا نام "بدلو" بتایا۔ اس مکان میں جو روحیں یا جنات رہتے تھے۔ وہ مجھے نامعلوم کی خبریں بھی دیا کرتے تھے، بعد کو ان کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ مثلاً مجھے بتایا گیا کہ تمہارے استاد حادثے کا شکار اور کچل کر مر گئے۔ میں نے اسے جھوٹ پر محمول کیا۔ ان کے گھر جا کر دیکھا تو واقعی "ایکسیڈنٹ" میں ہلاک ہو چکے تھے۔

ایم حسن (نوشہرہ) رقم طراز ہیں کہ ہمارے گاؤں میں ایک لڑکی پر جنات کا اثر ہے، ان تو ہمات پر یقین نہیں رکھتا۔ لیکن اس لڑکی کی عجیب وغریب حرکات دیکھ کر سوچ رہا ہوں کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لڑکی کی مادری زبان پشتو ہے، مگر جب اسے جناتی دورہ پڑتا ہے تو وہ اردو بولنے لگتی ہے۔ حالانکہ گاؤں میں چند لوگ اردو بول چال سمجھ سکتے ہیں۔ چنانچہ جب اس لڑکی پر جن آتے ہیں تو سوال جواب کے لئے مجھے طلب کیا جاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ اردو دلی والوں کی طرح ٹکسالی اور بامحارہ ہوتی ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ پچھلے ہفتہ سے کچھ نہیں کھا رہی صرف نمکین پانی پر گزارہ کر رہی ہے۔ دن رات میں کسی وقت ٹائم پوچھا جاتا ہے تو آنکھیں بند کئے کئے صحیح وقت بتا دیتی ہے۔ زمین پر بیٹھ کر بچوں کی طرح کھیلتی ہے۔ ایک روز جب لڑکی کو زمین سے اٹھا کر پلنگ کی طرف لے چلے تو دیکھا کہ وہ کچھ کھا رہی ہے، منہ کھولا تو اس کے منہ میں چینی تھی۔ حیران کہ منہ میں کہاں سے آئی؟

☆......☆......☆

عاشق جن

خالق واداصاحب (ہزارہ سے) لکھتے ہیں کہ میری لڑکی جنوری سے بیمار ہے۔ابتدا میں دل کے دورے پڑتے تھے، علاج کرایا گیا، افاقہ نہ ہوا۔خیال آیا کہ اعصابی کمزوری ہے۔دماغ کا ایکسرے کیا گیا تو کوئی نقص ظاہر نہ ہوا۔جولائی میں چار چار پانچ پانچ گھنٹے تک بے ہوشی طاری رہنے لگی۔آخر ایک روز مریضہ نے دورے کے عالم میں بتایا کہ میرا نام تیکل ہے اور میں سلیم کی لڑکی ہوں۔جب تیکل سے پوچھا گیا کہ تم اس لڑکی پر کیوں آتی ہو؟ تو اس نے کہا کہ مجھے اس سے محبت ہے، میں اسے نہیں چھوڑ سکتی، مجھے اس کی صفائی کی عادت بہت پسند ہے، یہ سفید کپڑے پہنتی ہے۔میں اسے کوئی تکلیف نہیں دوں گی۔جب یہ دھمکی دی گئی کہ اگر مریضہ کا پیچھا نہ چھوڑے گی تو تجھے جلادیا جائے گا، تو تیکل نے قسم کھا کر کہا کہ اب میں کبھی نہیں آؤں گی۔خالق داداصاحب لکھتے ہیں کہ اس روز سے تیکل تو نہیں آئی، مگر مریضہ کی بے ہوشی بدستور جاری ہے۔

☆......☆......☆

مولانا شیت اور جنات

مشہور ممتاز قومی کارکن جناب عبدالحئی عباسی (بی، اے، ایل، ایل، بی) ایڈووکیٹ، سکھر سے لکھتے ہیں کہ:

''بھوت پریت اور سائنس'' کے زیر عنوان میرے دوست رئیس امروہوی ایک سلسلہ مضامین لکھ رہے ہیں جس کا میں بہ شوق مطالعہ کرتا ہوں روزنامہ ''جنگ'' کراچی، میں میرے شفیق دوست ڈاکٹر الٰہی علوی کا مضمون ''جادو اور سفلی عملیات'' پر شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں جادو سیکھنے اور دکھانے کو گناہ بتلایا ہے۔ رئیس امروہوی صاحب کسی کو جادو نہیں سکھلا رہے، چند واقعات اور کیفیات کو بیان کر رہے ہیں۔ جو بہت سے لوگوں کے تجربے میں آئی ہیں۔ مسلمانوں کو جنوں اور فرشتوں کے حالات سے آگاہ کیا گیا ہے۔ سورہ جن میں آدمیوں اور جنوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ:

تم (انسان اور جن) اپنے پالنے والے کی کس کس نعمت کو ٹھکراؤ گے''۔

یا ''ہم نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے''۔ خود میرے علم میں جنات کے بہت سے واقعات ہیں۔ مولانا ابوبکر محمد شیت مرحوم ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام سے کون واقف نہیں (پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم پر جو مضمون لکھا ہے۔ وہ پڑھنے کی چیز ہے) آپ کا محلہ فضیانہ جون پور میں تھا۔ اس مکان میں جن رہتے تھے۔ انہوں نے یہ حالت کر رکھی تھی کہ مولانا کی شیروانی کھونٹی پر لٹک رہی ہے۔ یکا یک دیکھا کہ شیروانی خود بخود کھونٹی کے اندر گھسی چلی جا رہی ہے۔ ہم سب بچے یہ تماشا دیکھ کر ڈر گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ بچوں کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔ بس کر، مولانا کے فرماتے ہی یہ تماشا ختم ہو گیا۔ یا کسی دن رساول (گنے کے رس میں چاول) پک رہا ہے۔ دیگچی اتاری تو اس میں دیکھا کہ کیڑے بج بج کر رہے ہیں، کبھی چائے کے برتن خود بخود ٹوٹ جاتے، کبھی روشنی ہو جاتی، سب لوگ سو رہے ہیں اور چھت پر سے سینکڑوں لوگوں کے رونے اور چیخنے کی آوازیں چلی آ رہی ہیں۔ دائرہ شاہ اجمل'' الہ آباد میں مشہور خانقاہ ہے۔ جس کے پھاٹک کے بالا خانے پر اردو کے مشہور استاد ''ناسخ'' رہتے تھے۔ وہی ناسخ

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

حضرت شاہ غلام اعظم انہیں استاد ناسخ کے شاگرد اور جید عالم تھے۔ قرآن وحدیث کا درس بھی دیتے تھے۔ مشہور ہے کہ ان کے حلقہ درس میں جن بھی شریک ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ طلبہ گفتگو کر رہے تھے کہ اس وقت قندھار کے انار اور کشمیر کے سیب کھانے کو

مل جاتے تو مزہ آ جاتا۔ ایک طالب علم مولا بخش نامی استاد ناسخ کے شاگرد حضرت شاہ غلام اعظم کے شاگردوں میں شامل تھا۔ اس نے طلبہ کی یہ گفتگو سن کر ہاتھ بلند کیا اور آن کے آن میں قندھار کے انار اور سیب لا کر رکھ دیئے۔ لڑکے یہ دیکھ کر خوف سے چیخ پڑے۔ حضرت شاہ غلام اعظم کو اس واقعے کا علم ہوا تو ڈانٹ کر مولا بخش سے کہا کہ کل سے درس میں نہ آنا۔ بچوں کے سامنے ایسی حرکتیں کرتے ہو۔ یہ واقعہ تو پرانے زمانے کا ہے، ہمارا تجربہ یہ ہے کہ خانقاہ کے صحن میں بیٹھے ہیں اور چھت سے خوش الحانی کے ساتھ قرآن خوانی کی آواز چلی آ رہی ہے۔

عباسی صاحب نے جنات کے جو واقعات نقل کئے ہیں وہ بہت سے حضرات کے تجربے میں آئے۔ ہم نے اپنے خاندان کے بزرگوں اباجی، سید نفیس حسن، تایا سید انیس حسن، تایا سید وحید حسن، والد ماجد علامہ سید شفیق حسن مرحومین، چچا سید غنی حسن مرحوم، نانا سید جرار حسن مرحوم اور دوسرے حضرات سے جنات کے بے شمار واقعے سنے ہیں۔ مجھے تو ان راویوں کی شہادت پر شبہ نہیں۔ آپ کو حق ہے کہ ان بیانات کو تسلیم کریں یا نہ کریں۔ جہاں تک حضرت شاہ غلام اعظم، اور مولا بخش جن کے واقعے کا تعلق ہے تو یہ واقعہ طرح طرح سے سننے میں آیا ہے۔ جوش ملیح آبادی کی زبانی بھی اسی قسم کا ایک واقعہ سنا گیا ہے، وہ خود اس کے چشم دید راوی ہیں۔ دیوان سنگھ مفتون نے بھی ''ناقابل فراموش'' (آپ بیتی) میں اپنا اسی قسم کا تجربہ بیان کیا ہے۔

اب تک آپ نے جن اور جنات کے کرشموں، کارفرمائیوں اور شعبدہ بازیوں کے بارے میں مختلف افراد کے مختصر سے بیانات سنے، بہتر یہ ہے کہ ہم کسی جن گرفتہ (آسیب زدہ) لڑکی کے مفصل خودنوشت تجربات پڑھیں۔

☆......☆......☆

جناتی تاثرات

شمیم صدیقی (اپنے خط مورخہ 5 جولائی 1973ء میں لکھتی ہیں کہ (اس لڑکی نے اپنے جناتی تاثرات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے)۔

ہمارا گھر تین منزلہ ہے، میں اور باجی درمیانی منزل میں رہتے تھے۔اوپر کا حصہ خالی پڑا رہتا یا مہمانوں کے مصرف میں آتا۔ گرمیوں میں باجی اور میں اوپر سونے لگے۔رات گئے تک نیند نہ آتی اور ہم دونوں ہنستے بولتے رہتے۔قصے کہانیوں میں لگے رہتے۔ایک رات کا ذکر ہے کہ جب ہم نے سونے کے ارادے سے آنکھیں بند کیں تو مجھے اپنے پاؤں کی طرف بے انتہا وزن محسوس ہوا۔رفتہ رفتہ یہ وزنی چیز پورے جسم پر چھاگئی اور اس نے مجھے اس طرح بے تحاشا مارنا شروع کیا کہ میرے دانت آپس میں ٹکرانے لگے اور سارا جسم لرزنے لگا۔میں نے محسوس کیا کہ ہلنے جلنے کی طاقت مفقود ہوگئی۔بدن شل ہے، نہ ہل سکتی تھی، نہ کلمہ پڑھ سکتی تھی۔مشکل سے عہد نامہ (نہ جانے عہد نامہ سے اس لڑکی کی کیا مراد ہے) پڑھ سکی اور اس کی برکت سے یہ بلا دور ہوئی۔جب ذرا ہوش آیا تو میں نے باجی کو آوازدی وہ جاگ رہی تھیں۔پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے کہا، ڈر لگ رہا ہے۔کہنے لگیں یہی حال میرا، پھر ہم لوگ ہمت کر کے نیچے کی منزل میں آگئے۔ایک بات عرض کردوں، میں بہت ہی ڈھیٹ واقع ہوئی ہوں، بہت کم ڈرتی ہوں۔رسالوں میں پراسرار کہانیاں پڑھ کر بھی خوفزدہ نہیں ہوئی۔خیر وہ باقی رات امن سے گزر گئی، صبح آنکھ کھلی تو ڈر کا نام ونشان بھی نہ تھا۔تمام سہیلیوں کو یہ قصہ مزے لے لے کر سنایا اور ان کی گھبراہٹ کا لطف اٹھایا۔البتہ دوسری رات اس جگہ سونے پر تیار نہ تھی۔کیونکہ کل رات اتنی غیبی مار کھائی تھی کہ اس کا تصور بھی تکلیف دہ تھا۔ جب میں نے اوپر سونے سے انکار کیا تو امی نے خوب ڈانٹ پلائی، کہا کہ نہیں تمہیں اوپر ہی سونا پڑے گا، یہ سب وہم ہے۔اس کے علاوہ کچھ نہیں۔میں نے کہا تو پھر امی! آپ کو بھی میرے ہی ساتھ سونا چاہیے۔خیر ہم اوپر جاکر لیٹ گئے، مگر نیند کا کوسوں پتہ نہ تھا۔باجی بھی جاگ رہی تھیں اور ڈر رہی تھیں۔یکایک مجھے اپنا بدن شل ہوتے ہوتے محسوس ہونے لگا۔بمشکل تمام امی کو اٹھایا، اف یہ امی کا چہرہ تھا۔اس قدر ڈراؤنا اور اس درجہ بھیانک کہ میری چیخ نکل گئی۔(مگر کیا یہ امی کا چہرہ تھا؟) میں نے ان سے لپٹ گئی، میں نے کہا کہ خدارا۔امی آپ مجھے نیچے لے چلیں، میں یہاں ایک منٹ نہیں ٹھہر سکتی۔خیر صاحب! امی سہارا دے کر نیچے لائیں سب گھر والے گھبرا کر اٹھ گئے۔غرض پوری رات اس خوف و اضطراب میں گزر گئی۔سورج نکلا تو اور بھی حالت خراب ہوگئی۔مگر میں نے اپنی خرابی صحت کا ذکر امی سے نہیں کیا، خفا جو ہونے لگتیں۔مگر نجانے خود امی کو کیا ہوا؟ چیخ مار کر رونے لگیں۔اس کے بعد مجھے ایسا لگا کہ کوئی نادیدہ ہاتھ میری پشت سے جسم میں داخل

ہو کر دل کے قریب کلیجہ نکال رہا ہے۔ بیان نہیں کر سکتی کہ اس احساس سے کتنی تکلیف ہو رہی تھی۔اب بہن کی حالت بھی خراب ہونے لگی، ان پر بھی شدید اضطراب طاری ہو گیا۔لیکن سب سے زیادہ کرب و تکلیف میرے چہرے سے نمایاں تھی۔ چاہتی تھی کہ مجھے کوئی پیٹھ کی طرف پکڑ لے، کسی طرح چین نہ آ تا تھا۔امی نے جو یہ حال دیکھا تو پڑوس کی ایک عورت کے ساتھ مولوی صاحب کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے گلے میں ڈالنے کے لئے تعویذ دیا اور فرمایا کہ ''جنات'' کا اثر ہے۔ ہدایت کی کہ کبھی کھلی جگہ غسل نہ کرنا اور غسل خانے میں بھی کپڑوں سمیت نہانا۔گھر آ کر میں نے تعویذ گلے میں ڈال لیا۔مگر کس قیامت کا تھا وہ جن کہ اس تعویذ سے بھی اس کا بال بیکا نہ ہوا۔ یہ عرض کر دوں کہ بھائی کے علاوہ ہم سب نہایت پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔ میں روزانہ تلاوت کلام پاک کرتی یا سین شریف پڑھتی، ان کے اثرات بھی ظاہر نہ ہوئے۔ ایک رات تو ایسا ہوا کہ ہم سوتے وقت سے صبح تک بیٹھے قرآن پاک پڑھتے رہے۔ مگر خوف میں کمی نہ ہوئی۔ ایک مرتبہ ریحانہ نامی ایک عورت نے امی کو پڑھی ہوئی سونف دی اور کہا کہ اسے رات کو ٹھیک بارہ بجے گٹر میں ڈال دیں۔ سلطانہ یعنی میری بڑی بہن کی شادی بہت جلد ہو جائے گی، امی بہت سیدھی ہیں۔انہوں نے وہی کیا جو ریحانہ نے کہا تھا۔دوسرے روز ایسا ہوا کہ بہن نے اچانک ہنسنا شروع کر دیا اور پھر زمین پر گر لوٹنے لگی۔ پھر بے تحاشا چیخیں مار کر رونے لگی، کئی روز تک یہ دورہ قائم رہا۔آخر ایک مرد بزرگ کی طرف رجوع کیا۔انہوں نے فرمایا کہ یہ سفلی عمل ہے اور اس کے نتائج یہی ہوتے ہیں۔انہوں نے باجی سے کہا بی بی! تم اس طریقے سے یاسین شریف پڑھا کرو۔انشاء اللہ جناتی اثرات دور ہو جائیں گے۔ باجی اس عمل سے آخر کار ٹھیک ہو گئیں۔اب میں پھر اپنے قصے کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ میری خوفزدگی کی کیفیت وہی تھی ایک رات میں لیٹی تھی اور عالم ہوش میں تھی۔ پڑوس میں جولڑائی جھگڑا ہو رہا تھا اس کا شور بخوبی سن رہی تھی یکا یک میں نے دیکھا (یعنی محسوس کیا بستر پر لیٹے لیٹے) کہ میں گھر کے دروازے سے باہر نکل رہی ہوں اور اس وقت ہماری بیٹھک سے (جو کہ باہر کے دروازے سے متصل ہے) ایک بے انتہا لمبا شخص برآمد ہوا۔ سیاہ رنگ، چمکدار، بڑی بڑی سرخ آنکھیں، سیف لٹھے کی دھوتی، لیکن میلی، سر پر صافہ، گلے میں تعویذ، بنیان کی طرز کی واسکٹ اور ہاتھ میں حد درجہ چمک دار چھری، میں نے دیکھا کہ یہ شخص ابا جان کو ننگی ننگی، گندی گندی گالیاں دے رہا ہے۔ ہمارے گھر کے سامنے مندر ہے۔اس کے ساتھ سرس کا درخت کھڑا ہے، پھر اس ہیبت ناک شخص نے اتنی ہیبت ناک چیخ ماری کہ میرے کان کے پردے پھٹ گئے۔اور میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں دیکھا کہ دونوں ہاتھ کانوں پر ہیں اور میں تھر تھر کانپ رہی ہوں (گویا شمیم صدیقی اس داستان کی راوی بستر پر آنکھیں بند کئے لیٹی اور جاگ رہی تھیں کہ یہ سارا منظر نگاہ کے سامنے سے گزرا) یہ ایک طویل داستان ہے۔اس داستان کو دہرانے کے لئے میری روح بے قرار تھی۔ لیکن میں رئیس صاحب! مارے ڈر کے اس کہانی کو دہرانا نہیں چاہتی تھی۔لیکن آج چاہے کچھ ہو جائے اس کہانی کو اول سے آخر تک سنا کر رہوں گی۔ ہمارے مکان کے سامنے سرس کا درخت ہے۔اس کے سائے میں محلے کے بچے اور دوپہر کو تمام بھنگنیں بیٹھتی ہیں، ہمارا نوکر بھی وہیں پلنگ ڈال کر بیٹھتا ہے۔اس وقت بھی پلنگ وہیں پڑا تھا اور چند بچے اس درخت پر چڑھ کر لنگر ڈال رہے تھے۔ پڑوس کا چھوٹا بچہ (جو

ہمارے گھر کا پلا ہوا تھا) بھاگا بھاگ آیا اور ابا جان سے کہنے لگا کہ بابا جان پلنگ پر بچے چڑھے ہوئے ہیں۔ آپ چلئے اور انہیں اٹھا دیجئے (یہ پلنگ نوکر کا تھا اور وہ اس وقت برف لینے گیا تھا) سب نے کہا کہ بچوں کو کھیلنے دو۔ لیکن پڑوس والے بچے نے ضد کی اور مجبور ہو کر ابا جان کو جانا پڑا۔ اس وقت دو پہر کے ٹھیک بارہ بجے تھے، بلکہ ٹیلم ٹیک دو پہر۔ ابا اور پپو (وہی پڑوس کا لڑکا) وہیں بیٹھ گئے۔ یکا یک اس قدر زور کا دھماکہ ہوا کہ خدا کی پناہ، سارا محلہ لرز گیا۔ عورتیں اور مرد روتے پیٹتے گھر سے نکلے کہ ہائے! ابا کی خیر نہیں، ہم لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ گھبرا کر کھڑکی میں سے جھانکا تو عجیب نظارہ سامنے تھا۔ وہ پہاڑ سا درخت زمین پر گرا پڑا تھا۔ بجلی کے تار ٹوٹ گئے تھے راستہ بند ہو گیا تھا۔ سب نے کہا کہ ابا جان، پپو اور ہمارا گائے کا بچہ سب اسی درخت کے نیچے دب گئے ہیں۔ لوگ کلہاڑیاں لے کر دوڑے، درخت کی شاخوں کو کاٹ کر راستہ بنایا۔ خدا کا شکر ہے کہ ابا بھی سلامت تھے، پپو بھی سب کے معمولی خراشیں آئی تھیں۔ ہاں گائے کے بچے کی حالت نازک تھی۔ جو دیکھتا حیرت کرتا، سب مبارک باد دیتے۔ حیرانی یہ ہے کہ اتنا بڑا تناور اور چھتاور درخت یکا یک کیسے گر گیا؟ نہ آندھی، نہ زلزلہ، نہ طوفان اور اور درخت کا یہ حادثہ؟ عجب بات یہ کہ درخت درمیان سے کٹ کر گرا تھا، جڑ اور کچھ حصہ اپنے مقام پر قائم تھا۔ سب نے کہا اسے بھی گرا دیا جائے ورنہ نقصان پہنچائے گا، لیجئے رات کے ٹھیک بارہ بجے وہ حصہ بھی خود بخود زمین بوس ہو گیا (جیسے کسی نامحسوس زلزلے نے اسے اکھاڑ پھینکا ہو)۔ رات کو درخت گرنے سے پہلے کسی نے بڑی طاقت کے ساتھ میری چارپائی کو ہلایا اور یہی حادثہ ہماری پڑوسن کے ساتھ پیش آیا۔ جس کے بچے کو ہم نے پالا تھا، وہ ڈر کے مارے اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ میں اور باجی وضو کر کے غسل خانے سے آ رہے تھے کہ میں نے دیکھا کہ پلنگ (جو چھت پر پڑا تھا) خود بخود ہوا میں اڑتا چلا آ رہا ہے۔ حیرت!! میں اور باجی دونوں اس پلنگ کی زد میں تھے (یعنی ہمارے سر پر گرتا) ہم دونوں بھاگے اور پلنگ دھماکے کے ساتھ زمین سے ٹکرایا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اگر ہم دونوں نہ بھاگتے تو پلنگ ہمارے سروں پر گرتا اور گردن ٹوٹ جاتی۔ اب حادثات کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ نادیدہ ہستیوں یا جنوں نے تباہ کن شرارتیں شروع کر دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

تباہ کن شرارتیں

دو چار روز گزرے تھے کہ بڑے بھائی جس ٹیکسی میں جا رہے تھے۔ وہ گہرے کھڈ میں گر پڑی، اس کھڈ میں پانی بھرا ہوا تھا۔ بھائی جان کی جان تو (اللہ کا لاکھ شکر ہے) بچ گئی البتہ چوٹیں آ ئیں۔ جبکہ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک پولیس کانسٹیبل کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور ٹیکسی والے کے دماغ کی کوئی نس پھٹ گئی۔ بے چارہ کئی روز اسپتال میں پڑا رہا۔ چھوٹے بھائی حادثے کی خبر سن کر کراچی سے آئے تو یہ تشویشناک خبر لائے کہ میرا اسکوٹر الٹ گیا تھا اور میں سڑک کی بجائے میدان میں جا گرا تھا۔ اس لئے بچ گیا، یہ خطرناک حادثات اور حیرت ناک جانبری! ہم سب نے اللہ کا شکر بھی ادا کرتے تھے اور ستم ظریف قسمت کا شکوہ بھی! اب صورتحال میں اور تبدیلی رونما ہوئی، یہ کہ اگر چہ میں ہر رات خوفزدہ رہتی تھی، لیکن شب جمعہ میں یہ محسوس ہوتا کہ کوئی وزنی چیز آ کر سوار ہو گئی ہے اور اپنے بوجھ سے مجھے کچلے ڈالتی ہے، پھر اوقات میں تبدیلی ہوگئی اب یہ صورت (جسم پر بوجھ محسوس ہونا) بدھ کی رات میں رونما ہونے لگی۔ کبھی کبھی ایسا لگتا کہ کوئی بھاری بھر کم بلی میرے اوپر کود گئی۔ کسی نے شانے پر دونوں ہاتھوں سے گھونسے مارے، میں سمجھی باجی مذاق کر رہی ہیں۔ دیکھا کہ وہ سو رہی ہیں۔ کھانے پینے سے کوئی دلچسپی نہ رہ گئی تھی۔ ہر غذائی چیز سے نفرت، گوشت کھا رہی ہوں اور اچانک گھن آنے لگی، مچھلی پہلے بڑے شوق سے کھاتی تھی۔ اب وہ میری چڑ بن گئی۔ مہینے میں ایک دو روز تو کھانا مطلقاً حرام تھا۔ خشک چیزیں (مثلاً چنے) مجبوراً نگل لیتی تھی لیکن کب تک؟ پھل، دودھ، گھی غرض ہر خوراک سے نفرت سی ہوگئی تھی، بے شک چائے ضرور پیتی تھی۔ اس کے بعد یہ شکایت پیدا ہوئی کہ جو چیز کھاتی اسے معدہ قبول نہ کرتا۔ متلی ہوتی، ابکائیاں آتیں اور قے آ جاتی۔ کافی علاج کرایا مگر فائدہ نہ ہوا۔ رات بھر اس قدر گرمی لگتی جیسے انگاروں پر لوٹ رہی ہوں، بار بار اٹھ کر ٹھنڈا پانی پیتی اور ٹھنڈا پانی سر پر ڈالتی اور پنکھے کے نیچے لیٹ جاتی۔ الغرض مسلسل حالت بگڑتی چلی گئی، بخار پیچھا نہ چھوڑتا۔ سر درد کے دورے پڑتے ہی تھے، معدے میں بھی شدید درد رہنے لگا۔ پھر ہم کچھ دن کے لئے کراچی آئے تو کرنیل گنج کانپور کے ایک بزرگ (جو چند مہینے کے لئے کراچی آیا کرتے ہیں) کی خدمت حاضر ہوئے۔ انہوں نے ایک تعویذ دیا، بازو پر باندھا۔ اس سے معدے کی تکلیف ختم ہوگئی۔ پھر ہم لاڑکانہ چلے گئے۔ ایک دن جب میں دوپہر کے وقت آنکھیں بند کئے لیٹی تھی تو بند آنکھوں نے دیکھا کہ ایک سپیرا کہیں سے آیا اور کہنے لگا کہ:

شمیم! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔

میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور امی کو آواز دے کر اپنے پاس بلا لیا۔ یہ سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا۔ پہلے وہ (سپیرا) اکیلا

ہوتا تھا۔ پھر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی آنے لگے۔ اب تو میری حالت اور خراب ہوگئی، گھر والے بھی پریشان تھے۔ امی نے کچھ دعائیں پڑھیں اور کہا کہ اگر سپیرے کے واقعے میں کوئی صداقت ہے، تو مجھے خواب میں بتا دیا جائے، یہ کہہ کر سو گئیں۔ خواب میں دیکھا کہ ایک سپیرا آیا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں شمیم کو ہرگز نہ چھوڑوں گا خواہ تم کچھ کرلو۔ خوف و دہشت سے امی کی آنکھ کھل گئی۔ بڑے بھائی لاہور میں تھے، چھوٹے کراچی میں، انہوں نے چھوٹے بھائی کو کراچی خط لکھ کر تمام صورتحال سے مطلع کیا۔ چھوٹے بھائی نے چند سفلی عالموں سے رجوع کیا۔ انہوں نے کہا کہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ رئیس صاحب! ہم نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا اور راضی برضا ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اس کے بعد وہ سپیرا تو کبھی نہیں آیا، البتہ خوف کی شکایت بدستور رہی (یعنی ہر وقت ڈر لگے جا رہا ہے) ہمیں اب تک کسی سفلی عمل کا گمان نہ تھا، بلکہ خوف و دہشت کی اس کیفیت کو نفسیاتی مریض سمجھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

نورانی شاہ

جب لاڑکانہ میں ہنگامے شروع ہوئے تو ہم لوگ کراچی منتقل ہو گئے۔ یہاں بھی ان بلاؤں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ سب لوگ کہتے کہ میں بیمار ہوں (چہرے سے ایسا ہی لگتا تھا) لیکن ڈاکٹر کہتے تھے کہ کوئی بیماری نہیں، صرف وہم ہے، کبھی میں محفلوں کی جان تھی۔ نہایت زندہ دل، طباع، خوش مذاق، ہماری سہیلیاں سمجھتی تھیں کہ میں بے حد مطمئن زندگی بسر کر رہی ہوں۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے؟ سلیقہ مندی اور صفائی میں ہم دونوں بہنوں کی مثال دی جایا کرتی تھی۔ سب امی کو مبارک باد دیتیں کہ آپ کی لڑکیاں واقعی ہر لحاظ سے قابل قدر ہیں۔ لیکن اب یہ قابل قدر لڑکیاں "تصویر عبرت" بن کر رہ گئی تھیں۔ (یہاں سے شمیم کا خط دوبارہ شروع ہوتا ہے لکھتی ہیں کہ:)

رئیس صاحب! یہ خط آٹھ روز کے بعد دوبارہ شروع کر رہی ہوں، اب مزید حالات سنئے۔ ہاں۔ جب کراچی آنے کے بعد حالات اور بگڑنے لگے تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ تین ہٹی پر نورانی شاہ کا مزار ہے۔ شمیم کو وہاں لے کر جاؤ، نیاز دلاؤ۔ ان سے روحانی امداد طلب کرو، وہ بشارت دیتے ہیں اور سب کچھ ظاہر ہو جاتا ہے۔ میں نے اس مشورے پر کوئی توجہ نہ دی۔ تین ہٹی سے بارہا گزری ہوں۔ لیکن کبھی اس طرف قدم نہیں اٹھے، تین ہٹی پر میری ایک سہیلی بھی رہتی ہے۔ پھر ایک روز باجی کی ایک دوست مل گئیں۔ شہناز نام۔ اس کی حالت بھی خراب ہو گئی تھی۔ یعنی اس پر بھی کوئی اثر تھا) آخر شہناز کو پھول والے بابا کے پاس لے گئے۔

پھول والے بابا نے تعویذ دے کر شہناز کو مشورہ دیا کہ تم نورانی شاہ کے مزار پر جاؤ، شہناز کو نورانی شاہ کے مزار پر لے جایا گیا۔ وہاں جا کر شہناز کی حالت غیر ہو گئی۔ کھیلنے لگی۔ اس نے کہا نام "ربابی" ہے۔ میں مکان چاہتا ہوں مکان! غرض تین گھنٹے تک شہناز کا یہی جناتی دورہ جاری رہا۔ قصہ مختصر شہناز کے مشورے سے ہم بھی نورانی میاں کے مزار پر گئے۔ وہاں مزار کی جالی پکڑ کر بیٹھنا پڑتا ہے۔ تو خیر میں جمعرات کو نورانی میاں کے مزار پر گئی اور جالی پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ایسا لگا کہ بجلی کا کرنٹ لگ گیا، عجب سی حالت ہو گئی۔ وہاں ایک صاحبہ آتی ہیں۔ جن کا دعویٰ ہے کہ ان پر نورانی شاہ تشریف لاتے ہیں۔ وہ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگیں، پھر کہا کہ تم پر "جنات" کا اثر ہے۔ تمہاری آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے۔ باجی سے کہا کہ تم پر جادو کرایا ہے۔ ہمیں کچھ یقین آیا، کچھ نہ آیا۔ امی کو بتایا انہوں نے کہا کہ تم اس عورت کے چکر میں نہ پڑو، البتہ مزار پر جاتی رہو۔ ایک روز شب جمعہ میں تو مصیبت آ گئی۔ سوئے تو دیکھا کہ عجب سی جگہ ہے۔ اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ دو عورتیں بیٹھی جھوم رہی تھیں، پھر ایک سایہ نما وجود زمین پر لیٹا نظر آیا۔ اتنا لمبا چوڑا کہ بیان نہیں کر سکتی۔ اس کے جسم پر (اگر اسے جسم کہا جائے) بال تھے۔ سائے کی شکل مجھے نظر نہ آئی، اب جو دیکھا تو وہ دونوں عورتیں جو بیٹھی جھوم رہی تھیں۔ نظر سے اوجھل ہو گئیں، پھر وہی

سایہ جو زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھ پر چھاتا چلا گیا، اتنی تکلیف ہوئی۔ بدن میں کانٹے چبھے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ میں نے بے قرار ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے بعد بھی پاؤں کے تلوؤں اور جسم میں کانٹے چبھنے کا احساس ہوتا رہا۔ بیداری میں بھی اس قدر روزن محسوس ہو رہا تھا کہ بیان نہیں کر سکتی، پھر نہیں معلوم کس طرح نیند آ گئی۔ دیکھا کہ بے تحاشا ڈانس کر رہی ہوں اور کہیں سے گانے کی آواز آ رہی ہے، کوئی یہ گیت گا رہا ہے کہ:

جانِ من! اک نظر تو ادھر دیکھ لے

جانِ من! اک نظر تو ادھر دیکھ لے

اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ اس گیت کی آواز میرے کان میں آئی تھی۔ میں نے پوچھا، کسی نے ریڈیو کھولا ہے یا پڑوس میں کوئی گا رہا ہے تو سب نے انکار کر دیا۔ (یہ سب خواب میں دیکھ رہی ہوں) جی ہاں! وہی گیت جاری تھا اور وہی رقص اور رقص بھی اس قدر بے غیرتی کے ساتھ کہ خدا کی پناہ! ایک اجنبی مرد، داہنی طرف ہے اور دوسرا بائیں طرف، اور میں دونوں کے درمیان رقصِ گناہ کر رہی ہوں، میں نے دوپٹہ سر سے اتار لیا اور یہ تصور کرنے لگی کہ "ریحانہ" ہوں۔ بالکل اسی طرح کی فراک پہنے ہوئے۔ جیسی ریحانہ پہنتی ہے، کوئی کہہ رہا ہے تم شمیم نہیں ہو، ریحانہ ہو۔ صبح تک عالم خواب میں یہی رقصِ مستانہ جاری رہا۔ صبح اٹھ کر امی اور اباجی کو بتایا اور جو تکلیف مجھ پر گزری تھی، اس کی تفصیل بیان کی۔ ماں، باپ کس قدر پریشان ہوئے ہوں گے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں، میں نے عاجز آ کر درگاہ الٰہی میں دعا کی کہ:

بارالٰہا! مجھے اس روحانی عذاب سے نجات دے،

اور مجھ پر جو اثر ہے اسے ظاہر کر دے!

شام کے وقت پھر حضرت نورانی شاہ کے مزار پر حاضری ہوئی، تو اچانک گردن کو جھٹکے لگنے لگے۔ میں نے گردن کو قائم رکھنے کی بہت کوشش کی اس خیال سے کہ شاید نفسیاتی اثر سے گردن خود بخود ہلنے لگی ہے، لیکن گردن برابر کسی خودکار کھلونے کی طرح ادھر سے ادھر ہل رہی تھی، آنکھیں بند تھیں۔ سب کی گفتگو سن رہی تھی، مگر نہ ہل سکتی تھی، نہ بول سکتی تھی، سر بے انتہا بھاری ہو رہا تھا۔ باجی کی سہیلی نے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ لیکن میں کیا بتاتی؟ کچھ دیر بعد یہ حالت رفع ہو گئی۔ وہیں ایک صاحبہ آتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جونا مارکیٹ میں میراں سید علی شاہ کا مزار ہے۔ اس مزار پر جاؤ تمہارے سر پر جو جن مسلط ہے، وہ خود بول اٹھے گا اور نام و نشان بتا دے گا۔ پھر ہم نے یہ معمول بنایا کہ جمعرات کو نورانی میاں کے مزار پر حاضر ہوتے تھے اور جمعہ کو میراں سید علی شاہ کے مزار پر، دوسری جمعرات کو میں نورانی شاہ کے مزار پر بے انتہا کھیلی یہاں تک کہ بے حال ہو گئی۔ اسی عالم میں کسی عورت کا پاؤں میرے جسم سے لگ گیا، پاؤں کا لگنا غضب ہوا۔ جنون جو طاری ہوا مجھ پر تو اس عورت کو بے تحاشا پیٹنے لگی۔ خود بخود میری زبان سے نکلا سامنے سے ہٹ جاؤ۔ میں اسے جان سے مار دوں

گا، گلا دبا دوں گا۔

میں برابر انہیں فقروں کو دہرائے جا رہی تھی، جو بھی سامنے آتا اس پر حملہ کر بیٹھتی۔ حاضری کے درمیان چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ جالیوں سے سر ٹکرا رہی تھی۔ شام کے چھ بجے سے رات کے دس بج گئے۔ سلام بھی ختم ہو گیا، مگر میں اپنی اصلی حالت پر نہ آئی۔ پھر مجھے تے آئی جونا مارکیٹ والی صاحبہ نے پوچھا کہ:

کیا اس وقت تک حال کھیلے گا، جب تک قوالی نہ ہوگی۔

میں نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ نڈھال ہو کر فرش پر گر گئی انہیں خاتون کی گود میں کھیلنا شروع کر دیا۔ الغرض عجیب تماشا تھا یہاں تک کہ قوال آ گئے۔ ڈھولک پر تھاپ پڑی تو مجھے ہوش آ گیا۔ البتہ اب دوسری عورتیں تڑپنے لگیں۔ دوسرے روز جمعہ کا دن تھا، ہم میراں سید علی شاہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ وہاں پر ایک چکی لگی ہوئی ہے، مریضوں یا جن گرفتہ اور آسیب زدہ لوگوں کو اس چکی کے گرد گھمایا جاتا ہے۔ اگر واقعی وہ کسی جن کے زیر اثر ہوتا ہے تو اس کا داہنا ہاتھ چکی سے چپک جاتا ہے۔ اس پر بے خودی طاری ہو جاتی ہے اور پھر وہ سب کچھ بتانے لگتا ہے۔ میں اور شہناز یکا یک دونوں اس چکی کے گرد گھومنے لگے۔ ہم دونوں گھوم رہے تھے کہ میری سہیلی شہناز یکا یک نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہو گئی، اور میں بڑی تیزی سے لٹو کی طرح گھومنے لگی۔ شہناز کہیں نظر نہ آئی اب میں سچ مچ گھبرا گئی۔ دل کہہ رہا تھا کہ خدا کے لئے یہاں سے بھاگ چل میں نے بار بار باجی اور ان کی سہیلی سے پوچھا کہ میں چکی کو چھوڑ دوں (میرا داہنا ہاتھ چکی سے چپک گیا تھا) مگر انہوں نے منع کیا، باجی نے بعد کو بتایا کہ اس وقت میری آنکھیں خون کبوتر کی طرح لال تھیں اور میں چکی کو چھوڑ کر بھاگ گئی تھی مگر آ کر چکی چپک گئی، اور پیچھے کی طرف گئی، میری بتیسی بند ہو گئی تھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سن سب کچھ رہی تھی، بس بولنے چالنے کی قوت سلب ہو گئی تھی، اور مسلسل اس شدت سے گھورے جا رہی تھی۔ جیسے آنکھیں حلقہ چشم سے باہر نکل پڑیں گی۔ خیر کچھ دیر بعد اوسان بحال ہو گئے، میں نے باجی سے کہا کہ آپ بھی تو چکی کو داہنا ہاتھ لگائیں۔ آپ بھی تو سحر زدہ ہیں، انہوں نے جیسے ہی چکی کو ہاتھ لگایا، وہ چپک گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ زمین پر گر کر لوٹنے لگیں، ہائے ہائے کر رہی تھیں۔ مسلسل چیخیں مار رہی تھیں، رو رہی تھیں اور خود کہہ رہی تھیں کہ ہائے میراں شاہ خدا کے لئے مجھے اتنی مار نہ لگایئے، چھوڑ دیجئے۔ سب کچھ بتا دوں گا، پھر آپ ہی آپ باجی نے کہاں کہ ہاں! میں نے اس معصوم لڑکی کی شادی نہیں ہونے دی۔ میں نے رشتے بگاڑ دیئے مگر میراں شاہ! میں سلطانہ کو کیسے چھوڑ دوں؟ مجھے سلطانہ سے محبت ہے۔ میراں سید علی شاہ! آپ تو محبت کی شدت اور لذت سے واقف ہیں، میراں شاہ، سلطانہ جب حیدر آباد میں تھی، میں اس وقت سے اس پر عاشق ہوں۔ اس نے نہا کر نماز پڑھی اور پلنگ پر لیٹ گئی، میں اس کے برابر بھائی کی شکل بنا کر جا لیٹا۔ میرا نام جاوید ہے (یہ سب باتیں باجی کی زبان سے ان کا جن کہلوا رہا تھا) خدا کی قسم۔ میراں شاہ! مجھے مت ماریئے، برائے خدا، چھوڑ دیجئے۔ میں اب نہیں ستاؤں گا۔ اب شادی ہونے دوں گا (جو باتیں باجی کی زبان سے جاوید جن کہلوا رہا تھا وہ بہت حد تک صحیح

سایہ بینی کا طریقہ

مخفی علوم میں سایہ بینی کا یہ طریقہ تجویز کیا گیا ہے کہ آپ کسی خالی مگر روشن جگہ میں اس طرح کھڑے ہوں کہ آپ کا سایہ آپ کے سامنے پڑے اس طرح کھڑے ہو کر آپ اپنے سائے کی گردن پر نظریں جما دیں اور کوشش کریں کہ پلک نہ جھپکنے پائے۔ خیال اور توجہ کی پوری قوت سائے کی گردن (جس پر آپ کی نظریں جمی ہوئی ہیں) پر مرکوز رہے اس مشق کا آغاز ایک منٹ سے کریں اور رفتہ رفتہ مشق کی مدت کو بڑھاتے رہیں۔ یہاں تک کہ آپ رفتہ رفتہ ایک گھنٹے تک کامل یکسوئی محویت اور استغراق کے ساتھ سائے کو تکنے پر قادر ہو جائیں۔ رفتہ رفتہ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کے سر کے اوپر فضا میں سفید رنگ کا ایک بادل جھول رہا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ سفید سایہ آپ کے سائے میں مجسم ہو جائے گا اور ایک ادنیٰ موکل کی طرح آپ کے احکام کی تعمیل کرے گا۔ جناب امیر حمزہ شنواری نے لکھا ہے کہ میں نے اس عمل کا واجبی سا تجربہ کیا ہے۔ یہی حال راقم الحروف کا ہے، ارتکاز توجہ کے عمل کے زمانے میں میں نے بھی چند ہفتہ تک یہ عمل کیا تھا۔ اپنا سایہ بھی دیکھا اور چند سیکنڈ کے لئے اپنا ہمزاد بھی نظر آیا، پھر توجہ اس کھیل کی طرف سے ہٹ گئی۔ خیال کی تجسیم (خیالی کو مجسم کرنے) کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں اور اپنے چہرے کا تصور قائم کریں۔ بار بار خیالات کی رو میں خلل پڑے گا۔ آپ کی توجہ بھٹکے گی ہر بار آپ اپنے خیال کو اپنے چہرے کی طرف کریں۔ ہوتے ہوتے توجہ قائم ہونے لگے گی اور وہی نتائج نکلیں گے جو سایہ بینی سے برآمد ہوتے ہیں، اس ضمن میں آئینہ بینی کا ذکر بھی مناسب ہوگا۔ آئینہ سامنے رکھ کر دو ڈھائی فٹ کے فاصلے پر بیٹھ جائیں اور اپنے چہرے (بعض کہتے ہیں کہ داہنی آنکھ کے تل) پر نظریں جما دیں پلک نہ جھپکنے کی شرط البتہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ تمام عملیات کسی استاد باخبر کی اجازت سے کئے جائیں۔ ان تمام عملیات کا تعلق ذہن سے ہے اور ذہن بے حد نازک وحساس آلہ ہے ذرا سی بے احتیاطی سے عقل پر جنون غالب آ جاتا ہے۔ ان تمام عملیات اور مشقوں کی پابندی سے مزاج میں سوداویت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور سوداویت مالیخولیا (ذہنی اختلاج) کی پہلی سیڑھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان عملیات کے زمانے میں طالب کو ترک حیوانات کی ہدایت کی جاتی ہے تا کہ جگر سوداویت سے محفوظ رہے۔ بلا شبہ خیال میں توانائی ہوتی ہے شرم اور غصے سے چہرے کا سرخ اور غم واندوہ سے زرد ہو جانا اس کی علامت ہے کہ خیال کی توانائی جسم پر غالب کی لہریں میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ عام حالات میں ہمارے دماغ میں (BETA WAVES) (ب، لہریں) پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ ب، لہریں میں ذہن کی کیفیت بندر کی طرح ہوتی ہے۔ بندر شاخ در شاخ لپکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ذہن مختلف مقامات خیالات کی طرف جست کرتا ہے یعنی ایک خیال سے جست کر کے اسی سے جڑے ہوئے دوسرے خیال کی طرف

گیا۔ کچھ دیر کے بعد تڑپ کر اٹھی اور پلنگ پر ہی کھیلنے لگی۔ کھیلتے میں یہ محسوس ہوتا کہ بالوں سے شائیں شائیں کی آوازیں نکل رہی ہیں۔ پورے تین گھنٹے تک یہی حالت رہی۔ بار بار سجدے میں گر پڑتی اور کلمہ پڑھتی۔ حالت اتنی خراب ہوئی کہ بھائی بھی گھبرا گئے طے ہوا یہ کہ کسی عامل (جن اتارنے والے کے) پاس چلنا چاہیے۔ کیونکہ فقط مزار پر جا کر حال کھیلنے سے کام نہیں چلا۔ آخر ایک عامل صاحب کا نام تجویز ہوا۔ پتہ چلا کہ وہ ہزارے چلے گئے ہیں اور کہیں جون تک آئیں گے۔ میری حالت اس قدر خراب تھی کہ جون تک انتظار ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ایک پانی والے بابا کے پاس گئے۔ وہ بھی جنات کے ایکسپرٹ تھے۔ انہوں نے حال دیکھ کر کہا کہ جن وغیرہ نہیں ہے۔ اگر کوئی ثابت کردے کہ جن کا اثر ہے تو میں دو ہزار روپے دوں گا۔

یہ سن کر بڑے بھائی خوش ہوئے۔ ریحانہ (جسے وہ رانی کہتے تھے) اس الزام سے بری ہوگئی کہ اس نے ہم پر کچھ کرایا ہے۔ چھوٹے بھیا نے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ جن، جادو کا قصہ نہیں، محض نفسیاتی بیماری ہے مگر "نفسیاتی بیماری" کہہ دینے سے ہمارے مرض میں تو کوئی افاقہ ہوا نہیں، وہی تکلیف تھی اور رہی بہرحال! گھر کا ماحول بعض اوقات بے حد پراسرار ہو جاتا تھا اور دونوں بھائی بھی اس پراسراریت کو محسوس کرتے تھے۔ لیکن منہ سے اقرار نہ کرتے تھے۔ شہناز بیچاری بھی ایسی جناتی مرض میں مبتلا اور ایک پھول والے بابا (افوہ کراچی میں کتنے بابا ہیں۔ کوئی پھول والا، کوئی پانی والا، کوئی مٹکے والا) کے زیر علاج تھی۔ ہم بھی ان کے پاس گئے، پھول والے بابا نے ہم پر نظر ڈالی اور چھڑی لے کر پڑھنے لگے۔ مگر حاضری نہ ہوئی (یعنی ہم پر حال طاری نہ ہوا) تو فرمانے لگے کہ:

بھیجا ہوا لگتا ہے!

(نہ جانے اس فقرے سے ان کا کیا مطلب تھا) انہوں نے ایک گنڈا عنایت کیا، جونہی میں نے گھر آکر گنڈا گلے میں باندھا۔ سر کا پچھلا حصہ من بھر کا ہو گیا اور حال کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میں نے ڈر کر گنڈا اتار دیا، تو ذرا طبیعت سنبھلی۔ جمعہ کے روز پھر میراں سید علی شاہ کے مزار پر حاضری ہوئی۔ ہاتھ فوراً چکی سے چپک گیا اور میں پہیئے کی طرح چکی کے گرد گھومنے لگی۔ جس طرح بچے لٹو گھماتے ہیں۔ اس طرح کوئی پراسرار قوت چکی کے گرد مجھے گھما رہی تھی۔ میرے منہ سے ہیبت ناک چیخیں نکل رہی تھیں اور بار بار کہہ رہی تھی کہ:

ہائے مر گیا، ہائے مر گیا۔ چھوڑ دے ظالم چھوڑ دے۔ ارے سنگدل! میرا قصور معاف کرو۔

لوگوں نے مجھے زبردستی پکڑ کر مزار کی جالی کے پاس بٹھا دیا۔ وہاں بھی کھیلتی رہی جھومتی رہی۔ اگر کوئی مجھے روکنے کی کوشش کرتا تو میں اسکو ڈانٹتی کہ بھاگ جاؤ۔ میرے قریب نہ آؤ۔ وہیں ایک صاحبہ موجود تھیں جنہوں نے کہا میں سیدانی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ بتا تو کون ہے؟ تو بچی کو کیوں ستا رہا ہے؟ (شمیم لکھتی ہیں کہ میں نے یا میرے جن نے سیدانی کو جواب دیا کہ) میں نہیں بتاؤں گا۔ میں نہیں چھوڑوں گا۔ ان سیدانی صاحبہ نے ضد کی کہ نہیں، تجھے بتانا پڑے گا۔ تجھے چھوڑنا پڑے گا۔ اس پر مجھے غصہ آ گیا اور میں نے انہیں بری طرح پیٹ ڈالا۔ پھر اچانک میری آواز مردوں کی طرح بھاری ہوگئی اور اول فول بکنا شروع کر دیا۔ دوسرے جمعہ کو مزار پر گئی تو میں نے

مٹھیاں بھینچ لیں، پاؤں پٹخنے لگی۔ میری گردن، کمر سے لگ گئی اور چیخنے لگی کہ: ارے ظالم! میری گردن نہ توڑ، میری گردن ٹوٹ رہی ہے! یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی میری گردن مروڑ رہا ہے اور وہ بیچ سے ٹوٹ جائے گی، میں فرش پر تڑپ رہی تھی۔ ایک خاتون نے میرے بال پکڑ لئے اور پوچھا کہ تو کون ہے اپنا نام بتا، میں نے کہا کہ مجبور نہ کرو، میں اپنا نام نہیں بتا سکتا۔ سوال کیا کہ تیرے ساتھ کتنی فوج ہے۔ تو میں نے جواب دیا کہ فوج نہیں ہے۔ میں اکیلا ہوں، عصر کی اذان شروع ہوئی تو میں نے پانچ، سات بار کلمہ پڑھا۔ میں رو رہی تھی اور خدا کو پکار رہی تھی۔ پھر چند لمحے بعد میں نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا کہ میری گردن ٹوٹ چکی ہے۔ چند لمحے کا مہمان ہوں۔

☆......☆......☆

دورے کی علامات

خدا حافظ۔ پھر میں بے ہوش ہوگئی، بے ہوشی چند لمحے طاری رہی۔اس کے بعد ہوش وحواس بحال ہوگئے۔سب نے کہا کہ نیاز دلاؤ،شمیم ہوش میں آ گئی۔چنانچہ بہت سی مٹھائی منگوا کر نیاز دلوائی گئی۔نیاز دلوانے کے تھوڑی دیر بعد ہی پھر سر بھاری ہونا شروع ہوگیا(جو علامت ہے، جناتی دورے کی)اس بار کمر پر زبردست دباؤ محسوس ہوا۔بڑی سخت تکلیف تھی،مگر میں خاموشی کے ساتھ اس تکلیف کو سہ رہی تھی۔آخر زمین پر گر گئی(یعنی دورہ پڑ گیا یا جن آ گئے)لوگوں نے کہا تمہاری تو گردن ٹوٹ گئی تھی۔تم تو مر گئے تھے،پھر تم کہاں سے آ گئے؟ تو میں قہقہے مار کر ہنسنے لگی۔مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔آخر مجھے لوگ گھر لے گئے۔پھر اگلے جمعہ کو مزار پر گئی تو چکی پر ہاتھ رکھتے ہی چپک گیا۔ تکلیف کے مارے کمر دہری ہونے لگی،منہ سے آہ نکلی(شدت تکلیف کے سبب)اور پھر زبان بند ہوگئی شام تک یہی ہوتا رہا۔اب شہناز اور نسیم بھی آ گئیں(ان پر بھی جناتی اثرات ہیں)انہوں نے کہا کہ چکی پر چلو۔میں بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔میں نے کہا کہ تم ہو آؤ،میں نہیں جاؤں گی۔لیکن وہ بضد ہوگئیں اور میں بھی مجبوراً ان کے ساتھ چکی پر چلی گئی،چکی کے قریب جاتے ہی دورہ پڑ گیا۔بری طرح چیخنے چلانے لگی کہ ہائے!میری کمر!ارے!میری کمر ٹوٹی۔اب میں نے پنجابی میں گفتگو شروع کردی۔پھر فرش پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگی، فرش پر تڑپنے لگی۔بال نوچنے لگی،پھر اٹھ کر بھاگی۔مزار کی طرف گئی جالی پکڑ لی،پھر چلانے لگی کہ:

اوئی ظالما!میرے عابدہ بڑی بیمار ہے،ایک ہی بیٹی ہے۔اگر وہ مرگئی تو کیا ہوگا،ایک ہی بیٹی ہے۔اسے پانی کون پلائے گا گھر پر وہ بالکل تنہا ہے۔صبح جتنی جلدی کہو گے،آ جاؤں گی،اب مجھے جانے دو!

میرا انداز بالکل ایسا تھا،گویا کسی سے مخاطب ہوں،کوئی میرے سامنے موجود ہے۔جب اس طرح بکواس کر چکی تو غصہ آ گیا۔ کہنے لگی کہ اچھا!دیکھتی ہوں تو مجھے تو کس طرح روکتا ہے؟

یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف دوڑی،لوگوں نے پکڑ لیا۔میں دہاڑی کہ:

شمیم۔اوئے،ذلیل،کمینی،آج تیرا جنازہ نکالوں گی۔دیکھوں تجھے کون بچاتا ہے۔باجی سامنے کھڑی تھیں،ان سے کہا کہ:

سلطانہ!کتیا،آج تیرا جنازہ بھی نکلنا ہے۔یہ ہنگامہ جاری تھا کہ میرے بازو سے وہ تعویذ نکل کر زمین پر گر گیا جو رحمان شاہ نے دیا تھا اور میں نے بے تحاشا رحمٰن شاہ کو گالیاں دینی شروع کردیں کہ بدمعاش بڈھا۔اس نے یہ تعویذ دیا تھا کہ معدے کا درد دور ہو جائے۔ مگر اس کا مطلب کچھ اور تھا،بڑا حرام زادہ ہے۔شمیم کی ماں کا کلیجہ اپنی زبان سے چاٹوں گی۔دیکھنا ایک ایک کو ماروں گی(گویا اب شمیم پر

جن کے بجائے مادہ جن یا جن عورت کا تسلط ہوگیا تھا) آج میں شمیم کی بدولت قید ہوئی ہوں۔ اسے کھائے بغیر نہ چھوڑوں گی، یکا یک مزار کی جالی سے میرا سینہ اور پیٹ چپک گئے۔ میں فریاد کرنے لگی کہ:

ہائے، میرا معدہ چھدا، ہائے میرا کلیجہ پھٹا۔

یقین کیجئے بری طرح ہاتھ مار رہی تھی، اس عالم میں رات ہوگئی۔ دوسرے دن میں بھی یہی بے خودی طاری رہی۔ اس حالت خوف میں ڈانس کیا، خوب ناچی (بہت سی تفصیلات بیان کرنے کے بعد۔) آخر شمیم لکھتی ہیں کہ:

اب کل یعنی 17 جون اتوار کو نماز مغرب کے بعد میں جناب سیدہ کی کہانی سنانے لگی۔ جب اس شعر تک پہنچی کہ:

صدیقہ نام رکھا تو ہے نے بتول کا
جھوٹا نہ کہ جیو مجھے صدقہ رسول ﷺ کا

تو یکا یک سارے جسم میں کانٹے چبھنے لگے۔ شدید قسم کی سردی اور بے چینی محسوس ہونے لگی۔ خیر بمشکل کہانی کو پڑھنا شروع کی تو محمد ﷺ کے نام اور حالت غیر ہوگئی، اس وقت میں سطور لکھ رہی ہوں۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں، مشکل سے لکھا جا رہا ہے۔ خدا کے لئے رئیس صاحب! مجھے بتائیے کہ یہ کیا اسرار ہیں؟ یہ کیا بھید ہیں۔ میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ فقط شمیم صدیقی۔ (کراچی)

☆......☆......☆

جن کا تجزیہ

میں نے شمیم صدیقی کے دو طویل خطوط کا خلاصہ آپکے سامنے پیش کر دیا ہے۔ آیئے اب اس جن یا جناتی کیفیت کا تجزیہ کریں:
شمیم صدیقی کے بیانات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ جب ان پر جناتی دورہ پڑتا تھا، تو ان کی شخصیت دو حصوں میں بٹ جاتی تھی، یا یوں کہئے کہ ان کی مرکزی شخصیت (یعنی خود شمیم صدیقی) سے ایک اور شخصیت نمودار ہو جاتی تھی، جو اپنے کو جن کہتی تھی۔ یہ دوسری شخصیت (جو اپنے کو جن اور شمیم کا عاشق کہتی تھی) مرکزی شخصیت شمیم کی گرفت سے بالکل آزاد تھی وہ جو چاہتی کرتی اور جو کہتی۔ اصلی شمیم بالکل اس کے پنجے میں تھی۔ اصلی شمیم بالکل بے بس ہو جاتی تھی۔ جن شمیم کے ذہن کا یہ باغی حصہ کبھی اپنے کو زجن کے روپ میں پیش کرتا، کبھی مادہ جن کے روپ میں اشمیم نے جناتی دورے کی جو علامات بیان کی ہیں، وہ ہسٹریا سے بے حد مشابہ ہیں۔ یعنی سر یا جسم کے کسی حصے پر بے وزن کا احساس، اعصابی، تناؤ، بتیسی بند ہو جانا، بال نوچنا، زمین پر تڑپنا، مٹھیاں بھنچ جانا، اچھلنا، گھومنا در حقیقت یہ سب خود کار حرکات تخت دماغی دورے (جس میں شعور معطل ہو جاتا ہے) علامتیں ہوتی ہیں۔ بے شک شمیم بنیادی طور پر ہسٹریا، مالیخولیا اور تقسیم شخصیت (شیزوفرینیا) کی مریضہ ہیں۔ اس قسم کی حساس لڑکیاں اگر کسی نادیدہ جن کے اثرات میں بھی آ جائیں تو ہرگز حیرت کا مقام نہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ دونوں بہنیں، شمیم اور سلطانہ زبردست جذباتی دباؤ میں مبتلا ہیں۔ ان کا شعور پوری طرح ترقی یافتہ نہیں۔ انہوں نے متواتر ترغیبات (خود ترغیبی) سے اپنے آپ کو "جن گرفتہ" اور "آسیب زدہ" بنالیا ہے۔ سلیف ہپ ناسز (خود ترغیبی) کے ذریعے ہر شخص (بشرطیکہ حساس ہو) اپنے اوپر یہ کیفیت طاری کر سکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایب نارمل اور سپر نارمل (غیر معتدل اور خارق العادت) دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ آسیب زدہ نفسیاتی مریض بھی ہوتا ہے اور نفسیاتی مریض ایک لمحے میں آسیب زدہ بن سکتا ہے۔ میں نے اس امکان کو مسترد نہیں کیا کہ شمیم اور سلطانہ کسی نادیدہ قوت کی آلہ کار نہیں، یقیناً ہیں اور ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ نفسیاتی مریضہ اور مالیخولیا میں مبتلا نہیں۔ وہ نادیدہ قوت جو سلطانہ اور شمیم کو اس بلا میں مبتلا کیے ہوئے ہے، یقیناً کسی جن سے تعلق رکھتی ہے۔

☆......☆......☆

جن اور مٹھائیاں

میں اس وقت ہفت روزہ پیان کراچی کے تازہ شمارے (13 اگست 1973ء) میں پاکستان کے مشہور روڈ ماسٹر اور سائیکل سوار ایم اے مطیع کا ایک انٹرویو پڑھ رہا تھا۔ ایم اے مطیع نے اس انٹرویو میں اپنی زندگی کے بعض دلچسپ تجربات بیان کئے ہیں۔ ایک مشاہدہ سنئے:

حیدرآباد دکن میں مٹھائیوں اور پھولوں کی دکانیں اکثر رات بھر کھلی رہتی ہیں۔ حلوائی اور گل فروش چاہیں بھی تو دکانیں بند نہیں کر سکتے۔ قارئین کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ وہاں یہ سب کچھ (دکانوں کا کھلا رہنا) جنوں اور دوسرے بزرگوں کے ایماء سے ہوتا ہے، جو راتوں کو انسانی بھیس بدل کر خریداری کے لئے آتے ہیں۔ میں نے خود کئی جنوں کو اپنی آنکھوں سے سودا سلف خریدتے دیکھا ہے۔ ہوا یوں کہ ایک رات میں بہت دیر سے گھر لوٹ رہا تھا۔ اتفاق سے میرا گزر مٹھائیوں اور پھولوں کی دکانوں کی طرف سے ہوا۔ وہاں رات کو بھی قابل دید چہل پہل تھی، مجھے یہ ہجوم دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔ سوچا کہ یہ لوگ اتنی رات گئے مٹھائیوں اور پھولوں کی خریداری کیوں کر رہے ہیں؟ خیر میں یہ سارا تماشا دیکھتا ہوا گھر کی طرف چلا گیا۔ دوسرے روز جب میں نے ایک بزرگ سے اس واقعے کا تذکرہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ بیٹے اتنی دیر تک دکانوں کو کھلا رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ''اوپر والے'' (جنات سے مراد) خریداری کرتے ہیں۔ اگر تم میری بات کی تصدیق چاہتے ہو تو ایک سرسری نظر ان کے پیروں پر ڈال لینا۔ دوسرے روز جب میں تصدیق کی غرض سے ادھر سے گزرا۔ تو واقعی بعض لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا، ان کے پاؤں پیچھے کی طرف تھے۔ ہر چند کہ یہ صورت سے انسان معلوم ہوتے تھے۔ یہ حقیقت جاننے کے بعد وہاں ٹھہرنا دشوار ہو گیا اور میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔

یہ ہے مطیع صاحب کا بیان

آپ اس واقعے کی کیا توجیہہ کریں گے؟

☆......☆......☆

پراسرار فقیرنی

ہپناٹزم کے عمل میں معمول کو سب سے پہلے یہ سجیشن (ترغیب) دی جاتی ہے کہ تمہارا جسم اکڑ رہا ہے، سر بھاری اور دماغ بوجھل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جب معمول اپنے جسم میں یہ کیفیت (اکڑاؤ، بھاری پن، بوجھل پن) محسوس کرنے لگے تو سمجھ لیجئے کہ وہ تنویم زدہ یا ''ہپناٹائزڈ'' ہوگیا۔ انور جمال فاروق لاہور سے لکھتے ہیں:

جب میں بہت چھوٹا تھا تو اکثر ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی فقیرنی ہاتھ میں سلور کا کٹورا لئے مجھ سے بھیک مانگ رہی ہے۔ اور اس کے کٹورے میں چاول بھرے ہوئے ہیں۔ یہ مشاہدہ اکثر رات میں ہوتا۔ جب میں چیخ مار کر بستر سے اٹھتا تو وہ عورت پلنگ کے نیچے چلی جاتی۔ اکثر سوتے میں لگتا کہ پلنگ ہوا میں اڑ رہا ہے اور پھر اچانک کسی نے اس پلنگ کو انتہائی پستی میں پھینک دیا۔ پھر سانپوں کے خواب بکثرت نظر آنے لگے۔ سانپ اکثر سبز رنگ کے ہوتے۔ اب خوابوں کا یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔ پچھلے دو سال سے عجیب مسئلہ درپیش ہے۔

رات کو تقریباً دو بجے آنکھ کھل جاتی ہے اور مجھے احساس ہوتا ہے کہ سارا جسم اکڑا ہوا ہے۔ رات انتہائی کوشش کے باوجود نہ ہل جل سکتا ہوں، نہ کسی کو آواز دے سکتا ہوں۔ پھر ایک سایہ میرے قدموں کی طرف سے ہو کر سر کی طرف چلا جاتا ہے۔ گزشتہ ستمبر میں کراچی آنا ہوا اور دو پہر کا وقت تھا۔ میں سو رہا تھا اور میرا دوست ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ جسم حسب سابق اکڑا اور جکڑا ہوا تھا۔ مجھے دو مرتبہ ایسا لگا کہ کوئی بہت بھاری جسم میری چارپائی پر بیٹھ رہا ہے اسی اثنا میں سخت بھوک لگی تو کسی نے سفید سیب کی طرح کوئی رس دار چیز کھانے کو دی میں نے بڑی کوشش اور قوت سے دوست کو آواز دی، مگر اس قدر قربت کے باوجود وہ میری آواز نہ سن سکا۔ انوار فاروقی کا تجربہ شمیم صدیقی کے تجربات سے کس قدر مشابہ ہے؟

شفیق عالم مرزا (اپنے خط موجہ 13 فروری 1973ء) رقم طراز ہیں کہ:

تفصیلاً عرض ہے کہ کپڑے ستمبر 1971ء میں کٹنے شروع ہوئے۔ لڑکی بظاہر بالکل ٹھیک رہتی ہے، کبھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس پر دورہ پڑنے والا ہے۔ پہلے پہل لڑکی کے کپڑوں میں خود بخود سوراخ ہو جاتا ہم سمجھے کہ کوئی بچہ شرارتاً سوراخ کر دیتا ہے۔ اس کے بعد سوراخ کا حجم (سائز) بڑھنا شروع ہوا۔ کپڑا ایسی جگہ سے کاٹا جاتا کہ پہننے کے قابل نہ رہتا، پھر نوکرانی کی طرف خیال گیا۔ شاید وہ یہ حرکت اس لئے کرتی ہے کہ سوراخ کے سبب کپڑا ناقابل استعمال نہ رہے تو اسے دے دیا جائے۔ لیکن چونکہ صندوقوں میں تالے پڑے رہتے تھے۔ اس لئے نوکرانی پر شک کرنا بے سود تھا، کیونکہ صندوقوں کی کڑی حفاظت کی جاتی تھی وہ ہمیشہ مقفل رہتے تھے۔ پھر ایک روز کیا ہوا کہ

بچی اچانک سوتے میں بستر سے اٹھی اور چل پڑی۔ پوچھا بی بی! کہاں جا رہی ہو؟

تو اس نے سامنے والے درخت کی طرف اشارہ کیا وہ بلا رہی ہے۔ ایک عامل نے بتایا کہ دو جن عورتیں اس بچی کے پیچھے پڑ گئی ہیں اور ان دو جن عورتوں پر ایک بوڑھی عورت "نیلم" کا قبضہ ہے، نیلم کی عمر اسی سال بتائی جاتی ہے۔ عامل نے چاہا کہ عمل کے ذریعے نیلم کو حاضر کرے، مگر وہ ناکام رہا۔ میری بچی پر نیلم کی روح مسلط نہیں ہوئی۔ البتہ ایک دوسری بچی پر (جس کی عمر دس سال ہے) وہ دونوں جن عورتوں پر مسلط ہو گئیں۔ اس بچی کے ذریعے جن عورتوں نے بتایا کہ نیلم ہمیں حکم دیتی ہے اور ہم کپڑے کاٹنے شروع کر دیتے ہیں۔

خیر صاحب! عامل صاحب نے کچھ تعویذ لکھ کر دیئے ان سے افاقہ محسوس ہوا اور کپڑے کٹنے بند ہو گئے لیکن ایک روز دیکھا کہ بچی پر عجیب حالت طاری ہے اس نے اس حالت کے زیر اثر کہا کہ:

اب میں نہیں رکوں گی اور اب پھر کپڑے کٹنے شروع ہو جائیں گے؟

اور ایسا ہی ہوا، تقریباً دو مہینے سے کپڑے کٹنے بند ہو گئے۔ لیکن بچوں (دو لڑکے اور دو لڑکیاں) کو سوتے میں جھٹکے لگتے ہیں بچی سوتے میں کافی بڑبڑاتی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہہ رہی ہے۔ بیوی کو بھی سوتے میں جھٹکے لگتے ہیں اور ایک سایہ سا قریب آ کر ڈراتا ہے۔ آٹھ فروری، جمعرات کے دن 7 اور 8 بجے شب کے درمیان، مجھے اگربتی کی خوشبو محسوس ہوئی (حالانکہ اگربتی کا دور دور تک پتہ نہ تھا) میں نے بیوی سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ کبھی لوبان کی، کبھی اگربتی کی اور کبھی گھگھل کی خوشبو خود بخود آنے لگتی ہے اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں سے آ رہی ہے؟ گھگھل بھی ایک قسم کی خوشبو ہے، جس سے دیہاتیوں کے تجربے کے مطابق سانپ اور بچھو بھاگ جاتے ہیں، گھگھل کو آگ پر جلایا جاتا ہے۔ شفیق عالم مرزا کو اگربتی کی جس خوشبو کا تجربہ ہوا اس کے شواہد کچھ اور بھی ہیں۔

ع۔علی (کراچی) کا بیان ہے کہ:

میں پانچ برس سے بے حد پریشان ہوں۔ میرے گھر کے ایک حصے پر کسی جن یا کسی بزرگ کا قبضہ ہے۔ (خانہ خالی را دیوی گیرد) غریب خانہ دو کمروں اور ایک صحن پر مشتمل ہے، ایک کمرے میں کوئی نادیدہ مخلوق رہتی ہے۔ میری بیوی سے اس کا اصرار یہ ہے کہ تم اس حصے کو خالی کر دو۔ ہم اس کمرے میں صرف فالتو چیزیں رکھتے ہیں۔ البتہ دونوں وقت اس کمرے کی باضابطہ صفائی کی جاتی ہے۔ 15 مئی 1973ء کا واقعہ ہے کہ اہلیہ اس کمرے کی صفائی کر رہی تھیں کہ عجیب سی خوشبو آنے لگی۔ جیسے کسی نے اگربتی سلگا دی ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بہت دن سے نہ لوبان جلایا ہے، نہ اگربتی! اس نام کی کوئی چیز ہمارے گھر میں موجود نہیں، بیوی نے مجھے آواز دی میں کمرے میں گیا تو کمرہ اگربتی کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ خدا جانے یہ اگربتیاں کہاں سے جل رہی تھیں؟ یہ عرض کر دوں کہ اس جناتی کمرے میں ہمارے مرحوم بچے کی پلنگڑی رکھی تھی، جو ایک سال پہلے ہنستا کھیلتا فوت ہو گیا تھا یہ پلنگڑی اس کی یادگار رہ گئی ہے۔ میں نے بیوی سے کہا کہ بچے کی پلنگڑی بھی یہاں سے ہٹا دو۔ تھوڑی دیر میں بیوی بے ہوش ہو گئی۔ میں نے کچھ سورتیں پڑھ کر دم کیں، جب ہوش

آیا تو اس نے بمشکل بتایا کہ ایک سفید پوش اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا، سفید پوش نے اس کی گردن پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں نے تم سے جان (معصوم بچے) اور مال (مجھے ستر ہزار روپے کا نقصان ہوا ہے اور تقریباً بیس ہزار کا قرض دار ہو گیا ہوں) دونوں چیزیں لے لی ہیں۔ تم یہ کمرہ خالی کر دو، ورنہ تمہیں بھی مار ڈالوں گا۔

☆.....☆.....☆

شاہ جن

ایک اور صاحب کا بیان ملاحظہ ہو:

ایک حاجی صاحب میرے واقف کار ہیں۔ان کے پاس کوئی شخص آیا کہ لڑکی پر جن کا دورہ پڑ گیا، آپ جن اتار دیں۔ چنانچہ حاجی صاحب جن اتارنے کے لئے چلے۔ میں بھی ساتھ ہو گیا کہ جن اتارنے کا عجیب وغریب نظارہ بچشم خود دیکھوں۔ حاجی صاحب جن زدہ مریضہ کے یہاں پہنچے۔ بارہ سال سے کم عمر کی ایک بچی کو بلایا، پیالے میں سیاہی گھولی، بچی سے کہا کہ تم سیاہی میں اپنا چہرہ دیکھو، جب بچی کو چہرہ نظر آنے لگا تو حاجی صاحب نے کچھ پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے بچی سے پوچھا کوئی آیا۔ اس نے کہا چند آدمی آئے ہیں، جھاڑو دے رہے ہیں۔ اب وہ کرسی بچھا رہے ہیں۔ اب جنات کا بادشاہ آ گیا ہے، کرسی پر بیٹھ گیا۔ حاجی صاحب نے با آواز بلند شاہ جن کی خیریت مزاج دریافت کی۔ بچی نے جواب دیا، حضرت کہتے ہیں کہ خیریت سے ہوں۔ حاجی صاحب نے کہا کہ آخر آپ معصوم بچی کو کس لئے پریشان کر رہے ہیں۔ اس نے کیا خطا کی ہے؟ شاہ جن نے (بچی کی زبان سے) جواب دیا کہ فلاں جگہ میرے لوگ (جن) بیٹھے تھے کہ اس نے پیشاب کر دیا۔ حاجی صاحب نے کہا کہ یہ انسان ہے، آپ لوگ جن ہیں۔ نظر نہیں آتے اسے کیا معلوم کہ کہاں جنات بیٹھے ہیں؟ اس کا قصور معاف کر دو، اسے چھوڑ دو، اپنے جنوں کو سمجھا دو، ورنہ میں سب کو قید کر دوں گا۔ شاہ جن نے کہا بہتر، ہم لڑکی کو چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ جن زدہ لڑکی ہوش میں آ گئی ایک دوسری مجلس میں حاجی صاحب نے اسی طرح (کسی بچی کے ذریعے) شاہ جن کو بلا کر کہا کہ اپنے جنوں کو میرے گھر بھیجو اور ان سے کہو کہ خیر خبر لے کر آئیں۔ تقریباً بیس منٹ بعد (بچی کے ذریعے) جنات نے بتلایا کہ واپس آ گئے ہیں۔ جناب! آپ کے گھر بالکل خیریت ہے۔ میری ہمشیرہ کا بیٹا یعنی میرا بھانجا جرمنی میں ہے۔ میں نے حاجی صاحب سے درخواست کی کہ وہ جنات کے ذریعے اس کی خیریت منگوا دیں۔

رئیس صاحب! سب سے زیادہ الجھن میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ حاجی صاحب نے اپنی معمولہ بچی (جسے پیالے میں سیاہی کو دیکھنے کا حکم دیا تھا) کو اس کی مرحومہ ماں سے ملا دیا، بچی کو ماں نظر آ گئی۔ آخر یہ سب کیا قصے ہیں؟ خط مورخہ 26 مارچ 1973ء (سلطان محمود قاضی، سیٹلائٹ ٹاؤن)۔

جنات کو حاضر کرنے کا یہ طریقہ (جس کی تفصیل سلطان محمد قاضی نے بیان کی ہے) برکوچک میں صدیوں سے رائج ہے۔ چراغوں کے سامنے بیٹھنا کسی سیال چمک دار چیز پر پلکیں جھپکائے بغیر تکنا۔ ان تمام عملیات سے حساس آدمیوں پر تنویمی کیفیت طاری

ہو جاتی ہے، اور اس تنویمی کیفیت میں کبھی جنات نظر آتے ہیں، کبھی روحیں۔ ہو سکتا ہے کہ بہت حد تک یہ نظارے عامل کی ترغیب کے نتیجے میں معمول کو نظر آتے ہوں تاہم اب تمام نظاروں کا ایک خارق العادت پہلو ہے ضرور! اس کو فقط کھیل تماشا کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کم سن لڑکیاں اور لڑکے جنات اور ارواح کے بہترین معمول ثابت ہوتے ہیں۔ خصوصاً لڑکیاں! غالباً ان کا سبب یہ ہو کہ عام طور پر لڑکیاں نیوراتی اور اعصابی مزاج کی مالک ہوتی ہیں، یعنی بہت جلد ان کا شعور معطل ہو سکتا ہے۔ آپ شمیم صدیقی کے بیانات پڑھ چکے ہیں آپ نے خود اندازہ کر لیا ہوگا کہ وہ کس شدت سے نیوراتی اور جذباتی واقع ہوئی ہے۔ اب مس فاروقی کی سرگزشت سنئے، کہتی ہیں کہ میں تقریباً چار مہینے سے ماموں کے گھر مقیم ہوں، جس کمرے میں سوتی ہوں۔ وہ کچھ پراسرار سا ہے۔ عجیب و غریب خواب نظر آتے ہیں۔ ایک ہفتہ تک یہ خواب نظر آتا رہا کہ ایک ہندو جوگن (جس کا جوڑا بندھا ہوا ہے) میرے قریب کھڑی ہے۔ کبھی وہ پائنتی کی طرف نظر آتی ہے، کبھی داہنی طرف، کبھی بائیں طرف، آخر ایک روز میری آنکھ کھل گئی تو دیکھ کر وہ ہندو جوگن (جو خواب میں نظر آ رہی تھی) بحالت بیداری سامنے کھڑی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ:

تو اللہ کی جو بھی مخلوق ہے چلی جا، یا جس کام کے لئے آئی ہے وہ کام کر، کیونکہ میں خود زندگی سے بیزار ہوں۔ ہندو جوگن (چڑیل) نے اس فقرے کا کوئی جواب نہیں دیا اور بدستور خاموش کھڑی رہی۔ تب میں نے اس سے پوچھا کہ اچھا یہ بتا کہ میری مامی پر جو مقدمہ چل رہا ہے۔ اس کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگا یا نہیں؟ تو اس نے اثبات میں جواب دیا اور چلی گئی۔

اس کے علاوہ اکثر بلیاں میرے پلنگ پر چڑھ جاتی ہیں دو تین بار تو ایسا ہوا کہ ایک بلی نے میرا گلا دبا دیا۔ بلی اکثر میرے پلنگ کے نیچے آ کر روتی ہے۔ رئیس صاحب آخر یہ سب کچھ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے، کون کر رہا ہے؟

مس فاروقی کو ہفتہ بھر تک جو چڑیل خواب میں نظر آتی رہی تھی۔ وہ بیدار ہونے کے باوجود بڑی دکھائی دی۔ کیسی عجیب بات ہے یہ؟ کیسا عجوبہ بیان ہے یہ؟ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب مس فاروقی چڑیل کو خواب میں دیکھ کر بقول خود بیدار ہوئیں تو وہ اس وقت بھی بیدار نہ تھیں۔ خواب کے تسلسل میں کبھی کبھی ایک ایسا واقعہ آ جاتا ہے کہ آدمی اپنے کو بیدار تصور کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ اس وقت بھی اس پر بیدار نما خواب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اب رہا بلیوں کا مسئلہ، تو عجیب تر یہ ہے کہ جہاں جن ہوں گے، وہاں بلیاں اور سانپ ضرور ہوں گے۔ بلیوں کی کسی زمانے میں پرستش کی جاتی تھی اور گربہ پرستوں کا عقیدہ یہ تھا کہ سیاہ بلی۔ انجان خوفناک طاقتوں کی نمائندگی کرتی ہے اور سانپ تو دیوی ہے۔

☆☆☆

باجوڑ کا جادوگر

محمد علی (ایم بی بی ایس) پشاور یونیورسٹی کہتے ہیں کہ:

ایک عجیب وغریب معاملے سے واسطہ پڑا ہے۔ میں نے خود نفسیات کا مطالعہ کیا ہے۔ مگر اس کیس کی تشریح سے قاصر ہوں، اس لئے آپ کی طرف رجوع ہوا ہوں۔ ہمارے علاقے باجوڑ میں ایک شخص ہے۔ ان پڑھ، جاہل اور بدشکل۔ تاہم حیرت انگیز کمالات کا مالک ہے۔ یہ پراسرار بوڑھا نہایت سادہ زندگی بسر کرتا ہے۔ بوڑھے کا بیان ہے کہ میرے قبضے میں جن ہیں۔ میں جنات کے نادیدہ وجود کا قائل نہیں۔ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ جنات معاشرے کے وہ لوگ ہیں۔ جو خود پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس بوڑھے کا دعویٰ ہے کہ جن اس کے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔ مثلاً اس سے کہا جاتا ہے فلاں اور فلاں چیز منگوا دو۔ وہ چیز غیب سے فوراً نمودار ہو جاتی ہے۔ مثلاً پھل، قلم، اسلحہ اور کارتوس! ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اس چیز کی دگنی تگنی قیمت وصول کرتا ہے۔ حتیٰ کہ لوگ اس بوڑھے کے موکلوں کے ذریعے درے سے کارتوس منگواتے ہیں اور وہ آ جاتے ہیں۔ اس معاملے کو نظر بندی بھی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ وہ چیز منگوائی جاتی ہے۔ وہ حسنہ آ جاتی ہے اور آپ اسے استعمال بھی کرتے ہیں، میں نے خود اس کے کمالات دیکھے۔ میرے سامنے اس بوڑھے شخص نے کسی سے کہا کہ میں نے افغانستان کے نوٹ نہیں دیکھے، ایک بنڈل تو منگوا دو، واپس کردیں گے۔ ایسا ہی ہوا ایک دفعہ اسے پشاور بلوایا تا کہ فوجیوں کے سامنے اپنے کمال کا مظاہرہ کرے، فوجیوں نے اسے توپیں اور ٹینک دکھائے۔ اس نے کہا کہ اب میری طاقت دیکھو۔ میں جرمنی سے بم منگواتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں فوجیوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے بم کے گولوں کا ڈھیر لگ گیا ہے، میجر گھبرایا۔ اس نے کہا کہ انہیں غائب کردو، کہیں پھٹ نہ جائیں۔ چنانچہ وہ غائب ہو گئے، اس کا دعویٰ ہے کہ یہ سارے کام میرے موکل یعنی جنات کرتے ہیں۔ محمد علی صاحب میرا یہ خیال ہے کہ وہ باجوڑ کا جادوگر سچ ہی کہتا ہے۔ یہ کام جنات ہی کرسکتے ہیں۔ انسانوں کے بس میں نہیں کہ چشم زدن میں بغیر کسی مادی واسطے اور ظاہری وسیلے کے افغانستان سے نوٹوں کا بنڈل اور جرمن میگزین سے بم منگوا لیں۔ محمد علی نے جو واقعہ بیان کیا ہے، یہ اپنی نوعیت کا کوئی پہلا واقعہ نہیں۔ بلاشبہ اس قسم کے کمالات دیکھنے میں آتے ہیں اور آج بھی بہت سے لوگ اس کے عینی شاہد موجود ہیں۔ میرے دوست جناب گل حسن رضوی نے کہا کہ (ٹنڈو الہ یار میں مقیم ہیں) بیان کیا کہ ایک ناخواندہ سندھی کے قبضے میں ایک پری زاد ہے اور وہ اس سے حسب مرضی کام لیتا ہے۔ ایک مرتبہ گل حسن صاحب نے اس سندھی کو اپنے مکان پر بلایا اور پری زاد کی حاضری پر رضامند کرلیا۔ گل حسن کا بیان ہے سندھی عامل نے اجنبی زبان میں کچھ پڑھنا شروع کیا اور چند منٹ بعد سفید پارہ ابر کی صورت میں وہ پری زاد ان کے

سروں پر نمودار ہو گئی۔ گل حسن نے اس سے کلام بھی کیا اور کچھ کام بھی لینا چاہا۔ مگر اپنی ناتجربہ کاری کے سبب کامیاب نہ ہو سکے۔

جلیس احمد شاد (خط مورخہ 3 مارچ 1973ء) کا بیان ہے کہ:

میں پہلے عشق کو خلل دماغ تصور کرتا تھا۔ تین سال ہوئے کہ خود اس خلل دماغ میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت سے اب تک ہر لمحہ محسوس کرتا ہوں (چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے) کہ کوئی نادیدہ وجود میرے ساتھ ہے:

کسی نے پیچھے سے قہقہہ مارا
یہ اندھیرے میں کون ہے مرے ساتھ
کون آیا مرے تعاقب میں
وہی فکر و خیال کے جنات

متعدد بار یہ احساس ہوا کہ وہ وجود نادیدہ میری مسہری کے پاس کھڑا ہے۔ چھو کر دیکھا تو پایا۔ سونگھا تو بالکل نرگس کی مہک سے دماغ معطر ہو گیا، یہ مہک ہر وقت مشام جان کو معطر رکھتی ہے۔

مشام جاں معطر جس کی بوئے پیرہن سے ہے
نہیں معلوم یوسف کو نسبت کس وطن سے ہے

ان مباحث میں آپ کتنی خوشبوئیں سونگھ چکے ہیں۔ حاضرات کے جتنے عمل ہوئے ہیں۔ ان میں لوبان سلگانا، اگربتیاں جلانا، عطریات لگانا، بخورات روشن کرنا، شاید اس لئے ضروری ہے کہ عالم مثال کی مخلوقات (مثلاً جن، فرشتے اور ارواح) خوشبو کی طرف کھینچتی ہے اور جبکہ ارواح خبیثہ کار، جحان بدبودار چیزوں کی طرف ہوتا ہے۔ مثلاً خون، شراب اور دوسری ناپاک چیزیں۔

☆......☆......☆

جنات کی خوراک

آپ نے اس کتاب میں پڑھا ہوگا کہ مابعد الحیاتیات (ایکسوبیالوجی) کی رو سے ایسی مخلوقات ہو سکتی ہیں جو محض توانائی پر زندہ رہ سکے، یعنی اشیائے غذائی کو سونگھ کر اس کی توانائی جذب کرلے۔ اس سلسلے میں مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ میرے نانا سید کرار حسن مرحوم کے بھائی سید جرار مرحوم کے مراسم ایک بزرگ جن سے تھے، سنا ہے کہ ایک مرتبہ نانا سید جرار حسن مرحوم نے ان بزرگ جن سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول فرمالیں۔ بڑی رد وقدح کے انہوں نے حامی بھرلی، یعنی دعوت قبول کرلی۔ نانا سید جرار مرحوم نے ایک سوال کیا کہ آپ کھانے میں کیا چیز پسند فرمائیں گے؟ انہوں نے فرمایا جو کی روٹی، پنیر اور کافور، نانا مرحوم نے بڑے اہتمام کے ساتھ جو کی روٹی تیار کرائی اور پنیر اور کافور کے ساتھ ان کی خدمت میں پیش کردی۔ دوسرے تیسرے روز ان بزرگ نے کھانے کے جو برتن واپس کیے تو نانا مرحوم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جو کی روٹیاں اور کافور اور پنیر تینوں خاکستر بن کر رہ گئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا؟ کہا کہ ہم آپ کی طرح کھایا نہیں کرتے۔ صرف سونگھا کرتے ہیں اور سونگھ کر ہر شے کی غذائی طاقت جذب کرتے ہیں۔ یہ جو نذر و نیاز کا رواج ہے اس کی پشت پر یہی نظریہ کار فرما ہے کہ روحیں ان غذاؤں کی توانائی سے شکم سیر ہوجاتی ہیں۔

ح۔ (حیدرآباد سے) لکھتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ میری شریک حیات (ن) اسکول سے پڑھ کر آرہی تھی گھر آکر چیخ ماری اسی سے لیٹ گئی اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگی۔ اس نے کہا کہ ایک نہایت بھیانک صورت میری طرف بڑھ رہی ہے۔ دن میں دو تین مرتبہ یہ دورہ پڑتا اور وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی، دورے کے دوران اس کی آواز مردانہ ہوجاتی۔ عامل حضرات نے بتایا کہ اس پر جن کا اثر ہے۔ سوال کیا گیا کہ تم اس بچی کو کیوں ستاتے ہو جواب ملا (ان کے ذریعے) کہ اس نے ہمارے چالیس انڈے کھالئے ہیں۔ یہ عجیب بات تھی، جنات کے چالیس انڈے اور ایک بچی کھا جائے! تنگ آکر ڈاکٹروں کو دکھایا۔ انہوں نے رپورٹ میں کسی دماغی خلل کا ذکر نہیں کیا۔ ریڑھ کی ہڈی کا معائنہ کیا گیا، وہ بھی صحت مند تھی۔ مختصر یہ کہ چند روز کے بعد دورے پڑنے بند ہوگئے۔ سال بھر بعد یہ ہوا کہ گھر میں کوئی تقریب تھی۔ (ن) نے نئے کپڑے پہنے اور فوراً دورہ پڑ گیا، دورے کی حالت میں پہلے جھومتی تھی۔ پھر ہاتھ پاؤں شل ہوجاتے اور جسم بے جان، آنکھیں اوپر چڑھ جاتیں، جبڑے سختی سے بھنچ جاتے۔ یہ واقعات شادی سے قبل کے تھے۔ آج سے ایک مہینے پہلے "ن" کی وہی کیفیت ہوگئی۔ (ح) نے سوال کیا کہ رئیس صاحب! مشورہ دیجئے کہ اس صورت میں کیا کیا جائے۔ ہر قسم کا علاج کرایا گیا مگر ناکامی ہوئی۔

☆......☆......☆

ہم زاد

ہمزاد کا شمار بھی جنات ہی میں ہوتا ہے۔عوام کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر بنی آدم کے ساتھ، جن کے یہاں بھی ایک فرزند پیدا ہوتا ہے اور وہ آدم زاد کا ہمزاد ہوتا ہے۔اس روایت کا تعلق جنات کے الاضام (متھالوجی) سے ہے۔اب آیئے اس سلسلے میں لوگوں کے تجربات پیش کریں۔خان محمد ڈرائیور نیو پنجاب سوپ فیکٹری سرگودھا سے لکھتے ہیں:

آپ نے لکھا ہے کہ میری اجازت کے بغیر ہمزاد کی تسخیر کا عمل نہ کریں ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔محترم! اگر آپ کی اجازت اور رہنمائی کے بغیر تسخیر ہمزاد کے عمل کا ارادہ ہوتا تو آپ کو اطلاع ہی کیوں دیتا۔مجھے اعتراف ہے کہ میں اس حیرت انگیز دنیا کے اسرار و رموز اور عالم نادیدہ کی پیچیدہ نیم تاریک گھاٹیوں سے باخبر نہیں، تاہم جنات کی تصانیف کے مطالعے سے اس حقیقت کا اندازہ ضرور ہو گیا ہے کہ اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں۔

اب عمل ہمزاد کا طریقہ عرض کرتا ہوں کہ تعمیل ارشاد کے بغیر نہیں۔ارتکاز توجہ کی مشقوں کی طرح ہمزاد کے عملیات میں بھی یکسوئی۔انہماک، عزم و ارادے کی پختگی کی ضرورت ہے۔اس کے ساتھ تسخیر ہمزاد کا یقین محکم ہونا چاہئے۔قوت متخیلہ (خیال کی قوت) جس قدر تیز ہوگی۔اس عمل میں اسی قدر جلد کامیابی کا امکان ہے۔یہ عامل کی قوت ارادی ہی ہے جو ہمزاد کو سر تسلیم خم کر دینے پر مجبور کرتی ہے۔عمل کے زمانے میں نفس کی طہارت اور جسم کی پاکیزگی پر خاص توجہ رکھنی چاہئے۔اس زمانے میں گوشت، دودھ، لسی، مکھن، لہسن، پیاز اور منشیات ممنوع ہے، ہم بستری کی بھی اجازت نہیں۔البتہ تسخیر ہمزاد کے بعض عملیات میں دودھ، گھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔دوران عمل کھانے میں غذا کا کچھ حصہ الگ کر کے زمین پر ڈال دینا چاہئے۔تصور یہ ہو کہ یہ ہمزاد کا حصہ ہے۔عامل کا فرض ہے کہ وہ اپنی موت سے قبل ہمزاد کو آزاد کر دے۔ورنہ وہ عمر بھر کی زحمتوں کا بدلہ عامل کی لاش کی بے حرمتی کر کے لے سکتا ہے، البتہ جس ہمزاد کو محدود مدت کے لئے مسخر کیا جاتا ہے۔وہ معیار تسخیر ختم ہونے پر خود بخود آزاد ہو جاتا ہے۔ہمزاد کو آزاد کرنے سے قبل اس کی دعوت بھی کرنی چاہئے اور اس سے اپنی زیادتیوں اور زبردستیوں کی معافی مانگنی چاہئے۔بہتر یہ ہے کہ عامل کے جسم کا کوئی حصہ کٹا ہوا، ناقص یا معطل نہ ہو (مطلب یہ ہے کہ عامل، ہمزاد کو صحیح الاعضا ہونا چاہئے) عمل میں وقت اور جگہ کی پابندی بھی ضروری ہے۔عامل کے ناجائز مطالبات اور پریشان کن ہدایات سے ہمزاد خوش نہیں ہوتا۔بے شک وہ وقتی طور پر حکم کی تعمیل کر دے گا، لیکن موقع کی تاک میں رہے گا۔جوں ہی عامل اس کی گرفت میں آیا وہ اسے سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے گا۔عمل کی مقررہ مدت ختم ہونے پر یا اس سے پہلے جب ہمزاد حاضر ہو کر پوچھے کہ اسے کیوں طلب

کیا گیا ہے تو عامل کا فرض ہے کہ وہ اس سے باضابطہ معاہدہ کرے۔ اس معاہدے کی ہر شرط واضح اور قطعی ہونی چاہئے۔ یعنی تم اتنی مدت تک مسخر (زیر فرمان) رہو گے۔ فلاں فلاں کام کرو گے۔ فلاں فلاں کام تم سے نہیں لئے جائیں گے۔ تم سے کسی مجرمانہ کام میں اعانت نہیں لی جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ، جب ہمزاد ان باتوں کو تسلیم کرلے (اور یقیناً وہ تسلیم کرلے گا۔ کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں) تب اس سے خدمت لینی چاہئے۔ ہرگز معاہدے میں کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہئے جو آگے چل کر عامل کی پریشانی اور پشیمانی کا سبب بن جائے آپ ہمزاد سے کوئی ایسی فرمائش نہ کریں۔ جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ اس قسم کی فرمائشوں سے وہ بدمزاج ہوسکتا ہے اور اس حد تک سرکشی پر آمادہ ہوسکتا ہے کہ عامل کے جائز احکام کی تعمیل سے بھی انکار کردے۔ عمل ہمزاد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ سفلی اور علوی (نیک و بد) سفلی عمل سے کالا ہمزاد تابع ہوتا ہے۔ علوی عملیات سے سفید ہمزاد! کالا ہمزاد ہر قسم کی مجرمانہ سرگرمیوں میں بخوشی حصہ لے سکتا ہے۔ کالے ہمزاد کے عامل کو ہمیشہ نجس اور ناپاک رہنا چاہئے۔ جب تسخیر ہمزاد کا چلہ کھینچا جاتا ہے تو طرح طرح کے مہیب مناظر رونما ہوتے ہیں۔ مثلاً قیامت خیز آندھی چل رہی ہے، تباہ کن زلزلہ آرہا ہے، خون کی بارش ہو رہی ہے، اژدھے حملہ کررہے ہیں۔ الغرض عامل کو ایسے نظارے دوران عمل دکھائی دیں گے کہ کلیجہ پھٹ جائے لیکن درحقیقت یہ سب التباس نظر ہے۔

☆......☆......☆

خواجہ حسن نظامی

حال ہی میں خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خود نوشت واقعہ نظر سے گزرا، جس کا تعلق تسخیر ہمزاد سے ہے۔ افسوس کہ میں نے اس تحریر کو محفوظ نہیں رکھا۔ واقعے کی جزئیات تو یاد نہیں، البتہ عمومی تاثر یاد ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک کوٹھری میں حصار کھینچ کر عمل تسخیر ہمزاد شروع کیا۔ وہ چھلانگ لگا کر کوٹھڑی کے فرش پر اتر آیا۔ پھر اسی طرح کی ایک دوسری مخلوق آن کودی۔ دونوں آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ کہا، کیا ہی اچھا ہو کہ پوریاں پکائی جائیں، اچھا تو پھر پوریوں کا سامان لے کر آئیں، پھر وہ دونوں اچھلے اور فضا میں بلند ہو کر روشن دان کے راستے نکل گئے۔ کچھ دیر بعد پھر اسی روشن دان کے ذریعے اندر داخل ہوئے۔ اس مرتبہ وہ پوریاں تلنے والی کڑھائی لے کر آئے تھے، کڑھائی چڑھا دی۔ اس میں خود بخود تیل نمودار ہو گیا، پھونک ماری تو آگ کے شعلے بھڑکنے لگے، تیل ابلنے لگا۔ ابلتے ہوئے تیل میں زندہ چوہا نظر آیا۔ ایک ہمزاد نے دوسرے ہمزاد سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ اس شخص (خواجہ حسن نظامی) کا سر کاٹ کر تیل میں پکایا جائے۔ خواجہ حسن نظامی کی یہ تحریر سیارہ ڈائجسٹ کے کسی خاص نمبر میں شائع ہوئی تھی۔ افسوس کہ مجھے اس کی تفصیلات یاد نہیں رہیں۔ عام طور پر عامل ہمزاد کو عملیات کے دوران اسی قسم کے نظاروں سے محظوظ یا متحیر ہونا پڑتا ہے۔

☆.....☆.....☆

جوش ملیح آبادی

اس کی تفصیل جوش ملیح آبادی صاحب سے سنیئے۔ انہوں نے اپنا یہ خواب "یادوں کی برات" میں نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ: خدا خدا کر کے نیند آئی، تو خواب دیکھا کہ سامنے بہت بڑا میدان ہے۔ جہاں خیمہ نصب کرنے کے لئے میخیں ٹھوکی جا رہی ہیں، کھٹا کٹ کھٹا کٹ کھٹا کٹ! اس کے بعد ایک دل بادل خیمہ نصب کر دیا گیا ہے۔ خیمے کے اندر باہر بڑے بڑے گیس کے ہنڈے روشن کئے جا رہے۔ اس کے بعد دس پندرہ فراش آ گئے اور بڑی بڑی دریوں کو زور زور سے جھٹکا کر بچھا رہے ہیں۔ دریوں کے جھٹکے جانے سے گرد اڑ رہی ہے۔ گرد سے مرچوں کی دھانس آ رہی ہے ایک کچھوا ڈاڑھی کا فراش چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ ابے رمضیا! سالے زندہ ہے مر گیا؟ ارے اگال دان لا اگال دان! اب کچھ لوگ خیمے میں داخل ہو رہے ہیں۔ ان کی ٹوپیاں دو دو گز لمبی ہیں۔ ٹوپیوں پر مرغے کڑھے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگوں کے سروں پر بڑے بڑے کالے پگڑے ہیں پگڑوں پر بڑے بڑے اگیا، بتیال بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں ان کے جسموں پر چیتے کی کھال منڈھی ہوئی ہے، جوتوں کی ڈوریوں میں مگرمچھ بندے ہوئے ہیں ان کی جیبوں سے بار بار بندر جھانک رہے ہیں بندروں کی گردن میں ناگوں کے مفلر پڑے ہوئے ہیں، اور جب وہ لوگ بیٹھ گئے قالینوں پر تو بیٹھتے ہی ان کی ناکیں دفعتاً چھ چھ فٹ لمبی ہو گئیں اور ناکوں کی چونچوں پر ریچھ ناچنے لگے او ہو۔ ایک مشعلچی بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کی ٹھڈی پر لنگور کی دم جیسی پتلی داڑھی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے ایک پورا طائفہ چلا آ رہا ہے بڑے زبردست ہنگامے کے ساتھ! طائفہ خیمے کے بیچوں بیچ آ کر بیٹھ گیا حاضرین حقہ پینے اور سازندے ساز ملانے لگے۔ سازوں کے ملانے سے دو خونخوار بلیوں کے لڑنے کی آوازیں آنے لگیں اور حقوں کے کڑاکے ایک دوسرے کو فحش گالیاں دینے میں سرگرم ہو گئے، گانے والی سامنے آئی، اس کا منہ گھونس کا سا تھا اس کے دونوں ہاتھوں میں کھڑاویں بندھی ہوئی تھی سارنگیا تانت کی طرح پتلا اور تاڑ کی طرح لمبا ہے۔ طبلچی اس قدر موٹا ہے کہ پندرہ گز زمین گھیرے بیٹھا ہے اور وہ اپنے سونڈوں کے سے ہاتھوں سے دھما دھم طبلہ بجا رہا ہے اس کے طبلے کی تھاپ گیس کے ہنڈے چٹختے جا رہے ہیں گھونس کی شکل والی مغنیہ گا نہیں رہی چیخ رہی ہے اور اس کے منہ سے موٹے موٹے کوے نکل کر قائیں قائیں کر رہے ہیں اتنے میں یہ دیکھا کہ مشکل سے دو بالشت کا ایک بونا گل مچھے رکھے مٹکتا چلا آ رہا ہے اس کے گلے میں ایک بڑی سی دیگ لٹکی ہوئی ہے اور وہ لوہے کے ایک ٹکڑے سے اس دیگ کو ٹن ٹن ٹن ٹن بجا کر تال دے رہا ہے۔ اتنے میں دیکھتا ہوں اس دیگ سے ایک برہنہ کود پڑا اور جھانجین بجانے لگا اور جھانجین اس زور سے بجنے لگیں کہ مجھ بدبخت کی آنکھ کھل گئی دیکھا گھڑی 3 بجا رہی ہے۔

جوش صاحب کے اس دلچسپ خواب کی تفصیل اس لئے نقل کی گئی کہ میں بار بار بیداری کی حالت میں ان مجیب مضحکہ خیز اور بعض اوقات مہیب مناظر کو دیکھ چکا ہوں تسخیر ہمزاد کے عمل کے دوران اس طرح کے صدہا نظارے آپ کے سامنے پیش ہوں گے آپ نہ ان سے ڈریں، نہ اظہار حیرت کریں، بس دیکھتے رہیں:

بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

ہمزاد کی برادری میں آ گیا بتیال کا قبیلہ شامل ہے۔

☆......☆......☆

احسان دانش

آ گیا بتیال کی شعبدہ نمائیوں کا ماجرا جناب احسان دانش سے سنئے، وہ اپنی بے حد دلچسپ و دل نواز آپ بیتی "جہاں دانش" میں لکھتے ہیں کہ:

کیرانہ کے لوگ نسلاً شریف اور عملاً لڑاکا ہوتے ہیں۔ نہایت خوش مزاج اور وفادار بھی پائے گئے ہیں، ہم چائے پیتے رہے اور گپ لگتی رہی۔ شام ہونے کو آئی تو میں نے شجاعت سے اجازت چاہی اس نے کہا کہ:

میاں! میں نے گھر کھانے کے لئے کہہ دیا ہے۔ اب تو آپ کھانا کھا کر جاسکیں گے۔

میں نے کہا۔ رات ہو جائے گی، پھر کہاں جانے کا وقت رہے گا۔ دو گھنٹے خاموشی سے سفر کرنا میرے بس کی بات نہیں۔

اس پر شجاعت نے کہا، میں ساتھ چلوں گا۔ اب ٹھیک ہے نا؟

میں مطمئن ہو گیا شجاعت میرے ساتھ جائے گا اب کیا فکر ہے؟ چنانچہ ہم رات کا کھانا کھا کر گیارہ بجے کے قریب سو کر کیرانہ سے کاندھلہ کی طرف چل دیئے۔ چاند ہم دونوں کے سروں پر ساتھ چل رہا تھا اور جنگل کی خاموشی، چاندنی میں گھل مل کر پھیل رہی تھی۔ ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ایک دوسرے کو اپنے انتخاب کے اشعار سناتے جا رہے تھے۔ اونچے گاؤں کے سامنے میں نے بابو رام کو آواز دی، وہ شاید دن بھر کی مشقت سے تھک ٹوٹ کر بے خبر سو رہا تھا۔ اس طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے دوبارہ آواز دی تو باغ کا چوکیدار نمودار ہوا۔ اس نے کہا وہ سارا دن سفیدے کے بچے پودا لگاتا رہا، اس لئے تھک ہار کر سو رہا ہے۔ ہم آگے بڑھ گئے اور چوکیدار سے کہہ دیا کہ صبح اسے بتا دینا۔ رات احسان آیا تھا، دیر ہو گئی تھی۔ اس لئے تمہیں جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اونچے گاؤں اور جڈانہ کے درمیان، شیخ چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سامنے ایک برساتی نالے کی پلیا کی بلندی دو ڈھلواں بناتی ہے۔ سڑک کے دونوں طرف جمودیوں کے درخت خاموش تھے، جیسے جنازہ گاہ کے صحن میں متقیوں نے نماز کی نیت باندھ رکھی ہو۔ درختوں سے ذرا فاصلے پر دور تک دہ زمین کے صحن میں آخری حاشیئے پر تھوڑے تھوڑے بے کٹے کھیتوں کے تابوت سے باقی تھے۔ اس سونی اور بے حس رات میں جب ہم پلیا پر پہنچے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ارمتی، پلیا پر ستانے لگا۔ شجاعت نے کہا کہ چلو یہ ستانے کا وقت نہیں ہے، گھر چل کر آرام کریں گے۔ میں نے کہا ٹھہرو۔ ذرا اس نعمت سے محظوظ تو ہونے دو جو ہمارے اردگرد پھیلی پڑی ہے۔ شجاعت خاموش ہو کر میرے قریب بیٹھ گیا ہم دونوں چاندنی اور خاموشی کے آمیزے میں کھو گئے۔ ابھی ہم دونوں میں سے کسی کی خاموشی میں درز نہیں کھلی تھی کہ سڑک کے ذرا پرے ایک اونچے درخت کی چوٹی

سے کوئی بھاری چیز پتوں اور شاخوں میں کھڑ بڑ کھڑ کرتی دھم سے زمین پر گری۔ جیسے کوئی اناج کی بوری پھینک دے۔ میں نے شجاعت سے کہا، یہ کیا ہے؟

شجاعت: جو کچھ بھی ہو بس یہاں سے چل دو۔

میں: دیکھ تو سہی۔ آخر یہ ہے کیا؟

شجاعت: کیا ہو گا دیکھ کر۔ بس اٹھ چلو

میں: چلیں گے تو سہی، مگر یہ معاملہ تو کھلے کہ یہ ہے کیا؟

شجاعت: یہی بات ہے تو آ ذرا اٹھو۔

ہم دونوں لٹھ تانے اس کی طرف بڑھے۔ جب قریب پہنچے تو تقریباً دس فٹ کے فاصلے سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز ہے جو کمہار کے چاک کی طرح گھوم رہی ہے اور رفتار کے باعث اس کی ساخت اور خدوخال معلوم نہیں ہوتے۔ ہم وہیں رک گئے اور برابر نظریں گاڑے دیکھتے رہے۔ وہ ہمارے دیکھتے دیکھتے کم ہونے لگی اور رفتہ رفتہ غائب ہو گئی۔ جیسے ایک بگولہ چکرا کر گم ہو جائے۔ ہم دونوں دھڑکتے ہوئے دلوں سے واپس آئے۔ اب ہمارا یہ عالم تھا کہ پتا بھی کھڑکتا تو شبہ ہوتا تھا کہ وہی بلا تعاقب کر رہی ہے۔

☆......☆......☆

آ گیا بیتال

میں اور میرا دوست کیرانہ سے گنگیرو کے راستے کاندھلہ آنا چاہتے تھے۔ شام ہوگئی تو راستہ بھول گئے۔ اب اندھیری رات تھی اور چاروں طرف کھیت ہی کھیت جن پر اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور گردوپیش کا ماحول مرتشی کے ضمیر کی طرح تاریک اور بد معاشوں کے منصوبے کی طرح مخدوش اور مشکوک ہو چکا تھا۔ لیکن ہم ان اندھے راستوں پر اٹکل پچو چلے جا رہے تھے۔ گھبراہٹ بالکل نہیں تھی ہمارا خیال تھا کہ کسی وقت بھی سہی، گھر ضرور پہنچ جائیں گے۔ ایک طرف کو جو نظر اٹھی تو معلوم ہوا کہ قریب قریب آدھے فرلانگ پر آگ جل رہی ہے۔ خیال گزرا کہ یہ ضرور کسانوں کا ڈیرہ یا رکھوالوں کا ٹھکانا ہوگا۔ پھر خیال ہوا کہ اگر یہ خانہ بدوشوں کا قافلہ ہو تو وہ لوگ کپڑے تک چھین لیں گے اور گھر ننگے جانا پڑے گا، لیکن پھر سوچا کہ کھیتوں میں خانہ بدوشوں کا کیا کام؟ وہ تو سڑک کے آس پاس یا کسی میدان میں ڈیرے ڈالتے ہیں۔ ہم اس آگ کی سیدھ باندھ کر چلنے لگے۔ جب چلتے وقت پون گھنٹے کے قریب ہو گیا تو آگ بجھ گئی اور ہم پھر تاریکی میں کھو گئے۔ دو لمحے کے بعد وہ آگ پھر ابھری اور بائیں طرف ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر دکھائی دینے لگی۔ ہم سمجھے کہ ہم غلط آ گئے ہیں۔ لہٰذا پھر اسی طرف کو چل دیئے، کوئی تیس، چالیس منٹ پھر چلے، مگر آگ کا فاصلہ کم نہ ہوا۔ ہم نے تنگ آ کر وہ راستہ چھوڑ دیا اور غالباً خود بخود صحیح راستے کی طرف رخ ہو گیا۔ پھر دیکھا تو وہ آگ نظر نہ آئی، ہم چلتے رہے۔ اتنے میں کوئی فٹ کے فاصلے پر بھک سے ایک قدآدم شعلہ بلند ہوا۔ جیسے کوئی کھال اترا ہوا آتشی بھینسا، ڈکرا کر پچھلے دونوں پاؤں پر الف ہو جائے۔ آن کی آن میں غائب ہو گیا اور ایک چنگاری تک باقی نہ رہی۔ مگر ہم خوفزدہ ہو گئے اور بدن میں سنسناہٹ کے ساتھ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کے باوجود ہم چلتے رہے۔ پھر ذرا سی دیر میں ایک کوکا کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر اٹھا۔ ہمارا قدم نہ رکا۔ مگر معلوم یہ ہوا کہ یہ شعلہ ہمارے ساتھ چل رہا ہے اور ہمیں گھیر کر بھگانا چاہتا ہے۔ چنانچہ ہم نے اس طرف دیکھنا چھوڑ دیا، اب ہم پر اور بھی دہشت سی طاری ہونے لگی۔ اس وقت جسم میں خون کی جگہ خوف گردش کر رہا تھا۔ انتہا یہ ہوئی کہ اس شعلے کی روشنی ہمارے سامنے دس بارہ فٹ پر پڑ رہی تھی اور ہم اپنے اندازے کے مطابق کہیں گہرا اور کہیں راجباہ کے آثار نظر میں رکھے ہوئے لپکے چلے جا رہے تھے۔ خدا خدا کر کے رات کے تین بجے کے قریب صحیح سڑک ملی اور ہم نے خود کو پہاڑ خان کے حظیرے (مقبرے) کے قریب پایا۔ اب وہ شعلہ ٹھنڈا ہو چکا تھا اور دور دور تک اس کا نام و نشان نہ تھا، مجھ پر اس سے پہلے واقعے کا اس قدر اثر نہیں تھا۔ جتنا اس نئے حادثے کا احساس! کئی روز تک میں اس واقعے کے متعلق سوچتا رہا۔ آج بھی میں نے جہاں تک سائنس کا مطالعہ کیا۔ فنا کے بعد عناصر کی تشکیل اور خیر و شر کا شعور میرے لئے بدستور معمے کی صورت رکھتا ہے۔ شاید سائنس اور نفسیات نے اس گوشے کی

طرف توجہ نہیں کی۔ یہ تو ممکن ہے کہ میرا احساس اور ہم دونوں مل کر کوئی صورت پیدا کر لیں۔ لیکن ایک ہی چیز پر دو آدمیوں کے احساس اور یقین کیسے متفق ہو سکتے ہیں اور نگاہیں کیسے دھوکا کھا سکتی ہیں؟ کبھی وقت نے فرصت دی تو زندگی اور کائنات کے اس رخ پر بھی تحقیق کروں گا۔ انشاءاللہ۔

جناب احسان دانش کو کاندھلے کے راستے میں جس عجائب المخلوقات سے دوچار ہونا پڑا۔ اسے غول بیابانی کہتے ہیں۔ حضرت خضر بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاتے ہیں اور غول بیابانی انہیں راستے سے بھٹکا دیتے ہیں، غول بیابانی کا تعلق جنات کی ادنیٰ قسم سے ہے اخیر تو ہمزاد کے بارے میں گفتگو جاری تھی۔ عمل تسخیر ہمزاد کی جو ہدایات ہمارے یہاں کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ عاملوں نے ان ہدایات کی پابندی کو کامیابی کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ مثلاً عمل خوانی میں جب ہمزاد نظر آنے لگے تو اس سے ہم کلام نہیں ہونا چاہئے، نہ اس کی دی ہوئی کوئی چیز کھانی چاہئے۔ ہمزاد کی مضحکہ خیز یا ڈراؤنی حرکات پر چوکنا نہ ہوں۔ کیونکہ وہ اسے بھی آپ کی کمزوری کی علامت قرار دے گا۔ اس وقت ہمزاد کی حیثیت ایک بےضرر سائے کی ہوتی ہے کہ جو کسی کا کچھ بنا اور بگاڑ نہیں سکتا۔ عاملوں کا بیان ہے کہ ہمزاد ہمارا ہی جسم لطیف ہے۔ جس کی تخلیق ہمارے ہی ساتھ ہوئی ہے۔ اگر ہم کوشش کریں تو جسم لطیف کو مسخر کر کے اس کی ماورائی قوتوں سے کام لے سکتے ہیں۔ مثلاً امراض کی تشخیص اور دواؤں کی تجویز، دور دراز سے ایسے پھل منگوانا جو نایاب ہوں۔ کسی پیچیدہ مسئلے کا حل، گم شدہ اشیاء کی سراغ رسائی، ہمزاد دفینوں کا پتہ بتلا سکتا اور انہیں برآمد کر سکتا ہے، مستقبل کے بارے میں مشورہ دیتا ہے۔ ہزاروں میل کی خبریں بہم پہنچاتا ہے۔ اشیاء کو آناً فاناً ادھر سے ادھر لے جاتا ہے۔ لوگوں کے قلوب میں عامل کی نسبت دوستی یا دشمنی کے جذبات پیدا کر سکتا ہے۔ روئے زمین کا چکر لگا سکتا ہے۔ عناصر کے لحاظ سے ہمزاد کی چار قسمیں ہیں۔ آتشی، بادی، آبی اور خاکی مختلف درجوں کے ہمزادوں کی قوتوں اور مسائل میں بھی فرق ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

ذاتی مشاہدات

یہ تو ہوئے کتابوں کے بیانات، اب آیئے لوگوں کے بیانات سنئے، صفدر عباس خان آف کوٹلہ جام تحصیل بھکر، میانوالی ہیں کہ:

آپ نے بکمال نوازش میرے لئے دو مشقیں (تنفس نور اور سایہ بینی) تجویز کی ہیں۔ 10 اپریل کو میں نے دونوں مشقیں شروع کر دیں، اب دو ہفتے ہو گئے ہیں۔ جب سائے پر نظر جماتا ہوں تو وہ سایہ غائب ہو جاتا ہے۔ پھر جب آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہوں تو وہاں اپنی شباہت کا ایک سفید پارہ جھولتا دکھائی دیتا ہے۔

محمد اکرم (70، فاروق پورہ، زرعی فارم روڈ، ملتان کینٹ) کہتے ہیں کہ:

میں نے آپ کی ہدایت کے مطابق عمل ہمزاد شروع کر رکھا ہے۔ پہلے پہل کچھ دن خوف کی لہریں سارے جسم میں دوڑتی رہیں۔ اس قدر خوف طاری رہتا کہ خدا کی پناہ۔ چند منٹ اپنے سائے کو دیکھتا ہوں، تو وہ سایہ دھندلا جاتا ہے۔ سیاہی کے سائے سے لپکتے ہیں اور چند سیکنڈ بعد آنکھ سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات پر چھائیں کی (جو وقت گزرنے پر ہمزاد کا روپ دھار لیتی ہے۔) رنگت گندمی ہو جاتی ہے، یہ حالت چند منٹ سے زیادہ نہیں رہتی۔ پھر سایہ اپنے اصلی رنگ میں آ جاتا ہے، تاکہ سارا نقشہ آپ کے ذہن میں آ جائے۔ میں نے کمرے کی مشرقی دیوار میں آئینہ نصب کر رکھا ہے۔ میرا منہ مشرق کی طرف اور پیٹھ مغرب کی طرف ہوتی ہے۔ روشنی کے لئے مٹی کے تیل کا لیمپ استعمال کرتا ہوں اور اس لیمپ کو اپنے حصار میں رکھتا ہوں، دو عدد اگر بتیاں روزانہ سلگاتا ہوں۔ عمل شروع کرنے سے قبل "حفظ ماھوالا علی العظیم" ایک تسبیح پڑھتا ہوں، حصار کھینچ کر عمل شروع کرتا ہوں۔ میں نے آنکھوں کے درمیان ناک کی جڑ کو مرکز توجہ قرار دے رکھا ہے۔ ترک حیوانات پر عامل ہوں مگر پوری پابندی سے نہیں۔ چند روز قبل میں نے عمل شروع کرنے سے قبل خوشبو لگانا بھول گیا تھا، عمل شروع کرنے کے بعد یاد آیا تو میں نے خوشبو سلگا دی۔ عمل کے بعد جب بستر پر لیٹا تو سر بے حد دکھ رہا تھا۔ مزاج گرم تھا اور ہر شخص سے لڑنے کو جی چاہتا تھا، خیر بمشکل اپنے کو کنٹرول کیا۔

☆......☆......☆

یالطیف

ہمزاد کا کچھ نہ کچھ تعلق ہمارے جسم لطیف سے ضرور ہے اس لئے تسخیر ہمزاد کے وظیفے میں "یالطیف" پر بیحد زور دیا جاتا ہے۔

سید محمد حسن (مزنگ لاہور) کا بیان ہے کہ:

یہ 1945ء کا ذکر ہے، میں نے ایک عامل ہمزاد سے یالطیف کی اجازت لی۔ عمل یہ ہے کہ اپنے سائے پر پلکیں جھپکائے بغیر نظریں جمادی جاتی ہیں اور یالطیف کا ورد جاری رہتا ہے، کافی دن تک یہ عمل جاری رکھا کچھ نظر نہ آیا۔ ایک روز جو نظر اٹھائی تو دیکھا ایک نہایت قوی الجثہ وجود۔ جو دیو کے برابر فضا میں معلق ہے اور مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے، کچھ دیر تک یہ دیوزاد فضا میں نظر آتا رہا پھر غائب ہوگیا۔ اس کے بعد یہ بھی دیکھا کہ فضا میں ایک میرے ہی جیسا سایہ موجود ہے، جس سائے پر نظریں جما کر میں عمل پڑھتا تھا۔ اس سے بھی ایک سفید سا سایہ الگ ہوجاتا ہے۔ آسمان والا سایہ نما جو میرے سامنے آتا، لیکن دس قدم فاصلہ رہتا کہ تحلیل ہوجاتا ہے۔ اس کثرت سایہ بینی کا اثر یہ ہوا کہ جس چیز پر نظر ڈالتا۔ اس سے ایک سایہ نکلتا اور اس شکل کا ایک سایہ آسمان پر بھی نمودار ہوجاتا۔

سلیم (خط مورخہ 7 جولائی 1973ء) رقم طراز ہیں کہ:

آج سے دو سال پہلے آپ کے مضامین پڑھ کر مجھے جب عجب مذاق سوجھا۔ میں نے اپنے ذہن میں ایک انتہائی حسین وجمیل نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی دوشیزہ کا سراپا (تخیل کی مدد سے) تیار کیا۔ رات کو سونے سے قبل میں اس سراپا نور غیرت حور کا تصور کیا کرتا تھا۔ اب عالم یہ ہے کہ وہ سراپا چوبیس گھنٹے میرے سامنے رہتا ہے!

محمود خاں، جمعہ خاں ڈرائیور، سوئی گیس (کراچی) لکھتے ہیں:

17 جولائی کو مسٹر انیس صدیقی کو لینڈ روو جیپ میں ٹائمز اور امروز اخبار کے دفتر میں لے گیا، دن کے دس بجے تھے۔ صدیقی صاحب اندر چلے گئے اور میں برابر والے بند دروازے کی سیڑھی پر بیٹھا رہا، کوئی پندرہ منٹ بعد دیکھا کہ انیس صدیقی دفتر سے باہر آئے اور جیپ کی بائیں طرف گئے، اس نشست پر وہ بیٹھتے ہیں۔ میں بھی اٹھ کر جیپ کے اسٹیرنگ والے دروازے کی طرف آیا۔ وہ بیٹھیں گے تو میں بھی اسٹیرنگ سنبھال کر بیٹھ جاؤں گا۔ (لینڈ روو جیپ کا اسٹیرنگ داہنی طرف ہوتا ہے) جب دیر ہوگئی تو میں نے سوچا کیا بات ہوئی۔ انیس صاحب بیٹھے نہیں، شاید تھیلے سے کوئی چیز نکال رہے ہوں۔ میں بائیں طرف گیا تو دیکھا کہ انیس صاحب کا کہیں پتہ نہیں۔ حیران کہ کہاں چلے گئے، دونوں طرف راستہ صاف تھا۔ میں ابھی اس حیرانی میں مبتلا تھا کہ اندر سے انیس صاحب آگئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ اس سے پہلے بھی باہر آئے تھے۔ انیس صدیقی نے کہا کہ نہیں، میں تو ابھی آیا ہوں۔ دنگ رہ گیا۔ رئیس صاحب اس وقت آپ یاد گئے (میں نے محمود خان جمعہ خان کو جواب میں لکھا کہ وہ انیس صدیقی کا ہمزاد تھا)۔

☆......☆......☆

یابدوح

نورالحق (لطیف آباد) کے تجربات سنئے: ہم نے ہمزاد کا عمل شروع کیا حسب ذیل اسماء پڑھتا تھا۔" یاہمزاد والمسخرات بحق یا لطیف یاحی یاقیوم وبحق یابدوح"

" ہمزاد حاضر شو حاضر شو"۔ یہ اسماء روزانہ تین ہزار ایک سو چھپن مرتبہ پڑھے جاتے ہیں (40 روز میں سوا لاکھ بار) اس وظیفہ خوانی سے قبل عطر وغیرہ لگالیا اور لوبان وغیرہ سلگالیا کرتا تھا، اگربتی روشن ہوتی تھی۔ ہمیشہ باوضو اور پاک صاف رہتا، بڑا گوشت بالکل ترک کررکھا تھا۔ یہ عمل رات کے دس بجے شروع کرتا اور ڈھائی گھنٹے بعد ساڑھے بارہ بجے ختم کرتا۔ اپنے عقب میں چراغ روشن کرکے قبلہ رو بیٹھ جاتا اور اسماء کے ورد کے ساتھ سامنے والی دیوار پر اپنا عکس دیکھتا رہتا اور یہ تصور کرتا کہ اس عمل کی تاثیر سے سامنے والا سایہ مجھ سے ہم کلام ہوگیا۔ گیارہویں روز عمل خوانی شروع کرکے دیوار پر جو نظر جمائی تو دیکھا کہ سایہ غائب ہے۔ پھر یکا یک ظاہر ہوگیا، پھر اوجھل ہوگیا۔ غرض اسی طرح اس کے ظاہر ہونے اور غائب ہونے کا سلسلہ چلتا رہا۔ کبھی کبھی ایسا لگتا کہ وہ میری آنکھوں پر چھا گیا ہے۔ اکیسویں دن ایک سائے کے کئی سائے ہوگئے اور وہ دائیں بائیں، اوپر نیچے نظر آنے لگے تھے۔ نو روز کے بعد یعنی تیسویں روز وہ سب سائے سمٹ کر ایک ہوگئے۔ ہاں عرض کردوں کہ اکیسویں روز سے مجھے بہت اچھے خواب نظر آنے لگے۔ ایک روز یہ دیکھا کہ میری ٹانگوں میں ایک لکڑی کا ڈنڈا ہے اور میں اس پر سوار ہوکر اڑ گیا ہوں۔ میں نے زمین اور آسمان کے کئی چکر لگائے، پھر ایک بابا کے مزار پر اتر گیا۔ وہاں دوبارہ غسل کیا۔ ان بابا سے ہم کلام ہوا، انہوں نے مجھے کچھ پھل کھانے کو دیئے۔ پھل میں نے کھائے، آنکھ کھلی تو محسوس ہوا کہ پیٹ بھرا ہوا ہے۔ 34 روز دوران وظیفہ دیکھا کہ میرے پیچھے آکر کوئی بیٹھ گیا ہے، اس کی پرچھائیں دیوار پر نظر آئی۔ 38 دن وظیفہ پڑھتے پڑھتے، یکا یک میری ناک اور منہ سے دھواں نکلنے لگا۔ بڑی دہشت طاری ہوئی، وظیفہ بند کردیا۔ پھر شروع کیا تو پھر منہ اور ناک سے دھواں نکلتا ہوا محسوس ہوا دوسرے روز بھی یہی کیفیت رہی کہ وظیفہ شروع کرتے ہی ہونٹوں اور ناک کے سوراخوں سے دھواں جاری ہوگیا۔ محسوس یہ ہونے لگا کہ دماغ کی ساری قوتیں دھواں بن کر باہر نکل رہی ہیں۔ میں نے عمل ترک کردیا، اب مجھے ہر طرف اپنا سایہ نظر آنے لگا پھر غائب ہوگیا عمل کی ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کھانا کھاتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ سر کے دو ٹکڑے ہوگئے ہیں اور لقمہ چباتے وقت چٹختے ہیں۔ ویسے دماغی حالت صحیح ہے یہ عمل چالیس روز کا تھا مگر افسوس صرف 39 روز کرسکا بتایئے کیا کروں؟

ایس ایم حسن (رجسٹرڈ انکم ٹیکس پریکٹشنرز (لاہور) کا معاملہ یہ ہے کہ میں نے یالطیف کے التزام کے ساتھ عمل ہمزاد پڑھا تھا۔

اب یہ عالم ہے کہ خود ہی نہیں، جس چیز کو دیکھتا ہوں۔ اس سے ایک سایہ الگ ہو جاتا ہے، یہ سایہ روشن اور سفید ہوتا ہے۔ میں نے پچیس سال پہلے یہ مشق کی تھی، لیکن اب تک یہ کیفیت برقرار ہے۔ بعض اوقات بیٹھے بیٹھے آسمان کو دیکھتا ہوں تو ایک سفید براق پرچھائیں خلا میں جھولنے لگتی ہے۔ میں روزانہ 129 مرتبہ یالطیف پڑھا کرتا تھا۔

☆.....☆.....☆

سرخ ہیولا

اب محمد سعادت اللہ خاں (تحصیل احمد پور شرقیہ، ضلع بہاولپور) سے ان کی کہانی سنئے:

1952ء یا 1953ء میں ایک بزرگ سے بیعت کر کے اسم ذات (نفی اثبات) کا چلہ شروع کیا، لیکن نا کام رہا۔ پھر سورہ مزمل کی چلہ خوانی کی، لیکن کوئی اثر ظاہر نہ ہوا، وقت گزرتا رہا اور بندہ کسی نا معلوم چیز کی تلاش میں اندھا دھند ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ آخر بڑی تلاش اور کوشش کے بعد ایک دوست نے مشورہ دیا کہ چاندنی میں بیٹھ کر پلکیں جھپکائے بغیر سائے کی گردن کو تکا کرو۔ ہفتہ عشرے اسی طرح سایہ بینی کی مشق کی۔ پھر دس بارہ دن تک دیئے کی روشنی میں پر چھائیں پر نظریں جمانے کی کوشش کی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ایک نورانی شکل، سر سے پاؤں تک نور ہی نور۔ پس پشت دیکھتا ہوں (سامنے نہیں) بندہ اس کو ہمزاد کے نام سے پکارتا ہے۔ اسی رمضان المبارک میں ایک وقت مقرر کر کے تسخیر ہمزاد کے ارادے سے درود شریف کا وظیفہ شروع کیا۔ پچیس تیس روز کے بعد ایک رات گنبد خضرا اور خانہ کعبہ کی بھی زیارت ہوگئی۔

اب ذرا محمد السلام (اردو اقامتی کالج کراچی) کا بیان سنئے، فرماتے ہیں کہ:

عمل ہمزاد کا تجربہ کیا، جو سو فیصدی کامیاب رہا۔ میرا طریقہ یہ تھا کہ دھوپ میں اپنے سائے پر نظر جما دیتا اور پھر اوپر دیکھنے کی بجائے آنکھیں بند کر لیتا تو مجھے اپنے ہی جسم جیسا سرخ ہیولا نظر آتا، یہ ہیولا بہت صاف اور واضح تھا۔ یہ تجربہ میں نے کئی مرتبہ کیا اور کامیابی نصیب ہوئی۔ اس کے بعد میں نے ایک اور کوشش کی، یعنی اپنے فوٹو کے منفی (نگیٹیو) حصے کو صاف چکنے سفید کاغذ پر رکھ کر دھوپ میں چند منٹ تک پلک جھپکائے بغیر دیکھا اور پھر فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں تو فوٹو اپنی شکل میں نظر آنے لگا۔

گلزار خان کا مشاہدہ اور بھی دلچسپ ہے، لکھتے ہیں کہ:

حسب اجازت حضور، میں نے عمل ہمزاد (سایہ بینی) شروع کیا تھا۔ اسے ایک مہینہ گزر چکا ہے، دل کیف و سرور سے پر ہے۔ ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ دس روز پہلے چار پائی پر لیٹ کر سایہ بینی کی باطنی مشق کر رہا تھا کہ باہر کھٹکا سا ہوا۔ جونہی آنکھ کھلی تو لالٹین کی ہلکی سی روشنی میں مجھے ایک شخص نظر آیا (یہ شخص میرا ہم شکل نہ تھا البتہ) کافی قد آور جسم تھا۔ تقریباً دو منٹ تک میں اسے دیکھ کر محظوظ ہوتا رہا۔ پھر یہ دیو زاد وجود آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔

منشی فضل الٰہی (وارڈ جھنڈا گوجر خان میونسپل کمیٹی) کے بیانات بھی قابل توجہ ہیں:

جناب رئیس! بندہ آپ سے تسخیر ہمزاد کے عمل میں امداد کا خواہاں ہے۔ میرا عمل جہاں تک پہنچا ہے۔ اس کی تفصیل عرض کردوں تاکہ جناب کو بندے کی استعداد کا علم ہو جائے۔ آئندہ آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی رہنمائی میں خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے مجھے ضرور کامیابی بخشے گا، آپ رہنمائی بھی کریں، دعا بھی فرمائیں۔ عرض یہ ہے کہ میں نے یہ عمل سید محمد خواہر زادہ شیخ صاحب خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''کتاب مسمریزم'' پڑھ کر شروع کیا تھا۔ اور اب تک اس پر عامل ہوں، یہ عمل ماہ مئی 1969 میں ایک پہاڑی کے علاقے کے اندر شروع کیا گیا تھا۔ طریقہ عمل یہ ہے کہ پشت کی طرف چراغ رکھ کر سائے کی گردن پر نظر جمادی اور اسم مبارک ''یا لطیف'' کا وظیفہ شروع کر دیا۔ روزانہ اکیس تسبیحیں پڑھی جاتی ہیں۔ اول اول ہمزاد، کھلی آنکھیں ہوں یا بند۔ ہاف ٹون تصویر کی شکل میں نظر آتا تھا۔ جب دو تین مہینے گزر گئے تو آسمان پر خلا میں بھی نظر آنے لگا۔ مگر نظر جمانے پر ادھر ادھر بھاگ جاتا۔ آخر کار اس کی بھاگ دوڑ ختم ہوگئی اور فضا میں قائم ہو گیا، بہت کم ادھر ادھر سرکتا تھا۔ ماہ اکتوبر 1969ء سے پہاڑی علاقہ چھوڑ کر گوجر خان کے میدانی علاقے میں آ گیا اور اس جگہ دھوپ میں (سائے کی گردن پر نظر جما کر) وہی کرتا ہوں، سائے پر کچھ دیر تصویر نظر آ جاتی ہے۔ مگر اس کے پاؤں اور ٹانگیں نہیں ہوتیں (گویا ہمزاد ابھی ادھورا ہے) اس کی تصویر کبھی سرخ، کبھی سیاہ اور کبھی سفید ہوتی، چہرہ، ناک، آنکھیں، منہ اور ہونٹ صاف دکھائی دیتے ہیں، دوسری تصویریں نظر آتی ہیں جو لکیروں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ خلاء پر، زمین پر، دیواروں پر آنکھیں بند کر کے توجہ مرکوز کروں تو ہمزاد کی ہاف ٹون تصویر نظر آتی ہے اور شب میں توجہ کرنے پر روشن تصویر!

اسی طرح اگر رضائی اوڑھ کر لیٹ جاؤں تو رضائی کے اندر خود بخود روشنی پھیل جاتی ہے۔ آنکھیں کھلی ہوں یا بند، ہمزاد نظر آنے لگتا ہے اور وہ کسی قدر متحرک ہوتا ہے۔ آنکھیں بند کر کے ہمزاد کی تصویر کا نظر آنا لازمی ہے۔ اگر آنکھیں کھول کر بھی توجہ کروں تو چند منٹ بعد وہ شبیہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس عمل سے پہلے خواب نہ دکھائی دیتے تھے، اب دکھائی دیتے اور یاد بھی رہتے ہیں۔ اب اتنی قوت پیدا ہوگئی ہے کہ نصف گھنٹے سے ڈیڑھ تک سائے پر نظریں جما سکوں۔ اس وقت صورت یہ کہ جنگل میں سوا سے ڈیڑھ گھنٹے تک سائے پر نظر جما کر اور پھر آنکھیں بند کر کے ہمزاد کی شبیہ دیکھ سکتا ہوں۔ کبھی کبھی ہمزاد کی تصویر غائب ہو جاتی ہے اور دوسری شکلیں نظر آنے لگتی ہیں۔ یہ ہیں منشی فضل الٰہی کے بیانات، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صرف ہمزاد کی خیالی یا حقیقی جھلک دیکھتے ہیں۔ اصلی ہمزاد ان کی دسترس سے بہت دور ہے۔ درحقیقت یہ عملیات بہت پیچیدہ ہیں۔ ان کی تکمیل کی شرطیں ٹیڑھی اور ان کے اسرار نامعلوم ہیں۔ ایسے بہت سے افراد کے خطوط پڑھ چکا اور بیانات سن چکا ہوں۔ جنہوں نے تسخیر ہمزاد کی کوشش کی اور ناکام رہے۔ جب بھی کوئی صاحب تسخیر ہمزاد کے عمل کی اجازت طلب کرتے ہیں، میں معذرت چاہ لیتا ہوں۔ انہیں بتلا دیتا ہوں کہ آپ سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ پرچھائیوں کا تعاقب کرنے سے حقیقتیں نہیں ملتیں۔

☆.....☆.....☆

امشب

ہمزاد کے ایک اور ناکام تجربے کے حالات امجد جاوید (مردان، خط مورخہ 21 مئی 1969ء) کی زبان قلم سے سنئے:

آج میں آپ کو ایک اور تکلیف دے رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ معلومات فراہم کر سکیں گے۔ یعنی ہمزاد (PROTOTYPE) کیا ہوتا ہے؟ کیا اس ''پر ٹوٹائپ'' کو مسخر کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلے میں مجھے ایک مختصر سا تجربہ ہوا۔ عرض ہے:

میں نے ''پر ٹوٹائپ یا ہمزاد'' پر قابو پانے کے لئے یہ عمل شروع کیا کہ صاف ستھرے کپڑے پہن کر اپنی پشت پر چراغ، اس طرح رکھ لیتا تھا کہ سامنے میرا سایہ مجھے صاف دکھائی دے۔ یہ عمل آدھی رات کو کیا جاتا تھا اور کھڑے ہو کر کرتا تھا۔ وظیفے کا لفظ تھا ''امشب'' اس لفظ یعنی (کی ورڈ) کو دوران عمل ڈھائی ہزار مرتبہ دہرانا پڑتا تھا۔ میں نے اس عمل کے لئے پانچ سو دانوں کی تسبیح بنوائی تھی۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کسی کام پر مکمل توجہ صرف کی جائے تو کامیابی سو فیصد یقینی ہے۔ خواہ وہ روحانی عمل ہو یا شیطانی! ہپناٹزم یا مسمریزم! لیکن افسوس کہ انسان کسی کام پر پوری توجہ نہیں دیتا، اس لئے ناکام رہتا ہے۔ جب میں نے عمل تسخیر ہمزاد شروع کیا تو مجھے اپنی کامیابی کا پورا پکا یقین تھا۔ جب سائے پر نظر جمائی تو اس کے اندر سے ایک اور سایہ نمودار ہوا۔ پہلا سایہ سیاہ، تھا یا سفید! سائے کے کرنوں سے شعلے نکل رہے تھے اور وہ متواتر ادھر ادھر ہل جل رہا تھا، پہلے دن یہی عجوبہ نظر آیا۔ دوسرے روز سیاہ پرچھائیں میں سفید عکس پوری طرح نمایاں ہو گیا۔ تیسرے روز عمل تسخیر ہمزاد شروع کیا تو اندر سے آواز آئی کہ میاں امجد جاوید! یہ راستہ خطرناک ہے، اسے چھوڑ دو۔ کہیں پاگل نہ ہو جاؤ۔ چوتھے دن دوران عمل محسوس کیا کہ کوئی غیبی طاقت مجھے اس جرات سے روک رہی ہے، بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اب میرے ذہن میں عجیب کشمکش پیدا ہو گئی۔ دماغ یہ کہتا تھا کہ چونکہ عمل ہمزاد میں کامیابی نصیب ہونے والی ہے۔ اس لئے کوئی غیبی طاقت عمل روک رہی ہے۔ پھر عجیب وغریب خوابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا کہ میرے تمام جذبات واحساسات جاگ اٹھے۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ عنقریب کسی بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہونے والا ہوں۔ ادھر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ سایہ دن بدن میرے قابو میں آتا چلا رہا ہے۔ اب وہ اپنے مقام پر قائم تھا۔ کبھی ایک دم سفید ہو جاتا، کبھی نظر سے اوجھل ہو جاتا۔ تب دماغ نے آخری فیصلہ کیا کہ امجد! اس عمل کو چھوڑ دو، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے!

☆......☆......☆

بلائے بد

عمل ہمزاد میں عبدالواحد (خضری اسٹیٹ) کا واسطہ ایک بلا سے پڑ گیا۔ لکھتے ہیں کہ:

ایک شخص نے بتایا کہ سورہ نور (اللہ نور السموات والارض سے لے کر شیٔ علیم تک) پڑھیں۔ اول و آخر ایک ایک تسبیح درود پاک کی! اور پھر اس عمل کی ایک تسبیح! اس کی مدت ایک ہفتہ ہے، ایک ہفتے میں کام نہ بنا تو پھر چلہ پورا کرنا پڑے گا۔ میں نے عمل اور وظیفے کو ذہن نشین کر لیا۔ قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ وہاں نماز پڑھ کر وظیفہ خوانی شروع کی، ابھی سورج نکلنے میں دیر تھی۔ تھوڑی دیر بائیں سمت سے ایک آواز آنے لگی، جیسے موٹر یا لاری آ رہی ہو۔ شبہ گزرا کہ شاید یہ چکی پسنے کی آواز ہے، اس طرف کچھ گھر واقع تھے۔ اس لئے چکی کا خیال آیا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ میرا بایاں پہلو گرم ہو رہا ہے۔ جوں جوں وظیفہ پڑھتا جاتا تھا۔ بائیں پہلو کی گرمی اور آنچ (جیسے آگ) میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اب یہ آنچ ناقابل برداشت تھی، میری حالت قابل رحم ہوگئی، سوچا بھاگ جاؤں۔ دماغ نے کہا کہ بھاگے اور مرے! لہٰذا بادل ناخواستہ وظیفہ جاری رکھا۔ مگر یہ گرمی اس قدر شدید ہوگئی کہ اندر ہی اندر جلنے بھننے لگا۔ میں سمجھا کہ جس بلا کو آنا تھا، وہ آگئی، وہ نہ موٹر کی آواز تھی نہ چکی کی۔ اس بلائے بد کی صدائے پا تھی جو وظیفہ خوانی کے اثر سے میری طرف بڑھ رہی تھی۔ اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے میرا دل تمام جسم سے الگ دھڑک رہا ہے حیران تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اب ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ داہنے پہلو کی طرف کچھ کشمکش سی ہوئی اور ادھر سے ایک چیز نکل کر سامنے کی طرف آگئی۔ وہ کوئی گول چیز معلوم ہوتی تھی، جس کے سر اور منہ کا پتہ نہ ہو۔ البتہ اس کی سائیں سائیں کی آواز ہر طرف گونج رہی تھیں۔ وہ زمین سے تین چار انچ اوپر تھی، اسی کے برابر ایک اور چیز نمودار ہوئی۔ وہ بھی گول مٹول تھی مگر حجم میں کم، وہ اس قدر قریب تھی کہ میں اس کے تھپڑ مارتا تو ضرور لگ جاتا، خیال تو آیا کہ ایک تھپڑ رسید کردوں، مگر پھر سوچا کہ تیرا کیا جاتا ہے؟ تو اپنے کام سے لگ! چنانچہ میں چپ چپ وظیفہ پڑھتا رہا۔ خوف کے سبب میں وظیفے کے لفظوں کی ادائیگی میں غلطی کر جاتا تھا، مگر پھر تصحیح کر لیتا۔ ناگہاں چکر آنے لگے۔ ایسی مصیبت کہ خدا کی پناہ۔ خدا خدا کر کے تسبیح ختم کی اور دعا مانگ کر گھر چلا آیا۔ والد صاحب اور والدہ صاحبہ کو پورا قصہ سنایا۔ وہ خفا ہونے لگے کہ ایسے خطرناک وظیفے کیوں پڑھتے ہو؟ میں خاموش ہو رہا اور جن صاحب نے تسخیر ہمزاد کا عمل بتایا تھا۔ انہیں جا کر پورا واقعہ سنایا۔ کہنے لگے۔ کچھ بھی نہیں تم خواہ مخواہ ڈر گئے ہو، وظیفہ ضرور پڑھو۔ چنانچہ دوسرے روز پڑھا، اس روز کوئی عجیب بات پیش نہیں آئی۔ آخر لوگوں نے اصرار کر کے وظیفہ بند کر دیا، لیکن بہت دن تک بایاں پہلو گرم رہتا اور بائیں آنکھ کے کونے سے وہی گول مٹول شکل نظر آتی رہتی، آخر زندگی سے تنگ آ گیا۔ سوچا خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر پڑا رہوں، انہیں کی توجہ سے کامیابی نصیب ہوگی۔ چنانچہ مٹھن کوٹ جا کر حضرت کے مزار مبارک پر جا پڑا۔ تب کہیں اس بلائے بد سے نجات ملی، اور ہمیشہ کے لئے تسخیر ہمزاد کے خبط سے توبہ کی!

☆......☆......☆

مدینہ منورہ کے جنات

جناب خالد اسحاق۔ پاکستان کے مشہور وکیل، ماہر قانون اور اسلامیات کے عالم ہیں۔ (خوش نصیبی سے ہم انہیں کے ہمسایہ ہیں) خالد اسحاق صاحب کے رفیق کار مولوی محمد طاہر صاحب نے مجھے محمد ابراہیم کا ایک خط دکھلایا۔ محمد ابراہیم مدینہ منورہ میں مقیم ہے اور موٹر مکینک کا کام کرتا ہے، محمد ابراہیم نے اس خط میں لکھا ہے کہ:

جون کی پندرہ تاریخ کو ہمارا گیراج بک گیا تھا۔ یکم جولائی کو ہم سب کا حساب بے باک کر دیا گیا اور ہم سب بے کار ہو گئے۔ باب العالی ایک مقام ہے، وہاں ملتان کے چند خاندان آباد ہیں۔ ان کے پاس تین گاڑیاں ہیں، دو بیوک اور ایک فوکس ویگن۔ ان گاڑیوں میں کچھ مرمت کا کام تھا۔ انہوں نے مجھے بلایا۔ میرے ساتھ ایک شخص عبدالستار نامی اور بھی تھا، اس کو بھی میں نے کام پر لگالیا۔ ان لوگوں کے گھر کے سامنے ایک مسجد ہے، اس کے سائے میں ایک گھر ہے۔ وہ مکان ان کے رشتہ داروں کا ہے، خالی پڑا تھا۔ ہم نے زیر مرمت گاڑیوں کے پرزے اور اپنے اوزار اس خالی گھر میں رکھ دیئے۔ ہاں یہ بتادوں کہ گاڑی کے مالک کا نام ہے مظہر حسین! ایک دن کام کرتے کرتے رات ہو گئی۔ ہم وہیں سو گئے، کوئی بات پیش نہیں آئی۔ وہ رات خیریت سے گزر گئی، دوسری رات کو بھی وہیں رکنا پڑا۔ تقریباً پندرہ سولہ آدمی اس مکان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کچھ دیر بعد چند آدمی جانے لگے۔ تو میں اور دو تین آدمی انہیں چھوڑنے کے لئے دروازے تک آئے۔ مجھے پتلون کی دائیں جانب کچھ گرمی محسوس ہوئی، خیال نہ کیا۔ پھر پتلون کی جیب اور گرم ہو گئی۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو پتا چلا کہ نماز پڑھنے کی ٹوپی جو پتلون کی جیب میں رکھی تھی وہ سلگ رہی ہے۔ میری بیچ کی انگلی جل گئی، ٹوپی سے ایک شعلہ نکلا۔ میں نے جلتی ہوئی ٹوپی کو پھینک دیا۔ حیرت کہ پتلون کی جیب میں ماچس تک نہیں۔ یہ ٹوپی میں آگ کیسے لگ گئی؟ خیر کسی نے کچھ رائے قائم کی، کسی نے کچھ، رات گئے سب لوگ چلے گئے، اور ہم تین رہ گئے۔ میں، عبدالستار اور مظہر حسین، میری آنکھ لگ گئی۔ وہ دونوں جاگ رہے تھے، اچانک اندر کے کمرے میں کسی کے چلنے پھرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ دونوں ڈر گئے۔ یکایک عبدالستار کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کا جسم باندھ دیا ہے۔ وہ نہ اپنے جسم کو ہلا سکتا تھا، نہ بول سکتا تھا۔ ہاں اس کی آنکھیں ضرور کھلی ہوئی تھیں۔ مظہر نے عبدالستار کو جگانے کے لئے زور سے پکارا پہلے تو کوئی جواب نہ ملا۔ پھر عبدالستار نے نحیف آواز میں بتایا کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بندھا ہوا ہوں۔ مظہر نے ستار سے کہا کہ اچھا، تم میرے برابر آ کر لیٹ جاؤ۔ میری آنکھ بھی کھل چکی تھی۔ الغرض ہم تینوں برابر برابر لیٹ گئے، تھوڑی دیر گزری تھی۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص دروازے کے قریب کھڑا ہے۔ اس کا قد ہمارے گھر کی ٹنکی نمبر 1 کے برابر تھا۔ اس کی

پرچھائیں دروازے کی جھریوں میں نظر آ رہی تھی۔ جب ستار نے اس کو دیکھا تو پکار کر پوچھا، تم کون ہو۔ پتہ نہیں۔ اس نے کس زبان میں جواب دیا، مگر جواب ضرور دیا اور دروازے پر ڈٹا کھڑا رہا۔ ستار نے دوبارہ کہا کہ اگر تمہیں ہمارے اس مکان میں رہنے سے تکلیف ہوئی ہے، تو ہم چلے جائیں گے، کوئی جواب نہ ملا۔ پھر کوٹھڑی کے اندر سے طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ ابھی ہم غرق حیرت تھے کہ میرے قریب ایک جگہ لکڑیوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ اس میں سے آوازیں نکلنے لگیں جیسے کوئی لکڑیوں کو مروڑ رہا ہے، توڑ رہا ہے۔ میں نے گھبرا کر پیچھے کی طرف دیکھا تو مجھے دروازے میں سایہ کھڑا نظر آیا۔ میں نے ستار سے پوچھا یہ کون ہے؟ ستار نے کہا، نہ جانے کون ہے۔ ابھی مجھ سے جناتی زبان میں باتیں کر رہا تھا۔ اس کے بعد اندر کے کمرے میں سرخ رنگ کی روشنی ہوگئی (واضح ہو کہ اس گھر میں بجلی نہیں ہے) اور اتنی تیز کہ ہر طرف سرخی چھاگئی۔ اندر سے تیز تیز آوازیں بھی آنے لگیں۔ ہم تینوں نے آیۃ الکرسی اور درود شریف پڑھنا شروع کیا تو روشنی بند ہوگئی۔ لیکن کمرے میں دھمال (رقص مستانہ) شروع ہوگیا، اور پھر کسی نے اتنے زور سے دھکا مارا جیسے وہ دروازہ توڑ کر ہمارے پاس آ جائے گا۔ ہم دونوں پہلے ہی ڈر کے مارے پیلے پڑ گئے تھے۔ اوپر سے خوفناک دھکا! بس تینوں کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ نذر ملتان کا رہنے والا ایک شخص ہے جو مدینہ منورہ میں آباد ہوگیا ہے۔ یہ شخص بہت سے پاکستانیوں کو سعودی عرب لے کر آیا ہے۔ نذر کی والدہ چھت پر سو رہی تھیں۔ انہوں نے ہماری چیخیں سنیں تو فوراً اٹھ کر دیکھا۔ ان کو بھی وہ سایہ دروازے پر نظر آیا۔ سایہ ایک لمبا کرتا پہنے ہوئے تھا۔ ہماری پہلی چیخ پر سایہ پیچھے کی طرف ہٹ کر غائب ہوگیا۔ اتنے میں نذر بھی ڈنڈا لے کر آ گئے، انہوں نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ ہم نے پورا قصہ سنایا۔ یہ شور و غل سن کر لوگ دوڑے اور اس گھر میں پچیس تیس آدمی جمع ہو گئے۔ نذر نے کہا، کچھ نہیں، تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے ہم نے کہا کہ ایسا کرو۔ سب بیٹھ جائیں، ابھی معلوم ہو جائے گا۔ کیا بات ہے؟ لہٰذا سب لوگ صحن میں بیٹھ گئے، چند منٹ ہوئے تھے کہ اندر کے کمرے میں سرخ روشنی جگمگانے لگی۔ (یہ روشنی ویسی ہی تھی، جیسے نماز والی ٹوپی کے جلنے سے پیدا ہوئی تھی)۔

ساتھ ہی کمرے میں دھمال شروع ہوگیا۔ نادیدہ لوگوں کے چلنے پھرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اب ہم صرف تین نہیں پچیس، تیس آدمی موجود تھے، ہم لوگ کبھی اندر آ جاتے کبھی باہر بھاگ جاتے۔ چھ سات بار اس مجمع میں یہی بھگدڑ مچی۔ آخر خدا خدا کر کے صبح ہوئی ناشتہ کے بعد نذر نے کہا یہ مدینہ شریف ہے، اور یہاں پر اس کثرت سے جنات ہیں کہ اگر ظاہر ہو جائیں تو ہم لوگوں کے رہنے کے لئے تل بھر جگہ نہ رہے۔ یہ جن کسی کو ستاتے نہیں، فائدہ ہی پہنچاتے ہیں۔ خیر اب اس وقت یہ فکر چھوڑو۔ اب ہم یہاں جمعرات کو جمع ہوں گے اور دیکھیں گے کہ کیا پیش آتا ہے۔ چنانچہ شب پنج شنبہ میں ہم تمام لوگ اس جن زدہ مکان میں جمع ہوئے، کوئی آدھی رات گزری ہوگی، کہ اندر کے کمرے سے پہلے کی طرح عجیب عجیب آوازیں آنی شروع ہوگئیں۔ آوازوں کا ہنگامہ شروع ہوتے ہی ہم نے گلی والا دروازہ بند کر دیا۔ خیر صاحب، پھر یہ آوازیں روشنی میں تبدیل ہوگئیں۔ کمرے کی روشنی طرح طرح کے رنگ بدلنے لگی۔ کبھی ہرا، کبھی پیلا، کبھی نیلا، ایک دم روشنی کا رنگ سرخ ہوگیا۔ ایسا لگنے لگا جیسے اندر کمرے میں خون برس رہا ہے۔ ادھر کمرے میں روشنی کا یہ تماشا ہو رہا تھا۔

ادھر باہر کے دروازے پر وہی سائے کا دیو پھر آ کھڑا ہوا۔ یکا یک یہ محسوس ہوا کہ کمرے کے اندر تلواریں چل رہی تھیں اور ان سے چنگاریوں کی بارش ہو رہی تھی، ہر لمحہ خطرہ تھا کہ یہ کمرہ جل جائے گا۔لوگ یونہی خوفزدہ تھے، اس منظر سے اور چیخیں نکلنے لگیں۔اب ہم اندر باہر سے محصور تھے، باہر دروازے پر سایہ دیو کھڑا تھا اندر کمرے میں جنوں کی شمشیر زنی ہو رہی تھی۔ قیامت کا منظر تھا، سب سجدے میں گر گئے۔ ناک رگڑنے لگے، لوگ توبہ تلا میں مصروف تھے۔ کافی دیر تک یہی قیامت قائم رہی، آخر روشنی ختم ہوگئی۔اندر کے کمرے کا دروازہ کسی قدر کھلا اور کسی بچے نے باہر کی طرف جھانکا۔ وہ بچہ سلیم کے برابر تھا، آدھا کمرے میں آدھا باہر۔ہم سے بس تین چار گز کا فاصلہ تھا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ لڑکا بڑھنے لگا۔اور رفتہ رفتہ اس کا سر چھت سے جا لگا۔ پھر سب دہشت سے چیخنے چلانے لگے اس کے بعد دروازہ بند ہوگیا۔ پھر ہمارے سامنے لکڑی آ کر گری۔ وہ لکڑی بلی بن کر بھاگ گئی۔ بعد ازاں کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ایک عورت کی آواز آئی، تعل عبدالستار انا اشرب الدم (عبدالستار ادھر آ، ادھر آ۔ میں تیرا خون پیوں گی) اس کے بعد عورت (جنیہ) نے تمام گفتگو عربی میں کی۔ پھر عورت کی آواز بند ہوگئی۔ یکا یک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت گلی کے دروازے پر کھڑی ہے۔ یہاں آ کر اس نے پکار کر کہا کہ عبدالستار ،ابراہیم اور مظہر تینوں باہر آ جائیں۔ میں ان تینوں کا خون پیوں گی۔ جنیہ (عورت) کی یہ دھمکی سن کر ہم تینوں کا خون خشک ہوگیا، نذر موجود تھا۔اس نے جن عورت سے بحث شروع کر دی اور کہا کہ:

تجھے محمد مصطفیٰ ﷺ کا بھی ڈر نہیں ہے؟ ہم آنحضرت ﷺ سے تمہاری شکایت کریں گے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی عرض کریں گے۔لیکن وہ جنیہ اس بات پر اڑی رہی کہ ان تینوں کا خون پیوں گی۔تم انہیں گھر سے باہر نکال دو، نہ نکالا تو سب کو مار ڈالوں گی۔ یہ کہہ کر وہ دروازے کو دھکا دینے لگی۔ ہم سب دروازے کو روکے ہوئے تھے۔لیکن اس کے باوجود وہ تھوڑا بہت دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔ ادھر وہ ایک جن عورت تھی اور ادھر پچیس تیس مرد۔ آخر نذر نے وعدہ کیا کہ کل ایک آدمی (خون پینے کے لئے) تمہاری بھینٹ چڑھا دیا جائے گا، فی الحال تم چلی جاؤ۔ جن عورت نے کہا کہ دیکھو، تم ضامن ہو، نذر نے اقرار کیا کہ میں ضامن ہوں، ضمانت دیتا ہوں۔ بعد ازاں وہ چلی گئی اور ہم باہر آ گئے، ہم باہر نکلے ہی تھے کہ سامنے کے مکانوں پر بڑے بڑے پرندے الو کی طرح کے آ کر بیٹھ گئے، اور ہم سب کو دیکھ کر خوفناک آوازیں نکالنے لگے۔ہم سب نے جو منظر دیکھا تو جان بچانے کو اندر آ گئے، دروازہ بند کر لیا۔ وہ عورت پھر دروازے پر آئی اور نذر کو مخاطب کر کے کہنے لگی کہ:

تم جھوٹے ہو، تم حرام زادے ہو، کل کوئی نہیں آئے گا۔ مجھے تو آج ہی ان کا خون چاٹنے دو، ہم نے اس سے بہت بحث کی، بڑی معافیاں چاہیں۔سب کا نام لے کر ڈرایا، مگر وہ نہ مانی۔ آخر کہنے لگی کہ میں تمہیں آدھے گھنٹے کا وقت دیتی ہوں۔تم ان تینوں کو اندر چھوڑ کر باہر چلے جاؤ، ورنہ سب کو قتل کر ڈالوں گی۔ یہ دھمکی دے کر وہ غائب ہوگئی، اب تہجد کا وقت شروع ہو رہا تھا۔لہٰذا ہم تینوں (میں، عبدالستار اور مظہر حسین) ایک گاڑی میں بیٹھے کہ حرم شریف (روضہ نبوی ﷺ) میں آ گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں تمام ماجرا عرض

کیا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس قتل جدیہ کی شکایت کی۔ اس کے بعد بھی دو تین چھوٹے موٹے واقعات پیش آئے، باقی امن رہا۔ البتہ خوف سے اب تک آزاد نہیں ہو سکا، جب تک کوئی آدمی ساتھ نہ ہو۔ کہیں باہر تک نہیں جاتا۔ اکیلے کمرے میں قدم نہیں رکھتا۔ بس ہر وقت اللہ تعالیٰ سے بطفیل مصطفیٰ ﷺ اپنی سلامتی اور خوف دور ہونے کی دعا کرتا رہتا ہوں۔ آپ بھی میرے لئے دعا کریں خدا مجھے بحفاظت رکھے۔ یہ ہے مستری محمد ابراہیم موٹر مکینک کا خط، جو اس نے مدینہ منورہ سے اپنی والدہ کو بھیجا ہے۔ یہ خط مجھے مولوی محمد طاہر صاحب نے دکھایا جو میرے دوست جناب خالد اسحاق صاحب سابق ایڈووکیٹ جنرل کے علمی رفیق کار ہیں۔ میں نے محمد ابراہیم کے خط کی نقل لے کر اصل واپس کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس واقعے کی نسبت کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔ محمد ابراہیم کا خط نجی تھا، اس نے اپنی والدہ کو لکھا تھا۔ بے چارے کے سن گمان میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ خط رئیس امروہوی کی نظر سے گزر سکتا ہے۔ 17 اگست 1973ء جمعہ (کراچی)

آپ نے مدینہ منورہ کے جنات کے بارے میں ابراہیم صاحب کی رپورٹ پڑھ لی۔

☆......☆......☆

جن کے گھر میں

یہ ہندوستان کے شہر ناگ پور کا واقعہ ہے۔ میں والدین کے ساتھ ماموں کے گھر آیا ہوا تھا۔ ماموں کا گھر سڑک سے کچھ پیچھے ہٹ کر تھا۔ سڑک اور گھر کے درمیان خالی جگہ میں پھولوں کی کیاریاں بہاریں دکھلا رہی تھیں۔ ایک روز میں شام کو گھر کی سیڑھیوں پر تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے دیکھا سڑک سے والد بزرگوار گزر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے اشارہ کر کے بلالیا اور آگے چل پڑے۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ اباجی جب بھی سیر کرانے لے جاتے تھے تو ہمیشہ میرے برابر آہستگی کے ساتھ چلتے۔ لیکن اس روز خلاف معمول وہ آگے ہی رہے اور مجھ سے کوئی گفتگو نہ کی۔ چلتے چلتے سڑک ختم ہوگئی۔ اس کے بعد ہم میدان سے گزرے، میدان سے گزر کر ایک تنگ اور گنجان بازار سا آیا۔ نہ یہ راستہ میرا دیکھا ہوا تھا، نہ کبھی اس بازار میں آیا تھا۔ اس بازار میں ایک مکان تھا، سڑک سے کم سے کم تین فٹ اونچا۔ مکان کے سامنے جھالی لگی ہوئی تھی۔ اس جھالی میں ایک دروازہ تھا، جو برآمدے میں کھلتا تھا۔ مکان نہ بہت چھوٹا تھا، نہ بہت کشادہ، لیکن صفائی بہت تھی خاک دھول کا ایک ذرہ بھی نظر آتا تھا۔ اباجی برآمدے میں جا کر کھڑے ہوگئے۔ ان کے بازو سے کچھ پیچھے ہٹ کر میں بھی کھڑا ہوگیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ اندر سے ایک بزرگ تشریف لا رہے ہیں۔ سفید داڑھی، سرخی مائل گورا رنگ، بہت اچھی صحت، سفید صاف اور سادہ کپڑے پہنے ہوئے۔ ہاتھ میں تسبیح تھی کچھ پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے اباجی سے کوئی کلام نہ کیا۔ البتہ اباجی نے مجھے ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا کہ یہی وہ لڑکا ہے جس کے لئے آپ فرما رہے تھے"۔

بزرگ نے بڑی پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔ مسکرائے سر پر ہاتھ پھیرا، مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ بدستور کچھ پڑھتے رہے، پھر مجھے اندر لے کر گئے۔ اندر بھی گھر کچا تھا، مگر صفائی کی کوئی حد نہ تھی۔ وہاں ایک چھپر پڑا تھا، چارپائی پر ایک ضعیفہ مائی بیٹھی تھیں، ان کا رنگ زیادہ صاف نہیں تھا۔ ان بزرگ نے اشاروں سے مائی کو میرے بارے میں کچھ بتایا وہ بھی دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ میں چونکہ ان لوگوں سے مانوس نہیں تھا اور یہ بھی ڈر تھا (جیسے بچوں کو ہوا کرتا ہے) کہ اباجی کہیں مجھے چھوڑ کر نہ چلے جائیں۔ اس لئے میں رونے لگا، مائی نے کہا۔ اسے مٹھائی دو مٹھائی! انہیں کی چارپائی کے اوپر ایک چھینکا لٹک رہا تھا۔ اس میں عجیب وغریب قسم کی مٹھائی تھی۔ پیٹھے کی مٹھائی کی طرح ٹکڑے کئی رنگوں کے! جن میں شیشے کی طرح آرپار نظر آتا تھا چونکہ میں نے ایسی مٹھائی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس لئے اور رونے لگا، مائی نے کہا کہ اسے لے جاؤ یہ رو رہا ہے، بزرگ اٹھے۔ اسی طرح تسبیح پڑھتے ہوئے مجھے باہر لے آئے۔ اباجی ایک فرمانبردار نوکر کی طرح وہیں باہر کھڑے تھے۔ وہ مجھے لے کر گھر کی طرف روانہ ہوئے (لیکن حیرت یہ ہے اب بھی کوئی گفتگو نہ کی) گھر کے قریب پہنچ کر کہا جاؤ!

اور خود آگے نکل گئے۔ میں وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ کر ان کی راہ تکنے لگا بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ آج میں کہاں گیا تھا، اور یہ کون لوگ تھے۔ اباجی نے مجھے ان کے بارے میں کچھ بتایا کیوں نہیں؟ پھر یہ کہ راستے میں کوئی بات بھی نہیں کی۔ میں نے طے کیا کہ جب اباجی واپس آئیں گے تو یہ ساری باتیں ابو سے پوچھوں گا۔ جب ان سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے اندھیرا ہو گیا تو میں گھر کے اندر آیا، اندر کمرے میں آ کر دیکھتا ہوں کہ اباجی موجود ہیں، اور اماں سے باتیں کر رہے ہیں، ان کے کپڑے بھی وہ نہیں تھے۔ جن میں وہ ملبوس نظر آئے تھے، میں نے ایک دم پوچھا کہ اباجی! آپ کب آئے اور مجھے کہاں لے گئے تھے؟ فرمایا کہ آج تو میں سارا دن گھر ہی پر رہا ہوں، باہر ہی نہیں نکلا۔ تب میں نے سارا واقعہ سنایا۔ کسی نے یقین نہ کیا، یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تم نے خواب دیکھا تھا۔

آخر صاحب مکتوب نے سوال کیا ہے: رئیس صاحب! خدارا کہ وہ کون بزرگ تھے اور ان سے ملاقات کس طرح ممکن ہے۔ یہ سوال مجھ سے کیا گیا تھا؟

کیا آپ اس سوال کا کوئی جواب دے سکتے ہیں؟

☆......☆......☆

فکر و خیال کے جنات

نجانے کس عالم خود رفتگی میں کہا تھا۔
بھوت بن کر مجھے ڈراتی ہیں
میری نا آفریدہ تخلیقات
کس نے پیچھے سے قہقہہ مارا
یہ اندھیرے میں کون ہے میرے سات
کون آیا مرے تعاقب میں،
وہی فکر و خیال کے جنات!

فکر وخیال کے جنات سے ہمیشہ اپنا واسطہ پڑتا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ خود کوئی جن میرے اندر سما گیا وہ بار بار تقاضا کرتا رہتا ہے کہ لکھو لکھو اور لکھو۔ جوش ملیح آبادی صاحب نے بارہا اعتراف کیا کہ جونہی وہ آنکھیں بند کرتے ہیں، طرح طرح کے مہیب و مضحکہ خیز شکلیں اور چہرے نظروں کے سامنے رقص کرنے لگتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مجبوراً آنکھیں کھول کر اپنے آپ کو کسی کام میں مصروف کر لیتا ہوں۔ ہمیں بھی کسی زمانے میں شوق چڑھا تھا کہ شمع بینی اور تسخیر (نقطہ بینی) کی جائے، کرتے تھے۔ پہلے تو شمع کی لو اور سیاہ نقطہ میں کچھ شکلیں نظر آتیں بادل اٹھ رہے ہیں۔ بلیاں لڑ رہی ہیں، شیر پہاڑی سے اتر رہا ہے۔ ایک لمبوترا چہرہ عجب مضحکہ انداز میں منہ چڑا رہا ہے۔ پھر ایک روز ایسا ہوا کہ آنکھیں بند کیں تو دو بڑی بڑی آنکھیں زرد رنگ سرخی مائل نظر آئیں۔ جیسے عقاب یا شیر گھور رہا ہے۔

اُف یہ پھولوں کے لال انگارے
چشم زرد عقاب کے انگر

پھر یہ ہونے لگا کہ جونہی آنکھیں بند کرتا۔ بے شمار چہرے عجیب وغریب وضع کے، کچھ پتلے، کچھ موٹے، کچھ چپٹے، کچھ دانت نکالے، کچھ مسخرے جیسی ٹوپیاں پہنے قطار در قطار نگار باطن کے سامنے سے گزرنے لگے، جی گھبرانے لگتا۔ وحشت ہونے لگی۔ الٰہی یہ کیا عذاب ہے؟ ارتکاز توجہ کی مشقوں سے آنکھیں بند کر کے اس قسم کے مناظر کیوں دکھائی دیتے ہیں۔ یقیناً دماغ کے بصری حصے (جو بینائی کا مرکز ہے) کی کسی خاص کیمیاوی تبدیلی سے اس کا تعلق وربط ہوگا۔ انسان کی ہر ذہنی کیفیت اس کے دماغ کے کیمیاوی نظم سے گہرا رشتہ رکھتی ہے۔ لیکن ہم ذہن و جسم کے اس مخفی رشتے کی نوعیت سے واقف نہیں!

☆......☆......☆

جن کا اجراء

اردو کے فاضل نقاد و ادیب پروفیسر مجنوں گورکھپوری اپنے مشہور و مقبول افسانوی مجموعے "سمن پوش" میں لکھتے ہیں کہ "جن" کا نام آتے ہی مجھے بے اختیار 1929ء کا زمانہ یاد آ جاتا ہے۔ جبکہ میرا قیام مستقل لکھنؤ میں تھا، اور میں اور امتیاز دونوں نظیر آباد میں ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ دفتر نگار کا پڑوس تھا، صبح و شام نیاز صاحب کے یہاں نشست رہتی تھی۔ اکثر تینوں ساتھ ساتھ سینما جایا کرتے تھے "جن" کی شان نزول ایسی ہی ایک صحبت تھی۔ ایک شام ہم تینوں دفتر نگار سے اٹھے اور سینما کے لئے چلے راستہ میں خیال ہوا کہ حامد اللہ افسر صاحب کو بھی ساتھ لے لیا جائے افسر صاحب کے یہاں تھوڑی دیر ٹھہرنا پڑا، مختلف مباحث پر گفتگو ہونے لگی۔ اسی دوران میں اردو کی کساد بازاری اور رسائل کے ناگفتہ حالات کا ذکر چھڑ گیا۔ نیاز صاحب کہنے لگے کہ آج انگریزی زبان میں جس موضوع پر چاہو رسالہ نکال دو۔ وہ اپنا بازار خود پیدا کر لے گا۔ لیکن آخر اردو میں کون سا موضوع اختیار کیا جائے، جس کی مانگ ہو، ہم میں سے کسی نے کہا کہ اگر روحانیت سے متعلق کوئی رسالہ جاری ہو، تو یقیناً اس کی مانگ ہو گی!

نیاز صاحب کو اس رائے سے اتفاق تھا مگر کہنے لگے، کہ اس کی ترتیب و تدوین کا ذمہ کون لے۔ میں نے کہا نیاز صاحب! یہ سوچیے، اس کے مصارف کون برداشت کرے گا۔ دو جزو بھر دینے کا بیڑا اٹھاتا ہوں، بات ہی بات میں سب کچھ طے ہو گیا۔ نیاز صاحب! رسالہ نکالنے کی رائے کے لئے تیار ہو گئے، اور میں اس کو مرتب کرنے کے لئے! سب کی رائے تھی کہ رسالے کا نام "جن" کی رعایت سے "جان" ہو نیاز صاحب نے بھی اتفاق کیا۔ کچھ ہی دنوں بعد میں لکھنؤ چھوڑ کر گورکھپور چلا آیا، اور یہیں نومبر کے مہینے میں چار ماہ کے پرچے مرتب کر کے نیاز صاحب کے پاس بھیج دیئے۔ اردو زبان میں مضمون نگاروں کا جو حال ہے وہ معلوم ہے، بیشتر مضامین بالخصوص افسانے اور علمی مقالات بھی مجھ ہی کو لکھنے پڑے چونکہ ابھی سال بھر پہلے میں "روحانیت" کے مطالعے میں مصروف رہ چکا تھا۔ اس لئے مجھے کچھ زیادہ وقت محسوس نہ ہوئی، ایک یا دو کے علاوہ میں نے کل مضامین بے نام لکھے۔ اس لئے کہ میں ہی در پردہ اس کا مدیر قرار دیا گیا تھا۔ ان میں زیادہ تعداد ایسے مضامین کی ہے جن کو شاید میں کبھی نام سے منسوب نہ کروں گا لیکن جن مضامین کو میں نے ذوق و انہماک سے لکھا تھا ان میں سے اکثر کو میں نے مجموعے میں شامل کر دیا جس وقت "جن" کا پہلا پرچہ مجھے گورکھپور میں ملا تو مدیر کی جگہ "نیاز صاحب" کا نام دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی میں نے ان کو لکھا کہ آخر اس میں کیا مصلحت تھی؟ انہوں نے لکھا کہ توسیع اشاعت کے لئے ان کا نام ہونا ضروری تھا میں مطمئن ہو گیا معلوم نہیں "جن" کی اشاعت کا کیا حال رہا۔ اس لئے کہ میں اگر بھولتا نہیں پرچے کو دوسرا سال دیکھنا نصیب نہ ہوا!

اس طرح اردو زبان میں نفسیات کے نقطہ سے روحانیت کے مطالعہ کی ابتدا علامہ نیازی فتح پوری اور پروفیسر مجنوں گورکھپوری کے قلم سے ہوئی لیکن عام اہل قلم کے لئے یہ موضوع اور مضمون آج بھی اتنا ہی اچھوتا ہے جتنا پچاس سال قبل! پچھلے 50 سال میں" خارق العادات" (تحقیق نفسی) کے ہر پہلو پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بلاشبہ آج کل مابعد النفسیات کے فن (پیرا سائیکالوجی) نے نیم کدۂ راز کی دہلیز سے آگے قدم نہیں رکھ سکا۔

☆......☆......☆

عنصری مخلوق

اس کتاب کے حصہ اول میں جنات کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا گیا تھا کہ جنات ہوں، دیوزاد، پریاں ہوں، شیاطین ہوں، عفریت ہوں، آسیب ہوں، ان کے ظہور و عمل کے واقعات اگر مکمل "تاریخ نہیں تو انسان کی تاریخ تصور اور روایات کا ایک حصہ ضرور ہیں۔ کرہ ارض پر جہاں "دیدہ" مخلوق پائی جاتی ہے وہاں نادیدہ مخلوقات کو بھی فرض کیا گیا ہے۔ اس قسم کے اکثر تجربے اور مشاہدے، وہم سہی، فریب حواس سہی، خبط دماغ کا نتیجہ سہی۔ تاہم سینکڑوں واقعات کامل صحت مند آدمیوں کامل ہوش و حواس کے عالم میں پیش آتے ہیں اور انہوں نے ان تجربات کو ریکارڈ اور قلمبند بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سائنس نہ ان مظاہر کی تائید کرتی ہے، نہ تردید! یہ سائنس کا دائرہ عمل ہی نہیں ہے لیبارٹری کے آلات اور تجرباتی جانچ پڑتال سے نادیدہ مخلوق کے وجود کو ثابت کر دینا ممکن نہیں۔ لیکن اگر خوردبین یا دوربین سے آپ کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ سرے سے وہ چیز موجود ہی نہیں ہو۔ کیا سائنسی تجربہ گاہوں میں کوئی ایسا آلہ موجود ہے جس کی مدد سے آپ سب اٹامک پارٹیکلز یعنی الیکٹروں پروٹرون اور نیوٹرون کو دیکھ سکیں۔ حقیقت واقعہ صرف اتنی ہے کہ ہم اٹامک انرجی یا جوہری قوت کے عمل کو دیکھ کر جانچ کر پرکھ کر اور استعمال کر کے ہی ایٹمی برق پاروں کے تعامل (کارگزاری) اور وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ وبائی امراض کے جراثیم آنکھوں سے نظر آتے (وائرس کو دیکھنا ممکن نہیں) لیکن ان کی کارکردگی کو بچشم خود دیکھ سکتے ہیں اور اپنے جسم میں محسوس کر سکتے ہیں پھر ان حیرت انگیز شعبدوں کو دیکھ کر کیوں نہ کسی نادیدہ قوت کی کارفرمائی کو تسلیم کر لیا جائے۔ بہت سے حضرات اپنے جن گرفتہ اور آسیب زدہ عزیزوں کے علاج کے سلسلے میں مشورہ طلب کرتے ہیں۔ اپنا تجربہ یہ ہے کہ آسیب زدگی اور جناتی دورے اکثر واقعات محض مالیخولیا اور تقسیم شخصیت (شیزوفرینیا) کے نتیجے میں رونما ہوتے ہیں۔ ان کی بنیاد خالص دماغی اعصابی، ذہنی اور جذباتی ہوتی ہے۔ اب رہے وہ واقعات جن کی توجیہہ کچھ اور بھی ہو سکتی ہے، تو خیال یہ ہے کہ فضا میں یقیناً ایک کم شعور توانائی کارفرما ہے۔

یہ ایک دھندلی ادھوری سی شخصیت ہوتی ہے۔ اس نیم تاریک آوارہ گرد شخصیت کی اکثر حرکات خودکار ہوتی ہیں۔ غیر ارادی جیسے مشینی حرکات! یہ بے شعور توانائی انسانی شعور اور ارادے سے لرزہ براندام رہتی ہے۔ یہ خلا میں تیرنے والی قوت کروڑوں اکائیوں میں تقسیم ہے اور ہر اکائی محدود ادھورے اور ناقص وجود کی مالک ہے ان اکائیوں کو عنصری مخلوق یا قوائے عنصری (ELEMENTALS) کہتے ہیں۔ عنصری (یا عنصر زاد) ایسی مخلوق ہے، جن کی جسمانی ترکیب اور دماغی ساخت انسان سے مختلف کم درجے کی ہے، عنصری جسم جسم نظر بھی آسکتے ہیں۔ نہیں بھی آسکتے صرف چند لمحے کیلئے اپنی پسندیدہ شکل میں ظاہر ہوتے اور پھر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ ان میں ہر

شکل ہے (FORM) کو اختیار کرنے کی غیر معمولی صلاحیت واستعداد پائی جاتی ہے یہ سب سے زیادہ انسان کی طاقتور دماغی لہروں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ آدمی کے اعصابی نظام اور دل و دماغ سے جس طول موج (ویو نگتھ) کی لہریں نکلتی ہیں، وہ ان کے حق میں زہریلی گیس کا حکم رکھتی ہیں۔ انسانی دماغ کی لہریں جتنی طاقتور ہوں گی..... یہ اس سے اتنے ہی خوف زدہ ہوں گے۔ ہم صرف اپنی قوت ارادی اور خود اعتمادی سے انہیں اپنا محکوم بنا سکتے ہیں۔ جس طرح اور عنصری قوتوں (بھاپ بجلی، ایٹمی توانائی اور مقناطیسیت) کو ہم اپنے اشاروں پر چلاتے اور ان سے مفید یا مضر کام لے سکتے ہیں۔ اسی طرح ان عنصر زاد مخلوقات سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ حال ہی میں سویڈن کے ایک سائنس دان (جو غالباً طبی پیشے سے تعلق رکھتے ہیں) نے اعلان کیا ہے کہ میں متواتر تجربات سے اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ روح کا وزن ۲۱ گرام ہوتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ صاحب کس قسم کے تجربات سے اس نتیجے تک پہنچے ہیں۔ جہاں تک روح کے وزن کا تعلق ہے تو یہ خیال مضحکہ خیز ہے کہ روح میں وزن ہوتا ہے، یا وہ جسم رکھتی ہے البتہ عنصری مخلوق کا وزن ۲۱ گرام ہو سکتا ہے۔ ہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ کسی شخص کو خیرہ سر جنات آوارہ گرد روحوں اور مہیب چھلاووں سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اگر ہیں تو یہ طلسمانی ہیں صرف ایک قوی الارادہ شخص کی ڈانٹ بڑے بڑے بھوت کو بھگا دینے اور جن کو ڈرا دینے کیلئے کافی ہے۔ مجھے بھی (ELEMENTALS) کے بعض تجربات ہوئے ہیں، مگر ان کی نوعیت ذاتی ہے۔

جن کس طرح صورت بدل لیتے ہیں؟ یہ معاملہ دلچسپ ہے۔ مگر ہمیں اس سوال کا جواب نہیں معلوم! البتہ وہ مختلف شکلوں میں نمودار ہوا کرتے ہیں خان بہادر نقی محمد خان (مرحوم) اپنی دلچسپ ترین سوانح عمری "عمر رفتہ" میں لکھتے ہیں کہ:

ایک روز میرے پڑوسی مقیم الدین انصاری (سپرنٹنڈنٹ محکمہ سروے) نے ایک عجیب واقعہ بیان کیا۔ ان کو پیمائش سروے اور نقشہ کشی کے سلسلہ میں بعض ایسے مقامات پر بھی جانا ہوتا تھا، جو میلوں تک غیر آباد تھے۔ ایک مرتبہ ان کا کیمپ ایسے ہی پہاڑی مقام پر تھا۔ مقیم الدین انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بڑے ڈیرے میں کام میں مصروف تھا کہ ایک اجنبی شخص چق اٹھا کر اندر آ گیا اور سلام علیک کے بعد میرے قریب فرش پر بیٹھ گیا، میں حیران تھا کہ ان پہاڑوں اور غیر آباد مقام پر انسان کا کیا کام؟ وضع قطع شریفانہ! لکھنؤ کا قدیم لباس زیب تن! بیل دار سفید ٹوپی، ململ کا کرتا! سفید انگرکھا، ڈھیلے پائینچے کا پاجامہ! سبز مخملی پاپوش! عطر میں بسے ہوئے گندمی رنگ، خوبصورت سڈول جسم! خوش نما چہرہ چھوٹی موٹی مونچھیں، خشخشی ڈاڑھی، عمر اندازاً چالیس سال! میں نے سگریٹ پیش کیا، کہنے لگے کہ میں سگریٹ، پان، چائے، حقے کسی کا عادی نہیں ہوں میں نے کہا کہ اس جنگل میں آپ کی کیا خاطر تواضع کروں۔ کہنے لگے کہ تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔

اس جنگل میں آپ لوگوں کو اکثر ان پہاڑوں میں دیکھتا ہوں، آج ملنے کو جی چاہا۔ چلا آیا! آپ کے کام میں ہارج ہونا نہیں چاہتا میں نے کہا کہ حضرت! وقت اپنا کام اپنا، جب تک جی چاہے بیٹھئے اس جنگل میں آپ رہتے ہیں کہاں؟ وہ مسکرائے اور یہ شعر پڑھا۔

ایک جا رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

نام پوچھا تو کہا گمنام ہوں۔ یہ کہہ کر "یار زندہ صحبت باقی" کہہ کر چق اٹھا کر چل دیئے اور قریب ایک خشک نالے میں اتر کر غائب ہو گئے۔ میرے ہمرائیوں نے ادھر ادھر دیکھا تو پتہ نہ چلا۔ تین چار روز کے بعد پھر شام کو آ گئے۔ کپڑے ویسے ہی! صاف ستھرے میلوں تک نہ وہاں دھوبی نہ استری، سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا طلسم ہے؟ چند منٹ بعد کھڑے ہو گئے کہنے لگے کہ آپ لوگ بڑے لاپرواہ ہیں یہ بڑا نقشہ جو بچھا ہے اس کے نیچے تو ایک بہت بڑا کالا ناگ ہے۔ ہم سب یکبارگی کھڑے ہو گئے۔ نقشے کو اٹھایا تو اس کے نیچے کافی بڑا کالا سانپ تھا۔ میرے آدمی ڈنڈے، پتھر لینے دوڑے۔ سانپ تیزی سے قنات کے نیچے سے نکل کر کہیں غائب ہو گیا اور اس گڑبڑ میں وہ (بزرگ) بھی نظر سے اوجھل ہو گئے۔ دیر تک ہم لوگ اس بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ تعجب یہ تھا کہ جب سب نقشے کے گرد بیٹھے تھے، تو سانپ کس طرح نقشے کے نیچے آ گیا اور انہیں اس کا کیونکر علم ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ایک روز پھر آ گئے دھوپ میں تیل کی مالش کرا رہا تھا۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہونے لگی۔ پالیٹکس (سیاست) سے انہیں مطلق دلچسپی نہ تھی۔ تصوف کے بارے میں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ باتوں کی چیز نہیں عمل کی چیز ہے۔ اشعار اچھے یاد تھے، پڑھنے کا انداز بھی اچھا تھا۔ چلتے وقت مجھ سے کہا کہ میری نگرانی نہ کرائی جائے۔ اس کے بعد پھر نہ آئے۔ دو ماہ بعد جب ہم لوگ سروے کا کام ختم کر کے واپس جانے والے تھے تو اسی صاف ستھرے لباس میں میرے ایک سپاہی کو جنگل میں مل گئے اور اس سے کہا کہ تم لوگوں نے پتہ چلایا کہ میں کون ہوں؟

☆......☆......☆

کابلی وضع میں

یہی خان بہادر مرحوم اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ایک روز شام کے وقت پیر جی کفایت اللہ خاں اور میرے بھائی شفیع محمد کمرے میں باتیں کر رہے تھے، پیر جی عابد و زاہد تھے۔ شب بیدار تہجد گزار شادی بھی جوانی میں ہوئی تھی۔ بیوی کے مرنے کے بعد شادی نہیں کی۔ والدان کے کافی ضعیف تھے۔ انہی کی خدمت کرتے اور مگن رہتے، اولاد کوئی ان کی نہ تھی۔ خود ہی چکی پیستے اور کھانا پکاتے۔ درجہ دوم کے کانسٹیبل تھے۔ جب ان کی ترقی درجہ اول پر ہوئی تو قبول نہ کی۔ اور کہا کہ موجودہ تنخواہ میرے گزارے کیلئے کافی ہے۔ ساری عمر علیگڑھ میں تعینات رہے۔ انگریزی اور ہندوستانی حکام ان سے خوش تھے اور عزت کرتے تھے۔ سنا ہے کتنے ہی سال بعد جب ان کا انتقال ہوا تو شہر کے باشندوں نے جن میں ان کے معتقدین بھی شامل تھے۔ مقبرہ بنوادیا۔ جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے!

جس شام کا یہ ذکر ہے۔ پیر جی نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے مکان کو بجائے بازار کی سڑک سے جانے کے سیدھا جنگل کے راستے کھیتوں میں ہو کر جایا کرتا ہوں۔ کل شام کو یہ اتفاق پیش آیا کہ مجھے ایک بھینسے نے فلاں کھیت کے قریب روک لیا اور حملہ کرنا چاہا، وہ دراصل جن تھا۔ اور جب میں نے رد بلا کا عمل پڑھنا شروع کیا۔ جن کا تعلق حاضرات سے ہے، تو وہ راستے سے ہٹ گیا، اس عمل کے تعویز کو بھی اپنے پاس رکھتا ہوں۔ شفیع محمد خاں نے کہا کہ کیا آپ جنات مجھے دکھا سکتے ہیں۔ اس وقت طبیعت کچھ موزوں تھی، کہا کہ ابھی دیکھو گے وہ راضی ہو گئے۔ پیر جی نے ایک کٹوری میں تھوڑا سا گھی ڈالا، کیونکہ تیل نہ تھا اور روئی کی بتی ڈال کر چراغ کی طرح روشن کیا۔ طاق پر رکھ کر ایک بوسیدہ، تعویز نکالا اور اس کو احتیاط سے کھول کر میرے بھائی کو دیا اور کہا چراغ کی روشنی میں ان ہندوسوں کو جو تعویز پر لکھے ہیں، بغور دیکھو میں بھی دیکھنے گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ کچھ لوگ سیڑھیوں پر فرش بچھا رہے ہیں۔ وضع کابلی پٹھانوں کی اور سر پر صافے تھے۔ اس وقت نہ چراغ نظر آتا تھا، نہ تعویز جو ہاتھ میں تھا کچھ دیر کے بعد یہ تماشا غائب ہو گیا پیر جی نے پوچھا کہ کیا دیکھا، جو کچھ ہم لوگوں نے دیکھا تھا بیان کر دیا۔ تعویز کو تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا اور چلے گئے عمل حاضرات کا جنات سے کیا تعلق ہے، مجھے اس کا جواب معلوم نہیں!

☆......☆......☆

ایک اور کابلی نما جن

جنات سے کس کس طرح سابقے پڑتے ہیں اور کیا کیا معاملات پیش آتے ہیں۔ یہ داستان بھی ''فسانہ عجائب'' سے کم نہیں۔ مشہور مصنف عبدالباری آسی لکھتے ہیں کہ میں دلی کے مشہور مگر مرحوم اخبار کے دفتر میں کچھ متفرق خدمات انجام دیتا تھا اور معمولاً ہر ہفتے وطن جایا کرتا تھا، جو دلی سے ۲۵ یا ۲۶ کوس ہے۔ جو گاڑی دلی سے غازی آباد ہوتی ہاپوڑ آتی ہے۔ وہ پانچ بجے چلتی ہے، اور ہاپوڑ ایسے وقت پہنچ جاتی تھی۔ جس سے دوسری گاڑی کا میل ہوتا تھا اور میں دس بجے کے قریب مکان جا پہنچتا تھا۔ لال کنویں میں مقیم تھا، کھانا پکانے کیلئے خاص آدمی ملازم نہ تھا۔ بلکہ اسی محلہ کے بازار میں ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ دونوں وقت وہیں کھانا کھا لیا کرتا تھا۔ اگست یا ستمبر کا مہینہ تھا۔ شام کے وقت میں اس ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا۔ دفعتاً ایک شاہ صاحب ننگے بدن، ستر پوشی کیلئے صرف ایک تہہ باندھے، سر پر ایک کلاہ رکھے بغل میں جھولی ڈالے ہاتھ میں ہری ٹہنی کی چھڑی۔ اس طرح وارد ہوئے، جہاں تک میں نے اندازہ کیا۔ وضع قطع صورت شکل سے کابلی معلوم ہوتے تھے۔ آتے ہی انہوں نے السلام علیکم کہا۔ اتنا مجھے یاد ہے کہ میں نے سلام کا جواب دیا۔ اور اس کے بعد ذرا حیرت کی نگاہ سے ان کو دیکھنے لگا۔ ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ روٹی دو! مالک ہوٹل نے عام فقروں میں ان کا بھی شمار کر کے ایک چپاتی کے دو حصے کر کے یا یوں سمجھو کہ ٹکڑا توڑ کر ان کو دے دیا۔ شاہ صاحب نے ایک بہت ہلکے سے غضب آلود مگر تعجب آمیز لہجے کے ساتھ جواب دیا کہ:

یوں نہیں، مول کو دو!

دوکان دار نے وہ ٹکڑا لے لیا اور پوچھا

کتنے کی!

انہوں نے کہا کہ، ایک پیسے کی!

اس نے روٹیوں میں سے ایک چپاتی اٹھا کر انہیں دی دی۔ شاہ صاحب نے چپاتی نہیں لی۔ کہا کہ، اونہہ، یوں نہیں، کہو کہ ہم نے تمہارے ہاتھ بیچی! مالک ہوٹل نے کہا کہ، لاحول ولا قوۃ، ایک پیسے کا سودا لیا اور دو گھنٹے خراب کر دیئے۔ اچھا صاحب یہ روٹی تمہارے ہاتھ بیچی! بس اب خوش ہو۔ شاہ صاحب نے کہا کہ میں نے خریدی یہ کہہ کر پیسہ دے دیا۔

میں یہ سب کرشمہ دیکھ رہا تھا اور غور کر رہا تھا، کیا بات ہے؟ یہ تو کیا یاد ہے کہ کیا، سوچا اور کیا ذہن میں آیا؟ ہاں یہ یاد ہے شاہ صاحب چپاتی لے کر چل دیئے اور مجھے یہ خلجان پیدا ہوا کہ اتنے بڑے ڈیل ڈول کے آدمی کا (گو وہ کیسا ہی سب سن رسیدہ کیوں نہ ہو)

ایک چپاتی میں بھلا ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی مجھے چین نہ آیا، کھانا چھوڑ کر کھڑا ہوگیا اور ننگے پاؤں نکل کر ہوٹل سے بھاگا۔ شاہ صاحب دس، بیس قدم جا چکے تھے میں نے انہیں پالیا اور جب دو چار قدم کا فاصلہ رہ گیا، تو میں نے پکار کر شاہ صاحب، شاہ صاحب! شاہ صاحب نے مڑ کر دیکھا اور پوچھا کیا ہے؟ میں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ (چپاتی) اور لیجئے! شاہ صاحب نے مجھ سے کچھ نہیں کہا، مگر وہ میرے ساتھ ہو لئے اور جلد سے جلد ہوٹل میں آ گئے اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں نے مالک ہوٹل سے کہہ دیا کہ شاہ صاحب! جو کچھ مانگیں دے دو! شاہ صاحب نے کہا کہ:

ٹھہرو! تمہارا نام کیا ہے؟

میں نے نام بتایا، پھر پوچھا، تمہارا وطن؟

میں نے کہا ضلع میرٹھ میں ایک قصبہ ہے "الان" میں وہیں رہتا ہوں

پوچھا، پھر تم یہاں کیوں ہو؟

بتایا کہ فلاں جگہ ملازم ہوں

کہنے لگے کہ اچھا! ہم یہ کھانا کھائے لیتے ہیں مگر تم یہ قیمت اپنی تنخواہ سے دینا، میں نے عرض کیا کہ بہت اچھا! مگر محسوس کیا کہ دل و دماغ میں، بجلیاں دوڑ رہی ہیں۔

شاہ صاحب نے چار چپاتیاں لیں، میں نے لاکھ کہا، کچھ اور لے لیجئے۔ مگر شاہ صاحب نے ہر مرتبہ یہی کہا کہ بس الحمداللہ، یہ کہہ کر اور سلام کر کے یہ کہتے ہوئے کہ پیسے تنخواہ میں سے دے دینا، رخصت ہوگئے۔ چند روز تک اس واقعے کا اثر میرے دل پر رہا۔ مگر اس کے بعد دوسرے مشاغل وافکار نے اپنی طرف مائل کر لیا۔ اور خیال بھی نہ رہا کہ میری آنکھوں نے کیا دیکھا اور کانوں نے کیا سنا تھا۔ اسی زمانے میں بقر عید آ گئی۔ اس موقع پر (وطن) نہ جانا میرے لئے ناممکن تھا۔ عید سے دو ایک دن پہلے جانے کا اہتمام ہوگیا، اور شام کے وقت وہی پانچ بجے کی گاڑی میں سوار ہوا اور ہاپوڑ کو روانہ ہوگیا۔ نہ معلوم گاڑی لیٹ پہنچی یا کیا ہوا۔ بہر حال میں اس وقت پہنچا کہ دوسری گاڑی سے میل نہ ہوا۔ اب میں نے ارادہ کیا کہ پانچ چار میل کی بات ہی کیا ہے۔ چنانچہ میں سڑک کے راستے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اول میں میں پہلے ہی جانتا تھا کہ برسات کا موسم ہے رات کا وقت ہے کھیتیاں کھڑی ہیں۔ راستے کا ایک ایک درخت، جنگل کا بھوت بن کر ڈرا رہا ہے۔ راستہ گو مخدوش نہیں مگر تنہائی ہر جگہ مخدوش ہے۔ مگر میرے شوق اور ارادے کے سامنے یہ سب کچھ نہ تھے۔ میں جا رہا تھا اور بے خوف جا رہا تھا۔ اسٹیشن سے ریل کی پٹری آ کر میرے مکان کی طرف جانے والی سڑک سے ملتی تھی۔ ابھی پانچ، دس قدم ہی سڑک پر رکھے ہوں گے، کہ اتنے میں ہاپوڑ کے رہنے والے ایک دوست منشی ابن علی رفیق مرحوم مل گئے۔ سلام اور معمولی مزاج پرسی کے بعد پوچھا کہ تم کہاں؟ میں نے بیان کیا کہ گھر جا رہا ہوں۔ انہوں نے منع کیا اور سخت تاکید کی کہ صبح جانا مگر میں نے ایک نہ سنی۔ نہ میرے شوق نے اس کی

کوئی پرواہ کی۔ ایک دن ضائع ہو جاتا۔ اس وقت کے مشرب میں ایک عمر کا ضائع ہوتا تھا۔ رفیق مرحوم نے کہا کہ راستہ یوں ہی مخدوش ہے کہ ایک بھینسا پھر رہا ہے اور کئی آدمی اس کے سینگوں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں، اس بات نے البتہ ڈرا دیا میں نے بیاحتیاط کی سڑک چھوڑ کر ریل کی پٹری پر ہو گیا۔ اتنے میں ابر آ گیا اور دم بھر خفیف خفیف ترشح بھی شروع ہو گیا۔ مگر ایسا نہ تھا کہ میں تربتر ہو جاتا اور شوق خوف میں تبدیل ہو گیا۔ اب جو سفر تھا وہ سنگ آمد وسخت آمد کے تحت تھا۔ میرے ہوش وحواس باختہ ہو گئے۔ گھاس کا پتا بھی ہلتا تھا تو معلوم ہوتا کہ کوئی بڑا بھاری زہریلا سانپ کاٹنے کو آ رہا ہے۔ مگر کیا کرتا؟ چلا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے نزدیک میں نے ریل کی پٹری کی مسافت طے کر لی اور اب وہ پگڈنڈی آ گئی۔ جہاں سے اتر کر مجھے کچا راستہ طے کرنا تھا۔ میں سڑک کو چھوڑ کر اتر گیا۔ مگر تھوڑی دور جا کر اندازہ ہو گیا کہ نگاہ نے غلطی کی۔ میں نے دھوکہ کھایا اور میں راستہ بھول گیا، جی چاہا کہ پھر اسی جگہ واپس جاؤں۔ جہاں سے ریل کی پٹری کو چھوڑا تھا مگر یہ بھی ایک تفصیل تھا۔ دوسرے جب یہ معلوم ہو گیا کہ میں فلاں جگہ پر ہوں، تو صحیح راستے پر پہنچنا میرے لئے دشوار نہ تھا! یہاں تک کہ میں ایک بڑے باغ میں پہنچ گیا۔ اور میں نے سمجھ لیا میں اب فلاں جگہ پر ہوں۔ جن بھوت، درندے گزندے گویا تمام موذی اور غیر موذی مخلوق اس وقت میرے ستانے پر آمادہ تھی۔ میں خوف سے گزرنے والا تھا کہ میں نے دیکھا نہایت تیزی سے ایک روشنی جو لال ٹینوں کی صورت میں تھی۔ نہایت تیزی سے چلی آ رہی تھی۔ بہرحال روشنی آ رہی تھی۔ مگر جتنی جتنی قریب آتی تھی کم ہو رہی تھی۔ جب میرے متصل آئی تو بالکل غائب ہو گئی اور کسی نے ان الفاظ میں اسلام علیکم کی ابتداء کی کہ:

میاں عبدالباری! السلام علیکم

یہ سن کر قاعدے کے موافق مجھے بے ہوش ہو جانا چاہئے تھا مگر میرے حواس بجا ہو گئے۔ اب میں بالکل ہوش میں تھا۔ اس آواز کو سننے کے بعد پہلی مرتبہ میری نگاہ نے اندازہ کیا کہ اس وقت یہ کون آیا؟ تو بے تکلیف میری سمجھ میں آ گیا، کہ یہ وہی شاہ صاحب ہیں، مجھے کچھ اور سوال کرنے یا استعجاب کی مہلت نہیں ملی۔

شاہ صاحب نے کہا کہ

ہم نے سوچا کہ ہم کو ادھر ہی جانا ہے تم بھی اکیلے ہو، آؤ تم کو پہنچا دیں۔

آؤ ہمارے ساتھ آؤ، مکان یہاں سے بہت قریب ہے۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ چلتا رہا دیکھ رہا تھا شاہ صاحب ایک منٹ کیلئے خاموش نہیں ہوئے اور میری زندگی کے تمام وہ واقعات جنہیں شاید کوئی بھی جانتا نہ ہو، دہرانے لگے کہ رہے تھے جو یہ کرتا ہے اس کو یہ سزا ملتی ہے اور جو یہ کرتا ہے اسے یہ جزا ملتی ہے۔ اتنا کہ گھر آ گیا میرے گھر کے قریب ایک اور گھر تھا جو خالی پڑا تھا۔ میں نے شاہ صاحب سے کہا کہ میں ذرا چابی لے کر آؤں۔ چنانچہ ان کی اجازت سے گھر گیا اور والد صاحب سے گھر کی چابی لے کر واپس آیا۔ جلانے کیلئے ایک کپی بھی لیتا آیا۔ شاہ صاحب میرے ساتھ ہوئے میں نے جا کر گھر کھولا۔ کوٹھری میں ایک چارپائی تھی اور چارپائی کے نیچے پیال! میں نے

کوٹھری کھولی اور چار پائی نکالی شاہ صاحب نے پوچھا اندر کوٹھری میں کیا ہے؟ میں نے کہا۔ آیئے دیکھ لیجئے۔ شاہ صاحب نے دیکھا کچھ پیال بچھی ہے، الماری میں چند کتابیں رکھی ہیں جو میرے زمانہ طالب علمی کی یادگار تھیں شاہ صاحب پھر بیٹھ گئے اور کہا بس ہم یہیں سوئیں گے۔ ہر چند کہتا ہوں کہ یہاں بہت گرمی ہے، بہت تکلیف ہوگی مگر نہیں مانتے میں نے ڈیبا (کپی) رکھ دی، کہنے لگے یہ کتابیں کس کی ہیں، میں نے کہا، میری۔ فوراً ایک کتاب نکال لی! جو مجھے اب تک یاد ہے کہ ''کنز الدقائق'' تھی۔ مجھ سے فرمایا، بیٹھ جا میں بیٹھ گیا۔ پوچھا تو نے کچھ پڑھا ہے، میں نے جواب تو دے ہی دیا مگر نہ معلوم کون ساجذبہ تھا کہ سن کر مجھے بے اختیار ہنسی آگئی؟ پوچھا تو کچھ پڑھے گا؟ یہ کہہ کر کتاب کھول کر سامنے رکھ دی اور کہا پڑھ! تین مرتبہ مجھ سے کہا، میں بہتیرا روکتا ہوں مگر ہنسی ہے کہ چلی آرہی ہے۔ شاہ صاحب کے غصے اور جلال کا یہ عالم کہ مجھ سے ادھر دیکھا نہیں جاتا، آنکھیں مشعل کی طرح جل رہی ہیں۔ منہ سے کف جاری ہے، ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہے۔ غرض کہ تین چار مرتبہ کہنے پر جب بار بار میں ہنسا تو کہا، ارے، تو جانے، نہ پڑھ! یہ کہہ کر کتاب رکھ دی اور کہا جاؤ۔ گھر جاؤ، میں جیسے ہی کوٹھری سے نکلا، خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو۔ یہ حضرت کتابیں لے کر چل دیں۔ میں جانتا ہوں کہ سننے والے مجھے برا سمجھیں گے مگر میں نہیں جانتا کہ کس چیز نے یہ خیال پیدا کیا۔ ورنہ حقیقتاً اگر وہ کتابیں جاتی رہتیں تو شاید مجھے اس سے زیادہ خیال نہ ہوتا کہ جاتی رہیں اور بس! مگر اس وقت یہ خیال آیا اور بڑے زور شور سے آیا۔ معاً شاہ صاحب نے آواز دی کہ باہر کوٹھری کی کنڈی لگا دو، اور قفل دے دو، چابی لے جاؤ۔ میں لاکھ عذر کرتا ہوں۔ نہیں مانتے! اور ڈانتے ہیں۔ آخر میں نے تعمیل ارشاد کی اور گھر آکر سو گیا۔ مگر ایسا نہیں کہ چار بجے بھی آنکھ نہ کھلتی۔ چار ساڑھے چار بجے میں اٹھا اور اس خیال سے کہ شاہ صاحب کو جانا ہوگا۔ جاؤں، دروازہ کھول دوں! میں پہنچا۔ پہلے باہر کا دروازہ کھولا۔ پھر کوٹھری کا قفل! مگر دیکھتا ہوں کہ کتابیں کیا؟ کوٹھری کی ہر چیز بدستور رکھی ہے، مگر شاہ صاحب نہیں ہیں۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ یہ کیا تھا ایک مرتبہ اتفاق سے ایک شخص سے جو بظاہر اسی مشرب کے تھے۔ میں نے (اس واقعے کا) ذکر کیا۔ تو وہ ہنسے اور ہنس کر کہا کہ انہوں نے احسان اتار دیا اور ایک مرتبہ تم سے ملیں گے۔

☆.....☆.....☆

حمل چرالیا

ماہنامہ ''جن' جنوری 1930 کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

ذیل کی روایت میں نے اپنی نانی سے سنی ہے۔ میں خود اس کے بارے میں کوئی رائے نہیں رکھتا۔ اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس وقت کا یہ قصہ ہے۔ اس وقت میرا خاندان اولیاء کا خاندان سمجھا جاتا تھا۔ دو پشت اب سے پہلے یہ ولایت میرے خاندان میں رہی لیکن اب اس ولایت کے نام لیوا چند اخون الشیاطین رہ گئے ہیں۔ اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں سے یہ قصہ متعلق ہے۔ وہ ایسے معصوم اور برگزیدہ لوگ تھے کہ ان پر کذب وافترا کا گمان کرنا بجائے خود افترا پردازی ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ۔ آج کل کی روشن خیالی کے دور میں کہا جا سکتا ہے، کہ بے چارے سیدھے سادھے معصوم تھے اور آسانی کے ساتھ ہر فریب نظر کو واقعہ لیتے تھے، بہر کیف واقعہ یہ ہے کہ:

میری نانی کے دادا مع اپنے اہل وعیال کے گورکھپور میں آبسے۔ وہ صاحب کشف وکمال تھے۔ اول اول انہوں نے اپنے ایک دوست کے یہاں عرصہ تک قیام کیا صاحب خانہ کے ان سے وہ مراسم تھے جو دو قریبی رشتے داروں میں بھی مشکل سے ہوتے ہیں کچھ دن بعد صاحب خانہ کی بیوی نے ان سے شکایت کی کہ اس گھر میں چند جنات رہتے ہیں۔ اور ہمارے لڑکے، لڑکیوں سے بری طرح خائف ہی ہیں۔ اگر آپ ان سے کہہ سکیں تو کہہ دیجئے کہ اس مکان کو چھوڑ دیں۔ ممدوح نے رات کو جنات کے سرگروہ سے ملاقات کی۔ سرگروہ نے کہا درحقیقت یہ گھر میرا ہے۔ اس لئے کہ جس مہندی کے درخت پر اپنے خاندان کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کو صاحب خانہ نے کاٹ کر گھر کے اندر لگالیا اور اب ہمارا اس گھر پر حق ہوگیا ہے۔ ہاں ایک شرط پر ہم گھر کو چھوڑ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ ہوا صاحب خانہ کی بیوی کو حمل تھا، میری بہن کے لڑکا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اس بیوی کا حمل چرا کر اپنی بہن کو دے دیا، میں گنہگار ہوں۔ اگر یہ لوگ میرے اس گناہ کو معاف کردیں تو ہم لوگ فوراً گھر چھوڑ دیں گے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہو کہ اس خاتون کو ایک دفعہ دراصل کچھ مہینوں تک حمل کے آثار محسوس ہوتے رہے۔ لیکن بعد کو وہ تمام آثار جاتے رہے اور ایسا معلوم ہوا کہ حمل اندر ہی اندر غائب ہوگیا۔ لوگوں نے سمجھا حمل نہ تھا، بلکہ کوئی مرض تھا جو خود بخود جاتا رہا۔ خاتون خانہ سے جب سرگروہ جنات کی یہ شرط پیش کی گئی تو انہوں نے اس کو منظور نہیں کیا۔ انہوں نے جنات کا قصور کبھی معاف نہیں کیا نہ وہ گھر کبھی جنات سے خالی ہوا، اور کئی پشت تک اس گھر میں رہنے والوں کا سابقہ ناریوں سے رہا۔

یہ تو میں کہہ چکا ہوں کہ میرے بزرگوں اور غیر خاکی مخلوق میں بڑا اخلاملا تھا۔ ان کے درمیان اس طرح پیام وسلام ہوا کرتے تھے جس طرح آج کل دو دوستوں میں ہوتے ہیں۔ الغرض میرا گھر جناوں کا اکھاڑہ بنا رہتا تھا۔ ذیل کا واقعہ اب سے تین چار پشت پہلے

میرے خاندان کی ایک خاتون سے متعلق ہے۔ خاتون موصوف کو حمل تھا۔ ایک دن وہ چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھیں، خاتون موصوف کو بیٹھے بیٹھے مذاق سوجھا اور انہوں نے چھپکلی کو مخاطب کر کے کہا" بہن! جب تمہارے بچہ ہو تو چھٹی میں مجھے بلانا اور جب میرے بچہ ہوگا، تو میں تمہیں بلاؤں گی۔ اس مذاق کو کئی مہینے گزر گئے۔ ایک روز شام کو کہاروں نے دروازے پر آ کر خلاف توقع آواز دی۔

دیکھا تو ایک پالکی ڈیوڑھی سے لگی ہوئی ہے۔ معلوم ہوا کہ کہیں چھٹی کی تقریب ہے اور یہاں سے کوئی خاتون جانے والی ہیں۔ خاتون موصوف کو اس وقت اپنا مذاق یاد آیا اور وہ سہم کر رہ گئیں لیکن جناتی معاملہ تھا، بدعہدی ممکن نہ تھی۔ مہلک ثابت ہوتی، مجبوراً ان کو پالکی پر سوار ہو جانا پڑا۔ ان کا یہ بیان ہے کہ میں کس کو دیکھ نہیں رہی تھی۔ لیکن یہ محسوس کر رہی تھی کہ یہ مجھے کشاں کشاں پالکی تک لے گیا اور اس میں بٹھا دیا، پالکی جا کر ایک نہایت عالیشان پھاٹک کے سامنے رکھ دی۔ خاتون ڈرتی ہوئی گھر کے اندر داخل ہوئیں دیکھا تو مکان کا گوشہ گوشہ جشن جمشیدی کا اعلان کر رہا ہے ہر سمت سے گانے بجانے کی آواز آرہی ہے۔ مگر کوئی دکھائی نہیں دیتا بڑی دیر تک یہی رنگ رلیاں ہوتی رہیں، پھر پالکی دروازے پر لگی۔ خاتون کو اس میں سوار کر کے اس طرح طرح کے میوے اور مٹھائیاں اور رنگ برنگ کے تحفے ان کے پالکی میں رکھ کر ان کو رخصت کر دیا گیا۔ ان چیزوں کو گھر کے اور لوگوں نے بھی دیکھا اور مٹھائیاں وغیرہ بھی کھائی گئیں۔ اب اس کے بعد یہ نہیں معلوم کہ اس خاتون کے بچہ پیدا ہوا تو چھٹی (کی تقریب) میں وہ جنیہ (عورت) بھی شریک ہوئی یا نہیں؟

ان روایات (حمل چرایا جانا اور چھپکلی کا راوی) کوئی سن رسیدہ دقیانوسی خاتون نہیں۔ اردو کے فاضل نقاد و منصف جناب مجنوں گورکھپوری ان روایتوں کے بیان کنندہ ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ چھپکلی والا قصہ میں نے اپنا یہاں گھریلو خاتون سے بھی سنا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جنات کی دیومالا میں سانپ اور بلی کی طرح چھپکلی بھی عام اور ہمہ گیر مظہر کی حیثیت رکھتی ہے!

☆......☆......☆

نادیدہ مخلوق

نادیدہ مخلوق کی کارستانیوں اور کرشمہ آرائیوں کا ذکر ہر عہد میں ذہن کیلئے ڈرامہ خیز رہا ہے۔ اس قسم کے واقعات کو سننے، سنانے اور کہنے دہرانے میں آدمی جو لذت خفی محسوس کرتا ہے۔ اس کا اندازہ ہر شخص کو ہے، جونہی پری زادوں، چھلاووں اور جنوں کا ذکر آیا تخیل کی رفتار تیز اور ذہن کی شاعرانہ صلاحیت سنسنی خیز ہوگئی۔ سنسنی خیز کی اصلاح پر ناک بھووں نہ چڑھائیں، لفظ رہائش کی طرح یہ اصطلاح بھی غلط العام صحیح کے عذر پر اردو زبان میں رائج ہوگئی ہے۔ ان کہانیوں سے (جن کی صحت کا مدعی میں ہوں نہ آپ) جنات کی چند خصوصیات واضح ہوتی ہیں۔ جنات جس روپ میں چاہیں اپنے کو نمایاں کرسکتے ہیں۔ مقیم الدین انصاری (سروے سپرنٹنڈنٹ نے انہیں لکھنوی وضع میں آراستہ دیکھا۔ خان بہادر نقی محمد خان (عمر رفتہ کے مصنف) نے پیر جی کفایت اللہ کی حاضرات میں کابلی لباس میں ان کا نظارہ کیا۔ عبدالباری کی دعوت پر انھوں نے چار چپاتیاں نوش جان کیں اور پھر ایک نازک وقت پر عبدالباری آسی کی مدد کی۔ جنات مجنوں گورکھپوری کی بیان کردہ روایات سے اندازہ ہوتا، کہ جنات میں بھی انفرادی ملکیت کا جذبہ اتنا ہی قوی ہوتا ہے، جتنا حیوانوں اور انسانوں میں! وہ گھر بنا کر رہتے ہیں اور اگر انسان کی حدود ملکیت میں دست اندازی کرتا ہے تو وہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنات کی عورتیں بانجھ ہوں تو انہیں انسان عورتوں کے حمل چرانے میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ (صورتحال کا یہ پہلو عجیب ہے) کبھی کبھی جنات چھپکلی کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں اور ٹیلی پیتھی کے ذریعہ انسان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆......☆......☆

حیرت انگیز علاج

اب ف ح (بستی یوپی) کے قلم سے جنات کے بارے میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

حسب ذیل روایت اپنے دادا کے روزنامچے میں دیکھی ہے، جو ایک نہایت نیک نیت اور صادق القول بزرگ تھے۔ (روایت یہ ہے کہ) میرے دادا کے ایک دوست تھے جو طبیب حاذق ہونے کی وجہ سے شہرت میں بہت معزز اور مشہور تھے۔ ایک دن حکیم صاحب حواس باختہ میرے دادا کے پاس اور بلا سوال کئے ہوئے کہنے لگے کہ آج ایک عجیب ماجرا پیش آیا ہے۔ مارے دہشت کے ریشہ ریشہ کانپ رہا ہے اب سے دو گھنٹے پہلے میں مطلب میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خوبصورت جوان آیا اور کہنے لگا کہ حکیم صاحب! میرے گھر ایک لڑکی بیمار ہے اور آج اس کی حالت روز سے زیادہ نازک ہے۔ خدا کیلئے سو ہرج کر کے میرے ساتھ ابھی چلئے! نوجوان کی حالت قابل رحم تھی، میں فوراً اس کے ساتھ ہولیا۔ وہ مجھے سیدھا دریا کے کنارے لے گیا اور کہنے لگا کہ اتریئے مجھے یقین ہو گیا کہ اس کا دماغ لڑکی کی بیماری کے اثر سے خراب ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کہ ہوش کی باتیں کر، کوئی اس طرح حواس کھوتا ہے تمہارا گھر کہاں ہے؟ نوجوان نے اس کے جواب میں مجھے پکڑ کر دریا میں ڈال دیا اور خود بھی کود پڑا۔ مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے کو ایک وسیع اور آراستہ محل میں پایا۔ میں وہاں کے تکلفات کو بیان کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ بہر حال تھوڑی دیر دم لینے کے بعد وہ نوجوان مجھے کو ایک حجلہ عروسی میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک پندرہ سالہ لڑکی زرکار بستر پر پڑی ہے اور اس کی حالت واقعی خطرناک ہے مجھے نہ جانے کیوں فوراً یہ احساس ہو گیا کہ یہ لڑکی اور نوجوان متضاد جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعد کو نوجوان نے خود بتایا کہ وہ شاہ جن کا لڑکا ہے اور یہ لڑکی آدم زاد ہے۔ میں نے لڑکی کی حالت کا اندازہ کر کے اس کیلئے فوراً انار اور انگور کے عرق تجویز کئے اور کچھ مفرحات نسخے میں شامل کر دیئے، چشم زدن میں یہ سب چیزیں مہیا ہو گئیں، لڑکی نے ان کو پی کر آنکھیں کھول دیں، میں نے اس کی پوری دلدہی کی۔ ایک گھنٹے بعد نوجوان نے مجھ کو بہت سے چاندی، سونے کے سکے اور جواہرات دے کر رخصت کیا اور تاکید کر دی کہ کسی سے اس واقعے کا ذکر نہ کرنا۔ لیکن میں تم سے کہے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ دیکھو! یہ سکے ہیں اور یہ جواہرات۔ میرے دادا نے تامل کر کے کہا۔ تم کو کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا چاہئے تھا۔ تم نے بڑی غلطی کی بعد کے روزنامچوں سے معلوم ہوتا ہے حکیم صاحب کو افشائے راز کی سخت سزا ملی، ان کے گھر اینٹیں برسائی گئیں۔ ان کے لڑکے بیمار رہنے لگے اور آخر کار ان کی طبابت کو بھی زوال آ گیا۔ یہاں تک کہ وہ اس شہر کو ترک کر دینے پر مجبور ہو گئے۔ واللہ اعلم پھر ان کا حشر ہوا؟ دادا نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ چند روز قبل کسی جولاہے کی چودہ سالہ لڑکی گم ہو گئی تھی (ماہنامہ ''جن'' لکھنؤ جنوری ۱۹۳۰ء) اس واقعہ سے جنات کے کردار کا ایک پہلو واضح ہوتا

ہے۔ یہ کہ دیدو نادیدہ مخلوقات (جن وانسان) کے درمیان رشتہ دوستی استوار ہو سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اخفائے راز کیا جائے۔ افشائے راز کی اجازت نہیں۔ اگر کسی نے ان تعلقات کی تشہیر کر دی۔ تو پھر اس کی خیر نہیں۔ دوسری بات یہ کہ جن، انسانی طب سے مستفید ہوتے ہیں۔ مجھ سے کئی طبیبوں نے بیان کیا کہ بعض پر اسرار مریضوں نے ان علاج سے استفادہ کیا ہے۔ شاید اب وہ اطباء اپنے نام کی تشہیر پر رضا مند نہ ہوں۔ اس لئے ان کے ناموں کا اظہار مناسب نہ ہوگا۔ یہ بھی اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آتشی و خاکی مخلوق کے درمیان جنسی تعلقات قائم ہو سکتے ہیں! آدم زادوں اور جن زادوں کے درمیان جنسی تعلقات کے بارے میں متعدد دستاویزات میرے ریکارڈ میں موجود ہیں۔

(اقتباسات حاضر ہیں)

☆......☆......☆

حور / روح

ن۔شاہ (گلاسکو، اسکاٹ لینڈ) اپنے مکتوب مورخہ 23 جنوری 1977ء میں لکھتے ہیں کہ:

کافی دن سے سوچ رہا تھا کہ آپ کو یہ بات لکھوں یا نہ لکھوں کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ اسے آپ میرا وہم ہی خیال کریں گے۔ مگر میں جو کچھ رہا ہوں وہ فیصدی حقیقت پر مبنی ہے۔ میں نے جب سے آپ کے حکم کے بموجب مراقبہ شروع کیا ہے۔ سوتے وقت ایسا محسوس کرتا ہوں کہ کوئی ساتھ سو رہا ہے۔ (بقول رئیس امروہوی)

ایک حور سے ہوتی ہے ملاقات سر شام
ایک روح ڈراتی ہے مجھے آخر شب میں

یہ پاس سونے والا کبھی بچے کی طرح محسوس ہوتا ہے، کبھی بھرپور عورت کی طرح! آنکھ کھلتی ہے تو اپنے کو ناپاک محسوس کرتا ہوں اور پھر فوراً ہی ایک قہقہہ سنائی دیتا ہے عام حالت میں مجھے کبھی کسی عورت کا خیال نہیں آتا۔ اگر اتفاق سے کوئی پرانی شناسا اور آشنا راستے میں مل جائے۔ تو دل کہتا ہے اس گناہ کی گٹھری کو کیوں اٹھاؤں۔ دل کسی طرح اس سے ملنے پر آمادہ نہیں، بعض اوقات اپنے پر حیرت ہوتی ہے۔ کسی زمانے میں خود ''شکار'' کی تلاش میں رہتا تھا، اور اب اس تصور سے نفرت ہوگئی ہے۔ یہ اور عرض کردوں کہ بچپن میں اس وقت میری عمر ہوگئی 15 برس کی، میں اپنے والدین کے ساتھ دو ایک سال کسی ایسے مکان میں رہا تھا، جو آسیب زدہ مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی ایک کوٹھری میں جن رہتے تھے۔ اس زمانے میں عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ چارپائی پر کسی نے زور سے لات ماری، چارپائی خود بخود الٹ گئی۔ شدید درد سر شروع ہوگیا۔ ایسا لگا کوئی ساتھ سو رہا ہے، کبھی کبھار اتنی بھوک لگی کہ گھر بھر کا کھانا چٹ کر کے بھوک محسوس کرتا۔ البتہ یہ کرشمے اس وقت ہوتے تھے جب کوئی شخص جن گرفتہ کوٹھری میں یا اس کے دروازے کے سامنے سوئے۔ بدقسمتی سے میں اکثر بر بنائے ضد یا جنات کو دیکھنے کے شوق میں ایسی شرارتیں کرتا تھا۔ یہ نہیں، بعض اوقات جنات کو گالیاں دیتا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت کسی نے میری چارپائی پر لات رسید کی، فوراً آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ ایک بہت لمبا تڑنگا وجود چغہ پہنے سامنے کھڑا ہے۔ میں نے پوچھا کہ مجھے کیوں جگا دیا؟ تو جواب ملا کہ راستے سے چارپائی ہٹالو میں نے کہا، نہیں ہٹاؤں گا، تمہارا جو جی چاہے کرلو! پھر آیۃ الکرسی اور سورہ تغابن پڑھ کر سو گیا۔ اس کے بعد سے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کوئی میرے ساتھ چل رہا ہے ویسے ایک دفعہ آواز آئی کہ:

تمہارے دادا کی عبادت نے تمہیں بچا دیا! مجھے یقین ہے کہ کبھی کبھی میرے دادا مرحوم میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ کیونکہ بچپن سے

ان کی جو خوشبو مشام جاں میں بسی ہوئی ہے۔ وہ اب بھی کبھی کبھی خود سنگھائی دے جاتی ہے۔ میرے ایک تایا علمدار حسین شاہ حاضرات اور ارواح عالم تھے، انہوں نے کسی زمانے میں ایک وظیفہ تعلیم کیا تھا۔

سبوح ''قدس'' ربنا ورب الملائکۃ والروح۔

میں نے کچھ عرصہ یہ وظیفہ پڑھا، چھوڑ دیا۔ این۔ HOUSE NO-201-40 STIRLING FAULD PLACE GLASGO) این، شاہ میرے شاگرد ہیں۔ اس خط کو پڑھ کر میں نے ان سے کچھ سوالات کیے جس کا جواب انہوں نے 13 جون 1977ء کے خط کے ذریعے دیا، لکھتے ہیں کہ:

استاد محترم، السلام علیکم، مزاج شریف! آپ کا 13 مئی تحریر کردہ خط ملا تکلیف فرمائی کا شکریہ! آپ کے حکم کے مطابق وہ عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ ابھی تک اس عمل کے اثرات ظاہر نہیں ہوئے۔ آپ کے سوالات کے جوابات حاضر ہیں۔

1۔ وہ پراسرار مخلوق مختلف نسوانی شکلوں میں نمایاں ہوتی ہے، کبھی میری جانی پہچانی کسی عورت کے روپ میں کبھی کسی اجنبی عورت کی شکل میں۔

(2)۔ وہ ہم بستری کے ارادے سے آتی ہے اور برابر لیٹ جاتی ہے۔

(3)۔ جی ہاں وہ شکلیں بدلتی رہتی ہے، یعنی متواتر کسی ایک شکل میں ظاہر نہیں ہوتی۔

(4)۔ یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ میں اس سے کچھ پوچھ گچھ کرسکوں۔

کیونکہ مجھے تو ہوش ہی اس واقعہ کے بعد آتا ہے۔ دراصل میں اس وقت ہپناٹائزڈ ہو جاتا ہوں البتہ یہ ہوش ہوتا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ تاہم اپنے پر کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ نہ اپنی مرضی سے کچھ کرسکتا ہوں درحقیقت اس وقت میری قوت ارادی اس حیران کر دینے والی عورت کی گرفت میں ہوتی ہے۔ مجبور ہوتا ہوں کہ بے چوں وچرا اس کے احکام پر عمل کروں، بعد میں یا اس واقعے کے ظہور میں آنے سے پہلے بہت سے منصوبے سوچتا ہوں۔ لیکن اس کے قریب آتے ہی سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

دل میں کیا کیا کی مسودے تھے دلے
پیش ایک اس کے روبرو نہ گیا

عرض کر چکا ہوں کہ ان واقعات کی ابتداء 15 سال کی عمر میں ہوئی، جب ہم کسی آسیب زدہ گھر میں رہتے تھے۔ وہاں گھر والوں کے ساتھ متعدد واقعات پیش آئے، مثلاً کسی کے سر میں شدید درد! اتنی بھوک کہ سارے گھر کا پکا ہوا کھا ڈکار لینا۔ مختلف شکلوں اور مہیب صورتوں کا نظر آنا! گانے کی آوازیں، سیاہ بلیوں کا آپس میں لڑنا، وہاں میرے ساتھ صرف ایک واقعہ پیش اور چند بار پیش آیا۔ یعنی کسی

پراسرار قوت نے میری چارپائی پر لات رسید کی، دیکھا تو ہرے رنگ کا لباس میں ملبوس کوئی بعید از عقل وجود سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ ہمارا راستہ ہے، اسے چھوڑ دو! البتہ جب میں وہ گھر چھوڑ رہا تھا تو کسی نے بہ آواز بلند کہا تھا کہ تمہارے دادا مرحوم کی عبادت اور نیکی کام آ گئی، اس لئے تم بچ گئے۔ (دادا جان مرحوم مختلف وظائف کیا کرتے تھے) مگر میں نے کبھی ان چیزوں کو اہمیت نہیں دی، یہاں گلاسکو میں جب یہ کرشمہ شروع ہوا تو خیال آیا کہ یہ سب آپ کی تجویز کردہ مشق تنفس نور کے اثرات ہیں۔ لیکن جب کافی دن تک یہی واقعہ پیش آتا رہا۔ (کوئی اجنبی عورت قریب آ کر لیٹ گئی)۔ تو مجھے تشویش ہوئی، خاص بات جو نوٹ کی۔ وہ یہ ہے کہ رات میں خصوصا رات کے تین بجے کے بعد یہ صورتحال نمودار ہوتی ہے۔ دن میں کبھی اس تجربے سے دوچار نہیں ہوا، حالانکہ میں ہفتے میں چار دن، رات میں کام کرتا ہوں اور دن میں سوتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ میں سونے سے قبل عام طور پر درود شریف پڑھتا اور تلاوت کلام پاک کرتا ہوں۔ ایک، دو دفعہ یہ ہوا اور جب وہ میرے پاس آ کر لیٹ گئی تو خود بخود میرے قلب سے درود شریف اور حضور ﷺ کا اسم مبارک جاری ہو گیا۔

ہم تیری ذات والا پہ والہ

ہم تیرے نام نامی سے نامی

فوراً ایک دردناک چیخ فضا میں بلند ہوئی اور وہ غائب ہو گئی۔ اسی وقت میری آنکھ کھل جاتی ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ ایسے موقع پر ہمیشہ درود شریف کیوں نہیں آتا اس لذیذ اور ہولناک تجربہ کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ اس دفعہ جوں ہی وہ میرے قریب آ کر لیٹی، حیران ہوں کہ دماغ میں فوراً ایک خیال آیا۔ میں نے سوال کیا کہ تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں میں اس کے لئے تیار ہوں، مگر حرام کاری مت کرو۔ اس نے مسکرا کر سر جھکا لیا، کوئی جواب نہ دیا۔ یکایک اس پراسرار عورت کے خاندان میں کوئی لڑکی آ گئی اور وہ ناکام واپس چلی گئی۔ مشق تنفس نور بلاناغہ جاری ہے۔ صورت یہ ہے کہ پہلے منٹ تک تو بقید ہوش رہتا ہوں، پھر پتہ نہیں چلتا کہ کہاں ہوں؟

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی

کچھ ہماری خبر نہیں آتی

ٹھیک پون گھنٹے بعد پھر ہوش آ جاتا ہے۔ ن، شاہ، دو ہفتے بعد، 27 جون والے خط میں لکھتے ہیں کہ:

ہاں! وہ مخلوق اب یہ پہلی کی طرح نہیں ستاتی البتہ ہفتے دو ہفتے میں، ایک آدھ بار نازل ہوتی ہے۔ اس سے پہلے تین چار ہفتے میں تین چار بار اس کا سامنا ضرور ہو جاتا تھا۔ اب اس کے حملوں میں شدت قدرے کمی آ گئی ہے۔ کبھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی ہے، کبھی ناکام لوٹ جاتی ہے، جس شب میں یہ سانحہ پیش آتا ہے۔ اس کے دوسرے روز چند گھنٹے تک خیالات بجا منتشر رہتے ہیں۔ میں اپنے کو ایک خول میں محبوس پاتا ہوں۔

21 جولائی کے خط کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

آپ کے حکم کے مطابق عمل شروع کر دیا ہے۔ میں کبھی جنات سے نہیں ڈرا، نہ اب ڈرتا ہوں۔ مجھے بچپن ہی سے جنون کی حد تک یہ شوق تھا کہ نادیدہ مخلوقات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلوم حاصل کروں۔ (بچپن کے) جو واقعات میں نے آپ کو لکھے تھے، وہ 1953ء سے قبل کے ہیں۔ 1954ء سے لے کر اب تک کوئی واقعہ پیش نہ آیا تھا۔ اس دوران میں کئی سال میں شراب نوشی بھی کرتا رہا، یعنی نجاست آلودہ زندگی گزاری۔ اس زمانے میں تو یقیناً اس خبیثہ کا حملہ مجھ پر ہونا چاہئے تھا، نہیں ہوا۔ اب آپ کی تفتیش سے میرا پرانا شوق جاگ اٹھا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ بعالم بیداری، انجام ان دیکھے عالم کی اس حسینہ سے میری ملاقات ہو جائے۔ پچھلے خطوط میں ایک بات کہنی بھول گیا تھا۔ یہ کہ مجھے بچپن ہی سے پرانی قبروں کو دیکھنے اور ان کے کتبے پڑھنے کا شوق تھا، نہ صرف پاکستان کے گورا قبرستان، بلکہ یہاں گلاسکو میں بھی اگر کسی قبرستان سے گزر ہو تو خواہ مخواہ جی مچل اٹھتا تھا، کہ دیکھوں مرنے والوں کے عزیزوں نے (کتبہ ہائے قبر کے ذریعے) اپنے کس قسم کے جذبات کا اظہار کیا ہے، چند روز کے بعد پھر ن، شاہ کا خط ملا۔ لکھتے ہیں کہ اب کچھ دن سے پھر نارمل ہو گیا ہوں۔ مشق نور کے دوران نیم غنودگی طاری ہو جاتی ہے وہ عورت کئی روز سے غائب ہے۔

3 اگست 1977ء کے خط کا اقتباس درج ذیل ہے۔

کچھ دن پہلے نماز عشاء پڑھتے وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ کمرے میں میرے علاوہ کوئی "اور بھی" ہے اور مجھ میں سمانے کی کوشش کر رہا ہے، خود بخود مجھ میں..... ایک شخص سمایا جاتا۔ یہ خیال آتے ہی جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ اور رگ و پے میں سردی کی لہر کا احساس ہوا۔ (ایک لمحہ کے لئے خیال آیا، کہ شاید وہ ہی جنیہ ہو گی) لیکن پھر فوراً ہی مجھے اپنے دادا جان مرحوم کی مخصوص خوشبو سنگھائی دی۔ دراصل مجھے اس روز کئی باران کا خیال بڑی شدت سے آیا تھا۔ وہ بعض موقعوں پر چہل قاف پڑھ کر پھونک دیا کرتے تھے اور میں ان واقعات اور تجربات کو دلچسپی سے سنا کرتا تھا، بعد ازاں نشے کی سی کیفیت طاری ہو گئی، پھر ہوش میں آ گیا۔ اگر یہ واقعی دادا جان مرحوم تھے، تو جی چاہتا ہے کہ ہمیشہ اسی طرح آتے رہیں۔ کیا ایسا ممکن ہے ویسے میں ہر روز، بلاناغہ، تلاوت کلام پاک کے بعد اس کا ثواب مرحوم کی روح کو بخش دیا کرتا ہوں۔ ان کے دوست سے برابر میری خط و کتابت جاری تھی، اور میں اس جنی عورت کے بارے میں ان سے ہر قسم کی معلومات حاصل کرتا رہتا تھا، تاکہ اس سمجھ میں نہ آنے والے اور بہت زیادہ الجھا دینے والے معاملے کے تمام پہلو نظر کے سامنے آ ئیں۔ چنانچہ میں نے پھر ایک استفسار نامہ شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ:

جی ہاں! اس عالم میں باضابطہ جنسی عمل (دخول و انزال) ہوتا ہے۔ وہ نادیدہ مخلوق بھی نیم بے ہوشی کے عالم میں آتی ہے اور یہ کیفیات بھی اسی عالم بے خودی میں واقع ہوتی ہے۔ جونہی فراغت پاتا ہوں، وہ غائب ہو جاتی ہے، کبھی کبھی بوس و کنار بھی کرتی ہے، (عام طور پر نہیں) لذت وہی ہوتی ہے۔ جس کے ہم انسانی دنیا میں عادی ہیں۔ سخت افسوس ہے اس نابکارہ و ناہنجارہ کی بدولت تمام نمازیں اور

اچھے عمل ضائع ہو گئے۔ میں بہت سی ترکیبیں کرتا ہوں۔ مگر بے کار! مثلاً کچھ چیزیں کاغذ پر لکھ کر دہراتا ہوں تاکہ اس کے آنے پر، یہ سوالات یاد رہیں اور میں اس سے استفسار کر سکوں مگر وہ جوں ہی آتی ہے، مجھ پر تنویمی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور وہ سوالات ذہن سے محو ہو جاتے ہیں۔ البتہ ایک سوال میں نے بارہا اس سے پوچھا، پہلے وہ اس سوال کو ٹال جایا کرتی تھی۔ سوال یہ تھا کہ تم شادی کیوں نہیں کر لیتیں۔ آخر یہ گناہ مجھ سے کیوں کرواتی ہو۔ جب بہت پوچھا تو اس نے کہا کہ کیا کرو، بیوہ ہوں اور میرا ایک بچہ ہے۔ اس کی ناکامی (کبھی کبھی وہ ناکام و نامراد چلی جاتی ہے) کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مجھے اس موقع پر کسی بزرگ ہستی کا خیال آ جاتا ہے یا قرآن مجید کی کوئی آیت یاد آ جاتی ہے، یا کبھی وہ میری ٹال مٹول سے تنگ آ جاتی ہے کہ خدا کی پناہ! جیسے چھپ کر آئی ہو، جیسے کوئی خطرہ درپیش ہو۔ مشکل یہ ہے کہ اس وقت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نہ کوئی سوال کر پاتا ہوں۔ وہ حرکت بے ارادہ اضطراری طور پر سرزد ہو جاتی ہے اگرچہ میری زبردست خواہش ہے کہ وہ بیداری کی حالت میں مجھے ملے۔ مگر اب تک اس کوشش میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ ایک دو دفعہ وہ ایسی ہستیوں کے روپ میں آئی۔ جن کا میں بہت احترام کرتا ہوں جونہی اس نے مجھ سے ہم بستری کا مطالبہ کیا۔ میرے ذہن نے کچھ حیرت سے ان ہستیوں کے احترام کی وجہ سے یہ مطالبہ منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کشمکش کے سبب آنکھ کھل گئی اور وہ نظر سے اوجھل ہو گئی۔

استاد محترم! اگر وہ جنیہ ہی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا آتشی مخلوق واقعی خاکی نژاد انسان سے جنسی تسکین حاصل کر سکتی ہے (کیا آگ پانی کا ملاپ ممکن ہے) یا یہ اس کی محض دل لگی اور چھیڑ خانی ہے؟ کیا آپ کے علم میں کوئی ایسا واقعہ ہے کہ انسانوں اور جنوں میں ایسے مضحکہ خیز تعلقات قائم ہوئے ہوں، یا دونوں کی باہم شادی ہوئی ہے؟ یہ تو بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ یہ مخلوق انسان کو ڈراتی اور ستاتی ہے مگر میرے ساتھ متواتر جو واقع پیش آ رہا ہے۔ اسے تو لوگ خلل دماغ ہی سمجھیں گے؟ یہ خیال کئی دن سے آ رہا ہے کہ اگر واقعی انسان و جن میں شادی ہو سکتی ہے تو ان کے اولاد بھی پیدا ہوتی ہو گی اگر ایسا ہے تو وہ کس قسم کی مخلوق ہو گی۔ آدھی خاکی آدھی آتشی! اس قسم کی مخلوق کا ذکر نہ کسی مذہبی کتاب میں ملتا ہے، نہ یہ بات کسی سے سنی گئی ہے۔ یہ سوالات ذہن کو الجھائے رہتے ہیں۔ سچ پوچھئے کہ اگر اس قسم کا واقعہ میرے ساتھ پیش نہ آتا، اور کوئی دوسرا ان واقعات کو بیان کرتا تو میں اسے خبطی اور پاگل قرار دیتا۔ 1953ء سے لے کر 1975ء تک کبھی میں اس ناقابل یقین تجربے سے دوچار نہیں ہوا۔ ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کرتا ہوں اور اب مراقبہ نور بھی حسب الحکم شروع کر دیا ہے۔

5 ستمبر کے خط میں شاہ صاحب نے ایک اور تجربے کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ اس مرتبہ جب وہ پراسرار مخلوق آئی تو شور مچ گیا (شور مچانے والے نظر نہ آتے) تھے، جیسے وہ نظر نہ آنے والے لوگ اس کی جرات سے (کہ وہ ایک عام آدم زاد سے تعلق رکھتی ہے) سخت ناراض ہیں دس، بارہ دن ہوئے کہ عشاء کی نماز کے بعد نیم بے ہوشی کی حالت ہو گئی۔ اس عالم میں محسوس کیا کہ دو نورانی ہیولے آئے اور مجھے (اڑا کر) کسی نہ معلوم جگہ لے گئے جو یا سمندر تھا، یا دریا کا کنارہ! اس کے بعد میں نے کسی کو اپنے بہت قریب محسوس کیا یہ صرف چند لمحے کی بات تھی۔ جب آنکھ کھلی تو مرحوم دادا جان کی مخصوص خوشبو محسوس ہوئی۔

مہک اٹھا تیری بوئے نفس سے پیراہن

اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ایک نورانی ہیولا دادا جان مرحوم کا تھا تو سوال یہ ہے کہ دوسرا ہیولا کس کا تھا، کیا آپ معلوم کرسکیں گے؟ اس لئے کہ میں نے (اس تجربے سے عجیب سی خوشی اور مستی و سرشاری) کیفیت محسوس کی تھی۔اس رات سے ہر روز منتظر رہتا ہوں کہ شاید وہ شمیم جانفزا پھر آئے۔ تیرہ، چودہ سال کی عمر میں اکثر اپنے کو فضاؤں میں اڑتا محسوس کرتا تھا۔ مگر اب سالہا سال کے بعد یہ تجربہ ہوا ہے کیا کوئی ایسی صورت نہیں کہ اس قسم کے (OUT OF BODY) تجربات اکثر و بیشتر ہوتے ہیں!

پھر 11 ستمبر کو ان کا خط ملا۔ لکھتے ہیں کہ:

وہ پراسرار ہستی اب تک میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ البتہ اب وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوئی، اگرچہ پہلے سے زیادہ کوشش کرتی ہے۔اس سے پہلے ایک عریضہ میں اپنا ایک تجربہ لکھا تھا کہ روشنی کے دو ہیولے آئے اور مجھے اڑا کر لے گئے۔

مجھ سے مجھ کو چھین کر لے جائے

شاہزادی کشور ظلمات

ان میں سے ایک مرحوم دادا جان تھے کیونکہ ان کے خوشبو کے وجود کی نوعیت سے بخوبی واقف ہوں۔ البتہ ان کے ساتھ دوسری ہستی کون سی تھی، معلوم نہیں۔ دوران پرواز ایسا لگا کہ زمین والوں سے ہمارا رابطہ قائم ہوگیا ہے، اور کچھ لوگ آپ کا تذکرہ انتہائی اچھے الفاظ میں کررہے ہیں۔ (میرے خیال میں وہ آسیب زدہ گھر تھا۔ جس میں سے ہم پرواز کررہے تھے)۔ اس رات سے اب تک اسی واقع کے لئے چشم براہ ہوں۔

کون سی رات آن ملے گا

دن بہت انتظار میں گزرے

ن، شاہ اپنے آخری مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

اب کچھ دن سے پھر نارمل ہوگیا ہوں۔ مشق تنفس نور کے دوران نیم غنودگی طاری ہوجاتی ہے، اور ''ہاں وہ'' وہ ''عورت'' کئی دن سے نہیں آئی!

میں نے گلاسکو کے اس واقعہ کا ذکر اپنے ایک مضمون (مطبوعہ جنگ) میں کیا تھا۔ اس مضمون سے بہت سنسنی پھیلی، متعدد خطوط وصول ہوئے۔

☆......☆......☆

مجھے یقین ہے

دو، تین قابل ذکر خطوط کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

میاں عبداللہ (کراچی) لکھتے ہیں کہ:

پچھلے جمعہ، میں آپ کا مضمون نظر سے گزرا، بلاشبہ تمام لوگ (گلاسکو کے) اس واقعہ کو بکواس سمجھیں گے، مگر جناب! میں پہلا شخص ہوں۔ جو اس واقعہ کی صداقت پر یقین رکھتا ہوں۔ البتہ کوئی گواہ پیش نہیں کر سکتا۔ بہر حال جو گزر رہی ہے اسے بے کم و کاست بیان کرتا ہوں۔ عجب گورکھ دھندے میں پھنس گیا ہوں، سات سال سے کسی چیز (نادیدہ مخلوق نے) مجھ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ یوں سمجھئے کہ وہ چیز میرے اندر بسی ہوئی ہے، مختصر یہ کہ وہ ایک عورت ہے جس نے میرے وجود کو اپنا گھونسلہ بنا کر رکھا ہے۔ عورت ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہے۔ نماز، روزہ، تراویح بلکہ پیشاب، پاخانے تک کے اوقات میں میرے ساتھ رہتی ہے۔ سارے بدن پر اس کا تسلط ہے، جب اس کی مرضی ہوتی ہے تو سر پر چڑھ جاتی ہے، کہیں جانا ہوتا ہے، تو سر سے اڑ جاتی ہے۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ وہ بولتی نہیں۔ البتہ جب رات کو تکئے پر سر رکھتا ہوں، تو بولتی ہے۔ جس زبان میں بولتی ہے، وہ زبان سمجھ میں نہیں آتی۔ البتہ اردو خوب سمجھتی ہے، نہ صرف یہ بلکہ ان خیالات کو بھی سمجھ جاتی ہے۔ جو ذہن میں ہوتے ہیں۔ جب کسی بات کا جواب دینا ہوتا ہے تو سر پر آ جاتی ہے۔ رات کو تکیہ میں در آتی ہے تکئے ہی کے اندر جواب ملتا ہے۔ جب میں کہتا ہوں کہ سو جاؤ! تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ عورت سوگئی۔ پہلے تو مہینے میں چار مرتبہ حق عورت ادا کرنا پڑتا تھا، لیکن اب مہینے میں صرف ایک بار یہ اتفاق ہوتا ہے اس عمل کے بعد مجھے کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ دودھ کے بجائے پانی لیتا ہوں، اور چست ہو جاتا ہوں۔ عشاء کی نماز کے بعد سے تراویح تک سر پر جمی بیٹھی رہتی ہے۔ بہت سے بزرگوں سے پوچھا۔ مگر کسی نے اس سوال کا جواب نہیں دیا اور آپ سے کیا چھپانا؟ مجھے بھی اس کی غیر حاضری بری لگتی ہے۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ میں 40 یا 45 سال کا مرد ہوں گا۔ جی نہیں 67 ویں سال میں چل رہا ہوں۔ "پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است، ایک بات بھول گیا۔ یہ کہ جب آئینہ دیکھتا ہوں سیدھی آنکھ کی پتلی میں کوئی عورت کھڑی دکھائی دیتی ہے۔ اب کچھ دن سے اس کی گود میں ایک بچہ بھی ہوتا ہے۔ تقریباً چھ ماہ ہے یعنی اولاد بھی ہو رہی ہے۔

محمد اکبر (معمار اسکوائر، کراچی) کا بیان ہے کہ:

آپ کے مضمون میں گلاسکو والے واقعہ کا ذکر نظر سے گزرا، اس قسم کا ایک اور واقعہ حاضر ہے۔ میں اور میرا دوست (حکایت گو)

فوج میں ملازم تھے۔ یہ 1934ء کا ذکر ہے۔ ایک روز میرے ساتھی نے بتلایا کہ ہمارے گاؤں میں ایک شخص نے ''جنیہ'' سے شادی کر رکھی ہے، اس کے تین بچے ہیں۔ وہ بہت خوش مزاج ہیں اور وہ بہت خوش وخرم زندگی گزار رہا ہے۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک بڑا گھڑا پانی کا اور اس کے نیچے تین سراحیاں (خودبخود) چلی آرہی ہیں، کبھی لکڑیوں کا بڑا گٹھا اور کچھ چھوٹے چھوٹے گٹھے لڑھکتے آتے اور اس آدمی کے گھر میں خودبخود داخل ہو جاتے۔ گاؤں والے جانتے ہیں۔ راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور انہیں کوئی اچنبھا نہیں ہوتا، یہ گاؤں شہر جہلم سے دو میل کے فاصلے پر ''توگراں'' کے نام سے مشہور ہے، جنات کے وجود سے کوئی منکر نہیں۔ میں نے بھی دیکھے ہیں اور دوسری بہت سی روایتیں سنی ہیں۔ میں ایک پنجابی، دیہات کا رہنے والا ہوں۔ گاؤں کے ایک طرف مسجد ہے اور میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک جنگل ہے۔ ہم گرمیوں کے موسم میں گھر کی چھت پر لیٹے ہوئے تھے رات کے گیارہ بجے کا وقت ہوگا کہ جنگل سے بے شمار روشنیاں (بتیاں) نکل کر مسجد کے قریب آکر رک گئیں۔ میرے ایک دوست نذیر خاں نے ایک شخص کرم الٰہی کو آواز دی کہ یہ کس کی برات ہے اور آواز کے ساتھ ہی بتیاں گل اور روشنی غائب ہوگئی۔

☆......☆......☆

تنویمی کیفیت

آیئے ان تینوں واقعات کا حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے جائزہ لیں۔گلاسکو کے (ن،شاہ) کا معاملہ (جنیہ سے ہم بستری) اہم تر ہے۔شاہ صاحب نے خود اعتراف کیا ہے، کہ جب یہ معاملہ پیش آتا ہے تو ''ہپناٹائزڈ'' ہوجاتے ہیں، یعنی کچھ کرنے اور سوچنے کی اہلیت سلب ہوجاتی ہے۔مسئلہ کا یہ پہلو اس کیس کو کافی کمزور کر دیتا ہے۔تنویمی حالت میں انسان کے نہ صرف پانچوں حواس فریب خوردہ ہوجاتے ہیں، بلکہ عارضی طور پر وہ تعقل و استدلال کی صلاحیت سے بھی محروم ہوجاتا ہے، جس آدمی کی یہ کیفیت ہوجائے، اس کے کسی بیان کو صحت کا درجہ دینا محال نہیں تو ناممکن ضرور ہے۔

ایک زیرِ نقاب درسرِ حق نما

ایسٹرلوجیکل (ایکسچینج سروس ریسرچ ڈپارٹمنٹ) پی او بکس نمبر 4176۔

انہوں نے اس معاملے کا ایک اور پہلو سے جائزہ لیا ہے، لکھتے ہیں کہ:

کچھ دن ہوئے۔آپ کے ایک دوست مقیم گلاسکو کے خطوط آپ کے کالم میں شائع ہوئے تھے، واقعی عجیب و غریب واقعات ہیں۔جنہیں نہ عقل و منطق سے حل کیا جاسکتا ہے۔نہ فلسفہ اور سائنس سے!

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے

ناطقہ سربہ گریباں کہ اسے کیا کہئے

ان خطوط کو پڑھنے کے بعد کچھ لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا، لیکن ''جہاں میں ہیں، ہجوم کار کیا کیا''۔آپ تو انسانی ذہن و دماغ کی محیر العقول صلاحیتوں سے واقف ہیں۔کبھی انسان مظاہر فطرت کی پرستش کیا کرتا تھا، اور آج عناصر فطرت کو مسخر کرنے کے بعد فضائی بسیط میں مائل پرواز ہے۔درحقیقت انسانی ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں کا حصار ممکن نہیں، ہر وہ مادی شے جس کا انسانی کاوشوں سے تعلق ہے۔تصورات اور تخیلات کے نہاں خانے میں پرورش پانے اور ارتقائی مدارج (جو مرئی بھی ہوسکتے ہیں غیر مرئی بھی) طے کرنے کے بعد اس مادی دنیا میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔آپ کے دوست کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بچپن میں قبروں پر جایا کرتے اور ان کے کتبے پڑھا کرتے تھے۔ممکن ہے کہ اس سیر و گشت کے درمیان آپ کے دوست کی کسی خاص قبر پر نظر پڑ گئی ہو۔اور کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر انہیں اس کتبے میں کشش محسوس ہوئی ہو اور وہ اس کتبے کو دیکھنے کی خاطر متواتر جاتے رہے ہوں اور یہ متواتر کتبہ بینی ان کے ذہن پر آہستہ،

آہستہ، آہستہ ایک ''نقش جمیل'' کی صورت میں مرتسم ہوگئی ہو۔ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد جذبات میں ارتعاش پیدا ہونا لازمی اور فطری امر ہے۔ (عجب نہیں کہ لاشعور کے) اس نقش جمیل نے کسی حسینہ روپ کا دھار لیا ہو۔ ممکن ہے کہ وہ لڑکپن کی اس مخصوص اور متواتر کتبہ بنی کو فراموش کر چکے ہوں۔ لیکن لاشعور میں دبی ہوئی چنگاری کسی وقت بھی شعلہ جوالہ بن سکتی ہے۔ ان خطوط سے یہ بھی ظاہر ہے کہ بیان کردہ واقعات صرف حالت تنویم میں پیش آتے ہیں۔ یعنی خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا کی مکمل تشریح!

اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے گلاسگو والے دوست غیر معمولی قوت متصورہ کے مالک ہیں، کافی غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ آپ کے دوست مریضانہ نفسیات (ABNORMAL PSYCHOLOGY) کی شاک (PSYCHOSES) کی ایک قسم... (DEMENTIA PARANOIDES) میں مبتلا ہیں۔ اس بیماری میں مریض فریب صورت ونظر (DELUSION) اور (HALLUCIATION) کا شکار ہو جاتا ہے۔ علم نجوم، کی رو سے ایسے لوگوں کو نیچونی (NAPTUNIAN) کہا جاتا ہے۔ ان میں کسی نہ کسی درجہ کی واہمہ طرازی (FANTASY) پائی جاتی ہے، جو نیچونی فطرت کا مظہر ہے۔ اس ضمن میں نجومی نفسیات (ASTRO PSYCHOLOGY) کا مطالعہ ناگزیر ہے، گویا حق نما کے خیال نما میں گلاسگو والے دوست فریب صورت ونظر میں مبتلا ہیں۔ یہ تشریح خاصی سائنسی ہے کیونکہ تنویمی کیفیت میں جو کچھ گزرتا ہے۔ اسے بیداری، بیداری ہی تنویمی کیفیت سراب کی حیثیت رکھتی ہے۔

کھانا نہ اس اسد فریب ہستی

ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

جنوں اور آسیبوں کے معاملے بڑی مشتبہ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ لاکھ واقعات میں سے کوئی ایک واقعہ قابل قبول ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کہانیوں کو دہراتے اور ان داستانوں کو سنتے وقت، عقل واستدلال کو استعمال نہ کرنا چاہئے، بلکہ جس طرح طلسم ہوشربا اور فسانہ عجائب کو پڑھا جاتا ہے۔ اس داستان کو اسی رجحان کے ساتھ پڑھنا اور کسی وہم کا شکار نہ ہونا چاہئے!

☆......☆......☆

حیرت ناک آندھی

محمود علی لکھتے ہیں کہ:

جو واقعہ میں لکھ رہا ہوں۔ خود مجھ پر گزرا ہے اور آج تک میں اس کی کوئی تاویل نہ کر سکا۔ تخمیناً 25 یا 26 سال کا عرصہ ہوا۔ اس وقت میری عمر تیرہ یا چودہ سال کی تھی۔ گرمی کا زمانہ تھا جبس کی شدت تھی۔ دس بجے رات کا وقت تھا چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ میں اپنے پرانے محل سے امام بارگاہ کی طرف جا رہا تھا۔ امام بارگاہ دو فرلانگ پر ہے۔ امام بارگاہ کے پورب اور دکھن کے گوشے پر (جس کے قریب کسی شہید مرد کی قبر ہے) ایک الو بیٹھا اپنی لے میں نوا سنجی نیم شبی کر رہا تھا۔ کچھ تو الو کی ذات سے انسان کو جو نفرت ہے۔ اس کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ اس وقت کوئی انسان کوئی دیکھنے والا نہ تھا، میں نے ایک ڈھیلا اٹھا کر اس کے مارا۔ ڈھیلا بالکل الو کے قریب گرا۔ مگر اس نے ذرا بھی اعتنا نہ کی۔ اور وہ اسی طرح ہو حق میں مشغول رہا، دوبارہ میں نے ڈھیلا مارا۔ نہ اس نے کچھ پرواہ کی۔ مختصر یہ کہ میں نے پندرہ بیس ڈھیلے مارے، کئی ڈھیلے اس کے جسم پر بھی پڑے، مگر نہ تو وہ اڑا، نہ ایک لحہ کے لئے خاموش ہوا، مجھے چونکہ امام بارگاہ جانے کی جلدی تھی۔ اس لئے میں اس کو اسی کیفیت میں ہی چھوڑ کر امام بارگاہ کے اندر چلا گیا تقریباً آدھا گھنٹے میں امام بارگاہ کے اندر رہا۔ اس کے بعد وہاں سے واپس ہوا۔ جس جگہ الو بیٹھا تھا وہاں سے دو قدم آگے بڑھا ہوں گا کہ اتفاق سے میری نظر پیچھے کی طرف پلٹی تو میں نے دیکھا کہ علاوہ میری پرچھائی کے ایک اور پرچھائی 25 قدم کے فاصلے پر چلی آ رہی ہے۔ اس زمانے میں ہم اور ہم مذاق دوستوں میں ایک تفریح یہ رہا کرتی تھی کہ پیچھے سے چپکے چپکے آ کر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر دیتے تھے، جس کی آنکھ بند رکھی جاتی تھی۔ اس کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ آنکھ بند کرنے والے کا نام بتائے جب تک آنکھ بند کرنے والے کا نام نہیں بتایا جاتا تھا، اس کی آنکھ بند رکھی جاتی تھی اور غلط بتانے پر اس کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور جو شخص آہٹ پا کر آنکھ بند کرنے والے ہاتھ پلٹ کر تھام لیتا تھا وہ اس کو خفیف کرنے کا مستحق ہوتا تھا۔ میں نے محض سرسری نظر سے پرچھائی دیکھی تھی اور اسی وقت یہ رائے قائم کر لی تھی کہ جس وقت یہ حضرت میرے قریب آئیں گے۔ اور میری پرچھائی سے ان کی پرچھائی کا ڈیڑھ دو ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے گا۔ میں پلٹ کر ان کا ہاتھ پکڑ لوں گا۔ تخمیناً سو قدم گیا ہوں گا کہ وہی پرچھائیں دو ڈھائی ہاتھ کے فاصلے پر آ گئی۔ اس وقت میں نے خیال کیا کہ یہی موقع ان کے خفیف کرنے کا ہے۔ آپ یقین مانئے جیسے ہی میں پلٹا ویسے ہی اس زور کا جھکڑ مجھے لگا کہ میں دس گیارہ قدم تک لڑکھڑاتا ہوا چلا گیا اور اس دیوار سے لگ کر گر پڑا۔ اس درمیان میں، مجھے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ایک بہت بڑی آندھی ہے جو مجھے اڑائے چلی جا رہی ہے۔ دیوار چونکہ اتفاق سے میرے دونوں ہاتھ پہلے لگے ہوئے تھے، جو

اضطراری حالت میں اپنے جسم کو بچانے کے لئے اٹھائے جاتے ہیں۔ اس لئے مجھے کچھ چوٹ نہیں لگی، اور نہ میرے ہوش وحواس میں فرق آیا، دیوار کے قریب گر کر فوراً اٹھا۔ اب جو خیال کرتا ہوں تو نہ کہیں آندھی ہے، اور نہ اس کا کوئی اثر ہے۔ مئی کا مہینہ! حبس کی شدت کا یہ عالم کہ ہوا کا نام نہیں۔ میں سخت متعجب تھا کہ یہ سایہ کیسا! اور ایسے حبس میں ایسے زور کی ہوا کیسی؟ جہاں پر یہ واقعہ ہوا وہاں کھلا میدان ہے۔ تحقیقات کرنے کی غرض سے میں پھر امام بارگاہ کی طرف گیا۔ ہر ہر قدم پر چاروں طرف دیکھتا جاتا تھا۔ سوائے چاندنی کے اور کوئی روشنی، لیمپ، چراغ کی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ امام بارگاہ کے کونے تک گیا۔ مگر کوئی روشنی دکھائی نہ دی اور نہ کوئی دوسرا سایہ سوائے میری ایک پرچھائی کے۔ (ماہنامہ "ج ن" مارچ 1930ء)

لیجئے، جنات کی اس کہانی میں اب ایک شہید مرد نازل ہوگئے۔ درحقیقت جن موکل، شہید مرد، ہمزاد، عفریت، آسیب اور آوارہ گرد، ارواح اس طرح ایک دوسرے سے مخلوط ہیں کہ یہ پہچان مشکل ہے کہ فلاں واقعہ جنات کی کارستانی تھی، یا آسیب کی؟ یہ کارنامہ کسی شہید مرد کا ہے یا کسی اور فوق العقل ہستی کا؟ عجب نہیں کہ نادیدہ مخلوق بے شمار قسموں اور قوتوں پر مشتمل ہو اور ان تمام اقوام پر، جن کا اطلاق ہوتا ہو جنات کی تبدیلی شکل کے بارے میں آپ نے بہت سی کہانیاں سنی ہوں گی یہ عمل کس طرح ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں فی الحال کچھ کہنا مشکل ہے لیکن خارق العادات مظاہر (ایسے واقعات جن کی عقلی توجیہ ممکن نہیں) کی تحقیق کا کام جس اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا ہے۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے، یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جاسکتی اور یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ آئندہ چند سال میں قدرت کے جو اسرار بے نقاب ہوگئے۔ ان میں سب سے بڑا راز ذی شعور نادیدہ مخلوق کے اثبات وجود کا ہوگا۔

☆......☆......☆

جن کی شکل

عبدالحفیظ (معرفت پوسٹ بکس نمبر 3205، کراچی) اپنے مکتوب مورخہ 28 اپریل 1975ء میں لکھتے ہیں کہ:
چندروز ہوئے ایک قبرستان سے گزر رہا تھا۔ فوراً دماغ میں لہر آئی کہ کوئی مردہ تعاقب کر رہا ہے۔ مڑ کر پیچھے دیکھا تو تعجب! ایک مردہ سفید کفن پہنے پیچھے چلا آ رہا تھا، پہلے تو مجھے خوف محسوس ہوا، بعدازاں شیرازہ حواس کو جمع کر کے سورہ یسین کا پہلا رکوع با آواز بلند پڑھنے لگا، چندمنٹ بعد مردہ غائب ہوگیا۔ دور دور تک نظریں دوڑائیں کہیں دکھائی نہ دیا۔ یہ شام کے ساڑھے 6 بجے کا ذکر ہے۔ نجانے کیا بھید تھا؟ اس طرح کا ایک عجیب واقعہ ڈیڑھ سال قبل پیش آیا تھا۔ میں کلفٹن سے صدر کی طرف پیدل آ رہا تھا کہ چلتے چلتے یک لخت ذہن میں یہ بات آئی کہ جنات کو دیکھنا چاہئے، چندمنٹ کے بعد ہی ایک عجب بے ڈھنگی قسم کا وجود راستے میں حائل ہوگیا۔ اس کا حلیہ ملا خط ہو عام آدمی کے منہ سے چوگنا بڑا منہ، اونٹ جیسی موٹی موٹی آنکھیں کان گدھے کی طرح! قد چھوٹا، ٹانگیں قدری لمبی، پاؤں تقریباً ڈیڑھ فٹ کے، دانت 6، 6 انچ لمبے، ہونٹ ایسے جیسے اونٹ کے ہوتے ہیں۔ یہ عجیب الخلوقات کہہ رہا تھا کہ بابو جی! چار آنے دے دو! اس موقع پر ظاہر ہے کہ بندے کا حال، ہوا ہوگا۔ اتنی بات اور عرض کردوں کہ یہ عجیب مظاہر اسی وقت نظر آتے ہیں۔ جب دماغ میں لہری اٹھتی ہے۔ عام حالات میں کوئی کرشمہ دکھائی نہیں دیتا۔

جنیہ عورت کے کرشمے تو آپ پڑھ چکے، اب ایک نر جن کی درازدستی کا حال سنئے۔ و، بیگم (کراچی) سے رقم طراز ہیں کہ:
میں کنواری نہیں ہوں، شادی کو 13 سال گزر گئے ہیں میں ایک عرصہ سے سوتے اور نیم بیداری کی حالت میں محسوس کرتی ہوں کہ کوئی وجود جو نظر نہیں آتا، میرے جسم کے حصوں کو چھوتا چھیڑتا ہے، اور وہی سلوک کرتا ہے جو میرے شوہر سے مخصوص ہے، پھر مجھے میری مرضی کے بغیر بیوی بنا لیتا ہے۔ الغرض وہ سارے مراحل گزرتے ہیں جو مرد عورت کے تعلقات کی خصوصیت ہیں۔ اس وقت میں یا سوتی ہوتی ہوں یا نیم غنودگی (کچی نیند) میں ہوتی ہوں۔ ابھی حال یہ ہوا کہ نیند طاری ہوتے ہی اس وجود نادیدہ کی قربت کا احساس ہوا۔ میں نے حسب معمول اپنے کو بچانا چاہا، اور اعوذ باللہ اور لاحول پڑھنے کی کوشش کی تو اس "وجود نادیدہ" نے کہا کہ میں شیطان تھوڑا ہی ہوں، کہ لاحول سے بھاگ جاؤں گا۔ ابھی پرسوں ایک کیفیت طاری ہوئی، سوتے میں حسب معمول چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ میں نے منع کیا اور جاگنے کی حالت میں دونوں طرف سے مکالمہ شروع ہوگیا۔ (میں اس وقت آنکھیں بند کر کے پڑی تھی) یعنی میرا دل سوال کرتا تھا اور دل ہی میں جواب پا لیتا تھا۔ میں نے سوال کیا کہ آخر کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ ہم 30 سال سے تمہارے ساتھ ہیں ہم ایسے نہیں جائیں گے،

کوئی کچھ بھی کرے، ہرگز نہیں جائیں گے، اگر میں بیمار ہوں تو وہ صاحب جو کبھی نظر نہیں آئے) مگر اتنے قریب ہیں، دوائیں بھی بتاتے ہیں۔ ان کی آمد کی علامت یہ ہے کہ جاگتے میں جسم ٹوٹنے لگتا ہے، مضمحل ہو کر لیٹ جاتی ہوں، نیند کا جھونکا سا آتا ہے اور آتش وخاک کا وصل شروع ہو جاتا ہے۔ جنات کے معاملے کی تحقیق کے سلسلے میں یہ حیرت انگیز اطلاع بھی ملی کہ وہ انسان کو اچک بھی لیتے ہیں۔ ہماری داستانوں میں اس قسم کے واقعات کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔ بلکہ اکثر پرانی داستانوں کا تو بنیادی نقطہ یہی ہے، کوئی پری زادی (جنیہ) کسی انسان کو لے اڑی اور پھر عشق ومحبت کی ایک طویل داستان شروع ہوگئی۔ جس میں رزم وبزم کے شاہنامے بھی ہوتے ہیں اور ہجر وصل کے کارنامے بھی! لیکن کیا عالم زندگی میں بھی جنات، آدم زادوں کو اڑا کر لے جاتے ہیں، یہ سوال بہت دلچسپ ہے۔ آپ نے پچھلے صفحات میں ایک حکیم صاحب کا قصہ پڑھا ہوگا۔ جنہیں شاہ زادہ جنات نے اپنی محبوبہ کے علاج کے لئے زیر دریا اپنے طلسمی محل میں طلب کر لیا تھا۔ اب ایک اور واقعہ سنئے۔

نصیر احمد (راولپنڈی) اپنے خط مورخہ 19 اگست 1974ء میں لکھتے ہیں کہ:

احقر آپ کا دیرینہ نیاز مند ہے۔ قبلہ احسان امروہوی (مرحوم) کے توسط سے کراچی میں کئی مرتبہ ملاقات ہو چکی ہے۔ اب کافی عرصہ سے راولپنڈی میں مقیم ہوں، زحمت اس لئے دی کہ میرے ایک دوست کو اپنی کسی عزیزہ کے سلسلے میں عجب معاملہ درپیش ہے۔ لڑکی کی عمر تقریباً سترہ، اٹھارہ سال ہے۔ جسم فربہ ہے، جب اس کی عمر تقریباً آٹھ، نو سال کی تھی تو لڑکی پر دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ دورے میں بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی اور جسم اکڑ جاتا تھا۔ اس کے بعد لڑکی خود بخود غائب ہونے لگی (یہ بیان میرے دوست کا ہے) مثلاً لڑکی کسی سے بات کر رہی ہے۔ اس شخص کی توجہ ذرا بھی دوسری طرف مرکوز ہوئی اور لڑکی غائب ہو نے گئی۔ شروع شروع میں تو یہ معجزہ گاہے گاہے ظہور پذیر ہوتا تھا رفتہ رفتہ روز بروز غائب ہونے لگی عملیات کے ذریعے لڑکی کا علاج کرانے کی بہت کوشش کی گئی کوئی فائدہ نہ ہوا لڑکی کے تمام اعزا کا اتفاق ہے کہ اسے جن اٹھا کر لے جاتے ہیں اس ظلم کی دادرسی کہاں کی جائے کوئی مشورہ دیں۔

اقبال الدین احمد صدیقی (59-A، پونچھ ہاؤس، لاہور) کو میری اس توجیہہ پر اعتراض ہے کہ جن (نر جن ہو یا مادہ جن) سے ہم بستری کے تمام یا اکثر واقعات شیزوفرینیا (یعنی تقسیم شخصیت) کا نتیجہ ہوتے ہیں انسانی ذہن کا ایک حصہ مرکزی شخصیت سے کٹ کر آسیب یا جن کا روپ دھار لیتا ہے، اور ذہن کا دوسرا حصہ انسانی احساسات سے چپکا رہتا ہے ذہن کے ایک کا دعویٰ ہوتا ہے کہ میں جن ہوں۔ دوسرے حصے کا اصرار ہوتا ہے کہ میں آدمی ہوں (نفسیاتی امراض میں انسان اسی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے) اقبال الدین احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے مضمون میں جو واقعات نقل کئے ہیں یعنی نصف دھڑ کا سن ہو جانا اور کسی کا خلاف وضع فطری عمل کرنا میں نے اپنے کسی مضمون کسی نفسیاتی مریض کے یہ بیانات نقل کئے تھے واضح طور پر جناتی کارستانیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ چند روز ہوئے یہاں ایک ایڈیشنل کمشنر قاضی حفیظ احمد صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے بتایا کہ کسی نے ان کی لڑکی کا رشتہ مانگا اور ان کے انکار پر کسی عامل جنات

سے مدد لی چنانچہ قاضی صاحب کو پہلے جنات دھوئیں کی شکل میں نظر آئے پھر روشنی کی چادر کے روپ میں! پھر بن مانسوں کی صورت میں نمودار ہوئے اور کافی عرصہ تک قاضی صاحب کو تنگ کرتے رہے ان کا بیان ہے کہ جنات کے گروہ میں 3 برہنہ لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ جن بڑی تعداد میں کمرے کے اندر جمع ہو جاتے وہ بن مانس سے مشابہ تھے کچھ پستہ قد تھے کچھ طویل القامت! یہ کم بخت، ڈراتے دھمکاتے تھے کبھی کبھی دست دگریباں بھی ہو جاتے تھے لڑکیاں کوشش کرتی تھیں کہ قاضی صاحب کے شہوانی جذبات کو ابھار کر ان پر قابو حاصل کر لیں بہت سے عمل رد بلا پڑھے گئے (جل جلال تو آئی بلا کو ٹال تو) تب کہیں یہ ہنگامہ فرد ہوا!

☆......☆......☆

پراسرار آگ

بن مانسوں کے روپ میں نظر آنے والے جن کبھی کبھی بزرگوں اور پیرزادوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ روزنامہ "جنگ" (راولپنڈی ایڈیشن) شمارہ 5 شعبان 1394ھ، مطابق 24 اگست 1974ء کی روایت ہے کہ مری روڈ پر واقع وارث خاں کا ایک دومنزلہ گھر گزشتہ رات سے اب تک پراسرار آگ میں محصور ہے۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں جونہی اک طرف آگ بجھا چکتی ہیں۔ دوسری طرف دھواں اور چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں۔ اس پراسرار آگ کو دیکھنے کے لئے گھر کے قریب وجود میں 24 گھنٹے سے ہجوم جمع ہے۔ آگ لگنے کا سمعہ اب تک حل نہیں ہوسکا ہے واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ محلہ وارث خاں کے ایک دومنزلہ گھر میں شیخ محمد حسین تاجر رہتے ہیں۔ گزشتہ رات ساڑھے دس بجے کام سے فارغ ہوکر جب وہ گھر پہنچے تو ڈیوڑھی کے قریب انہوں نے ایک جوان شخص کو کہ مادرزاد برہنہ تھا۔ لیٹے دیکھا شیخ صاحب نے ان سے کہا کہ اٹھ جاؤ، کیونکہ یہ زنانہ گھر ہے، جوان کہنے لگا کہ آرام کر رہا ہوں، مجھے نہ چھیڑو، شیخ محمد حسین کو شبہ ہوا (کیونکہ گھر میں جوان لڑکیاں تھیں)۔ انہوں نے پوچھا، تم کون ہو، جوان نے کہا کہ وہ مری کے بزرگ لعل شاہ کے لڑکا ہے! محمد حسین یہ کہا کر یہ آرام کی جگہ نہیں ہے۔ اسے اٹھا دیا، جوان نے چلتے چلتے کہا کہ:

اگر میں یہاں آرام نہیں کر سکتا تو تم بھی آرام نہیں کر سکتے۔

ابھی وہ حیرت انگیز نوجوان چند قدم ہی گیا ہوگا کہ محمد حسین کے گھر کے ایک کمرے میں سے دھوئیں کے ساتھ چنگاریاں اٹھنے لگیں۔ آگ لگنے کی اطلاع فوراً فائر بریگیڈ کے عملے کو دی گئی۔ آگ بجھانے والی گاڑیاں آئیں اور آگ بجھا کر چلی گئیں ان کے جاتے ہی الماری میں رکھے ہوئے اور کھونٹی میں لٹکے ہوئے، کپڑوں نے آگ پکڑ لی۔ ناچار دوبارہ فائر بریگیڈ کا عملہ مستعد کھڑا ہے ایک طرف آگ بجھتی ہے تو دوسری طرف چنگاریاں اٹھنے لگتی ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ کپڑوں کے صندوقوں کو کھولا گیا تو ان میں راکھ کے علاوہ کچھ نہ تھا، جبکہ صندوقوں سے نہ دھواں اٹھا، نہ چنگاریاں نظر آئیں بار بار آگ لگنے کے سبب، کھڑکیاں، الماریاں، دروازے، فرش، چھتیں، دیواریں سب سیاہ ہوگئیں۔ آخر مالک گھر نے تنگ آ کر سامان ٹرک میں بھروایا اور وہاں سے محلہ مرپورہ کے ایک گھر میں منتقل ہوگیا۔ اس واردات کے بعد لوگوں نے اس اجنبی نوجوان کو دیکھا ہے۔ اسے روپے پیسے دینے چاہے مگر اس نے انکار کر دیا۔ البتہ ایک شخص سے نسوار کی ڈبیہ لے لی اور تمام نسوار پھینک کر چلے گئے۔

یقیناً آگ لگانے کی واردات آتشی مخلوق ہی کر سکتی ہے لیکن اگر یہ مہربان ہو جائے تو پھول بھی برساتی ہے اور روپیہ پیسہ بھی نچھاور کر سکتی ہے۔

☆.....☆.....☆

پھولوں کی بارش

خان بہادر نقی محمد خان اپنی یادگار آپ بیتی "عمر رفتہ" میں لکھتے ہیں کہ:

میرے چھوٹے بھائی شفیع محمد خان سب انسپکٹر پولیس ہو گئے تھے، ہمشیرہ کی شادی ہو چکی تھی۔ والد ماجد کا 1909ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ تنہائی کے سبب والدہ صاحبہ کبھی میرے پاس الہ آباد آ جاتیں، کبھی خورجہ چلی جاتیں، موسیقی کا شغل جاری تھا ایک روز مردانہ مکان کے کمرے میں جو لب سڑک تھا، میں اسی شغل میں مصروف تھا، بھیروں دت سب انسپکٹر اس وقت طبلے میں بجا رہا تھا اور مبارک حسین حضرت نایز کی یہ غزل گا رہے تھے کہ:

رفتم اندر تہہ خاک انس بتانم باقیست
عشق جانم بہ ربود آفت جانم باقیست

قوالی کی طرز تھی، گانے کا انداز بھی خوب تھا۔ شمس الحق اور دو سب انسپکٹر دروازے کی طرف بیٹھے تھے۔ تقریباً رات کے دس بجے تھے چاروں طرف گہرا سکوت طاری تھا۔ گلی سنسان پڑی تھی کہ یکا یک میرے ہارمونیم پر بہت سے پیسے اور پھول اوپر سے آ گرے، گانا بند ہو گیا، دروازے کے قریب بیٹھنے والوں نے فوراً باہر جا کر دیکھا کوئی نظر نہ آیا۔ اس کے بعد پھر کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔

ایک خاتون (مکتوب مورخہ 3 ستمبر 1974ء) لکھتی ہیں کہ:

سب سے پہلے اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھتی ہوں میں مشہور "امراؤ جان ادا" کے مصنف مرزا رسوا مرحوم کی نسل سے ہوں، میری والدہ سے آپ کی خط و کتابت رہی ہے۔ میں (بی ایس سی فائنل) کی طالبہ ہوں۔ گو میرا تعلق سائنس سے ہے مگر نفسیات سے بھی شغف رکھتی ہوں، جو ذہن پر نقش ہیں۔ پہلا واقعہ اس وقت پیش آیا جب میں بہت چھوٹی تھی اور ہم لوگ قلات (بلوچستان) میں رہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں قلات میں زیادہ آبادی نہ تھی۔ اکثر حصے ویران تھے، ہمارا گھر ایسی جگہ واقع تھا جہاں پہلے ایک میدان پڑتا تھا یہ بالکل ویران تھا اور دن بھر سنسان پڑا رہتا تھا۔ سنا تھا کہ اس میدان میں جن رہتے ہیں اور شام کو البتہ اس میدان میں کچھ چہل پہل ہو جاتی تھی۔ ہمارے گھر سے یہ میدان صاف نظر آتا تھا ایک دن میں اپنی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کر رہی تھی لوگ آ جا رہے تھے کہ میں نے دیکھا کہ دو کالے لمبے سائے میدان میں فٹ بال قسم کا کوئی کھیل کھیل رہے ہیں لوگ ان کے آگے پیچھے اور درمیان سے گزر رہے ہیں، لیکن وہ بدستور اپنے کھیل میں غرق تھے۔ میں کافی دیر تک حیرت سے یہ تماشا دیکھتی رہی۔ میں نے اپنی بہن کو بھی بتایا، دیکھو! میدان میں کیا

ہورہا ہے۔لیکن شاید وہ میری بات کا مفہوم نہ سمجھ سکی، اور حیرت سے منہ تکنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سائے غائب ہو گئے۔ یہ بات آج تک سمجھ میں نہ آسکی کہ وہ سائے کون تھے اور صرف مجھے ہی کیوں نظر آ رہے تھے۔ جبکہ میدان سے بہت سے لوگ ان کے قریب سے گزر رہے تھے۔

دوسرا واقعہ اس وقت پیش آیا جب میں چوتھی جماعت میں پڑھتی تھی۔ ہمارا گھر کوٹری میں تھا اور بہت تنگ و تاریک! لوگ کہتے تھے کہ اس مکان میں (جنات) کا اثر ہے۔ شام ہوتے ہی مکان میں اگربتی کی خوشبو پھیل جاتی ہے۔ بہر حال قصہ یہ ہے کہ ایک روز والد نے چھوٹے بھائی کو کسی شرارت پر مارا اور وہ چیخ چیخ کر رونے لگا۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ جونہی وہ چیخ کر روتا کسی کے بھیانک قہقہے کی آواز بلند ہوتی۔ پہلے تو اسے میں اپنا وہم سمجھا۔ لیکن جب تین چار بار ایسا ہی ہوا کہ چھوٹے بھائی کی چیخ کے ساتھ کسی کے قہقہے کی گونج سنائی دی، تو مارے ڈر کے میرا برا حال ہو گیا اور اتنی طاقت بھی نہ رہی کہ رونے سے منع کر دوں۔ لیکن وہ تھا کہ روئے جا رہا تھا جونہی اس کا رونا بند ہوا وہ دہشت انگیز قہقہے بھی موقوف ہو گئے اور میں "سن" کھڑی رہ گئی۔ کسی کو بتا بھی نہ سکتی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور یہ آواز کہاں سے آ رہی تھی؟ کیونکہ میرے علاوہ کسی نے ان قہقہوں کو نہ سنا تھا۔ حالانکہ سب لوگ گھر میں موجود تھے۔ رئیس صاحب! آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ کیا اسرار تھا؟ مکتوب نگار لڑکی غیر معمولی حساسیت کی پیکر ہے۔ خصوصاً اس کے باصرے اور (دیکھنے اور سننے) کی حسیں ناقابل یقین طور پر مستعد تیز ہیں۔ قلات کے میدان میں انہوں نے جنات کو فٹ بال کھیلتے دیکھا اور کوٹری میں ان کے بھیانک قہقہے سنے۔ نفسیات کی رو سے تو ان واقعات کی اہمیت فریب سماعت اور فریب بصارت سے زیادہ نہیں لیکن آخر ہم کس کس واقعے کو التباس حواس کا نتیجہ قرار دیں گے۔ اس قسم کے واقعات تو ہزاروں افراد کو پیش آ چکے ہیں اور پیش آتے رہیں اور ان سے زیادہ حیرت انگیز واقعات وہ ہیں جو اہل دعوت یعنی جنوں اور موکلوں کی تسخیر کا عمل پڑھنے والوں کو پیش آتے ہیں۔ اس موضوع پر نور محمد سروری قادری صاحب عرفان کے بیانات خصوصیات سے قابل مطالعہ ہیں۔ نور محمد صاحب خود عامل جنات یعنی عمل دعوت میں شامل تھے ان کے بیانات کا خلاصہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ:

جب اہل دعوت کو باطنی حکومت حاصل ہو جاتی ہے تو ان کے گرد و پیش چار قسم کے موکل (موکل جنات ہی سے ہوتے ہیں) چوکیدار معاون و مددگار کی حیثیت سے مامور ہو جاتے ہیں۔ اولاً جن کو نیک دکار ہوتے ہیں۔ دوسرے ملائکہ (جن کا تعلق) انسانی معاملات سے ہوتا ہے۔ تیسرے ارواح شہداء (جن کی زندگی کی گواہی قرآن نے دی ہے)۔ چوتھے اولیاء کی مقدس روحیں! (اس سلسلے میں ایک اور بات سمجھ لی جائے کہ یہ!

انسانی وجود مختلف لطیف جنوں (یا جسموں) پر مشتمل ہے، مغز کے اندر مغز اور پوست کے پیچھے پوست! جس طرح دودھ میں مکھن اور مکھن میں گھی ہوتا ہے، وجود انسانی میں سات لطیفہ موجود ہیں، لطیفہ زیر ناف کہ اسے لطیفہ نفس کہتے ہیں)۔ قلب لطیفہ روح اور لطیفہ سر دغیرہ۔ یہ بات سات لطیفے موجود ہیں، یہ لطائف فکر و ذکر عبادت، طہارت، نیک اعمالی اور مرشد کی توجہ کے بعد دیگرے زندہ، بیدار اور

برسرپیکار ہوجاتے ہیں (دعوت کا عمل لطیفہ نفس سے شروع ہوتا ہے۔ یہ لطیفہ مقام ناسوت میں واقع ہے اور جب شیاطین اور سفلی روحیں اس مقام سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے جب آدمی عمل دعوت (تسخیر جنات کی وظیفہ خوانی) شروع کرتا ہے تو لطیفہ نفس میں سرگرمی پیدا ہوتی ہے اور لطیف نادیدہ مخلوقات میں سے "جن" حاضر ہوتے ہیں۔ لطیفہ زیر ناف کی بیداری سے جو قوت پیدا ہوتی ہے وہ جنات اور سفلی ارواح کی غذا ہے، چونکہ عامل کے عمل سے جنوں اور نچلے درجے کی روحوں کو غذا ملتی ہے۔ اس لئے وہ بظاہر عامل (دعوت عامل کے فرمابردار ہوجاتے ہیں۔ ان ناری مخلوقات یا آتش زادوں کی تسخیر اور حاضرات کے دوران اہل دعوت عمل پڑھنے والوں) کو سخت مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، باطن میں ہر وقت ان سے آسیب اور آزاد پہنچے کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی اہل دعوت کے لئے مصیبت عظیم اور رجعت (عمل کا الٹا ہوجانا) کا موجب بن جاتی ہے۔ جس کا ازالہ اور انسداد بعد کو بہت مشکل ہوتا ہے، بہت سے لوگ تسخیر جنات کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ کاش انہیں اندازہ ہوجاتا کہ تسخیر جنات کی مہم کتنی معرکہ آرا اور جان لیوا ہے۔ جب تک کسی عامل، کامل وفاضل کی نگرانی اور اجازت نہ ہو۔ اس کوچہ میں قدم نہیں رکھنا چاہئے اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں چونکہ یہ لوگ عملیات دعوت کے اصول وضوابط سے واقف نہیں ہوتے نہ انہیں شرائط عمل کا علم ہوتا ہے۔ بنابریں موکل (جنہیں وہ بذریعہ عمل مطیع کرنا چاہتے ہیں)۔ ان کے لئے سخت خطرے کا باعث بن جاتے ہیں اکثر لوگ اس عمل خوانی کے نتیجے میں پاگل اور مخبوط الحواس اور بعض لاعلاج امراض میں مبتلا ہوجاتے ہیں، بعض طرح طرح کی تنگیوں اور پریشانیوں میں گرفتار ہوکر عمر بھر کف افسوس ملتے رہتے ہیں۔ اس لئے طالب کو چاہئے کہ پہلے بسم اللہ کو تصور پختہ کرے اور پھر کسی عامل سے اجازت لے کر یہ عمل شروع کردے۔ اہل دعوت کی دو قسمیں ہوتی ہیں، بعض عمل پڑھنے میں کامل ہوتے ہیں۔ مگر اجازت میں ناقص! بعض اجازت میں پختہ ہوتے ہیں اور عمل پڑھنے میں خام! لیکن عمل تسخیر کی کامیابی کے لئے ضروری یہ ہے کہ اجازت بھی محکم ہو اور عمل خوانی بھی مستحکم! گویا ایک شخص بندوق چلانے میں ماہر ہے لیکن اس کے پاس لائسنس نہیں ہے یا ایک شخص کے پاس اجازت نامہ موجود ہے، مگر وہ بندوق چلانا نہیں جانتا۔ عرفان کا بیان ہے کہ ہم نے بہت سے طالبوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ عمل تسخیر (دعوت) شروع کرتے ہیں، تو ابتداء میں انہیں کچھ فائدہ اور اثر معلوم ہوتا ہے بعد کو خواب یا مراقبے میں انہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس کوئی ہتھیار (مثلاً بندوق) ہے ایک سپاہی آتا ہے اور ان سے بندوق چھین لیتا ہے اور ڈانٹتا ہے کہ تم نے کیوں لائسنس کے بغیر بندوق چلائی! اس کے بعد گرفتار کرلیتا ہے، بس یہیں سے رجعت (عمل الٹا ہوجانے کی کیفیت) شروع ہوجاتی ہے۔ رجعت کی بہت سی صورتیں ہیں۔ بعض ناقص طالب بیمار ہوجاتے ہیں اور پشتوں تک جنوں کا آسیب وآزار چلا جاتا ہے۔

☆......☆......☆

عمل کا طریقہ

جنات کی دعوت کے وقت مکان (خلوت گاہ) میں نیم اندھیرا ہونا چاہئے خوشبو اور بخارات (لوبان وغیرہ) کا جلانا بھی مفید ہے۔ حاضرات کے وقت کمرے میں گندھک سے ملتی جلتی بو پھیل جاتی ہے اور اس کے ساتھ چاروں طرف کا سماں وحشت انگیز ہوجاتا ہے اور عامل کے دل پر ہیبت چھا جاتی ہے۔ کبھی کبھی آس پاس ہیبت، کھٹکا اور آہٹ ہوتی ہے، یہ سب جنات کی آمد کی علامت ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سوتے میں جن عامل سینے پر سوار ہوجاتا ہے۔ اس وقت عامل بے دست و پا ہوجاتا ہے، ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا۔ یہ کابوس(NIGHTMARE) (خواب پریشاں) کی سی حالت ہے۔ اس سے بیدار ہونے میں کافی تکلیف ہوتی ہے، کبھی کان کی لو، یا انگلی کا سرا یا جسم کا کوئی حصہ جنات کی چھوت اور لمس سے جل اٹھتا ہے، کبھی خواب میں ان موکلات کی طرف سے ڈانٹ، ڈپٹ، للکار اور سخت مہیب آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ان آوازوں سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عامل سوجاتا ہے تو موکل اسے دور دراز مقامات پر لے جاتا ہے اور نئے نئے ملکوں اور عجیب عجیب شہروں کی سیاحت کراتا ہے۔ گاہے گاہے انتہائی ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ اگر اس وقت مرشد طالب کی دستگیری نہ کرے اور اسے ان بکھیڑوں سے نہ نکال لے تو عمل پڑھنے والا سالہا سال تک اس جھنجھٹ میں مبتلا رہتا ہے۔ وہ کیفیت ہوتی ہے کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن! یہ تو ہیں اس راہ کی مشکلات! لیکن طالب کامل کو عملیات جن وغیرہ سے بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں، مثلاً کشف کے استعداد پیدا ہوجاتی ہے اور وہ آئندہ پیش آنے والے واقعات اور امور غیب پر مطلع ہوجاتا ہے۔ سلب امراض کی قوت پیدا ہوجاتی ہے یعنی وہ ماؤف جسم پر ہاتھ پھیر کر مرض کو رفع کردیتے ہیں۔ اس قسم کے عاملوں کو دم، درود اور چلے، تعویزوں سے کافی یافت ہوجاتی ہے۔ جنات پکڑ پکڑ کر لوگوں کو ان کے پاس لاتے ہیں اور وہ عامل کی توجہ اور ہمت سے شفایاب ہوجاتے ہیں۔ بعض عاملوں کا جنات روزینہ مقرر کردیتے ہیں، عامل کو نقدی سے نوازتے ہیں۔ جس سے وہ مرفہ الحال ہوجاتا ہے، بعض آسیب اتارنے میں کامل ہوجاتے ہیں یعنی جب کسی آسیب زدہ کو ان کے پاس لایا جاتا ہے، تو وہ اپنے مطیع موکل کی مدد سے اسے بھگا دیتے ہیں۔ بعض اوقات عامل کا واسطہ ایسے آسیب (خبیث جن) سے پڑتا ہے جو اس کے موکل سے قوی ہوتا ہے اس صورت میں خرابی کا اندیشہ ہے۔ جنات کی مختلف قسمیں ہیں اور ان کے آسیب و آواز کے طریقہ بھی مختلف ہوتے ہیں، جنات کے ذریعے بعض عداوت اور حب و تسخیر کے عمل بھی کئے جاسکتے ہیں، نادیدہ مخلوق لوگوں کو دکھ بھی پہنچا سکتی ہے، سکھ بھی، وہ انہیں عالم بالا کی سیر بھی کرا دیتے ہیں۔ انڈیا، بنگال اور چین و تبت میں ایسے کامل عامل بھی گزرے ہیں (اب موجود ہیں یا نہیں، اس کا جواب کون دے سکتا ہے)

جو ہوا میں اڑتے تھے، پانی میں چلتے تھے، آگ سے کھیلتے تھے۔ لیکن انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچتا تھا، لیکن ان شعبدوں کا عرفان و معرفت اور خودشناسی و خداشناسی سے کوئی تعلق نہیں۔ اہل اللہ حضرات کی نظر میں ایسے عاملوں کی حیثیت درحقیقت مکھیوں اور مچھروں کی سی ہے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ:

جب تو کسی شخص کو ہوا میں اڑتے، پانی پر چلتے یا آگ سے کھیلتے دیکھے اور تجھے معلوم ہو کہ وہ تارک سنت ہے، تو اسے جوتے مار کیونکہ شیطان یا شیطان زادہ ہے، اور جو کچھ اس سے سرزد ہے۔ اس کی حیثیت مکر و استدراج (مصنوعی کرامت) سے زیادہ نہیں۔ مشہور فارسی قطعہ ہے کہ:

مرد درویش بے شریعت گر

پر دبر ہوا مگس باشد

در چو کشتی رواں شود بر آب

اعتمادش مکن کہ خس باشد

یعنی اگر کوئی درویش (جو شریعت کا تارک ہے) ہوا پر اڑتا نظر آئے تو سمجھ لے کہ مکھی ہے اور اگر کشتی کی طرح پانی پر چل رہا ہو تو یقین کرے کہ تنکا ہے، جو بروئے آب بہا جا رہا ہے۔

☆......☆......☆

جنات کا وقت ظہور

جنات کا وقت ظہور غروب آفتاب سے لے کر نصف شب تک ہے، تمام غیبی مخلوقات یعنی جن، ملائکہ اور ارواح کے ظہور و حاضرات کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ قرآن پاک کی تلاوت ہے۔ جس وقت سائل دعوت خوانی شروع کرتا ہے تو جنات اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ وہ اس سے قوت اور قوت (غذا) پاتے ہیں اور اس کے وظیفہ خوار اور خدمت گار بن جاتے ہیں۔ اس وقت اگر عامل جنات کو آمدنی کا ذریعہ بنائے اور سفلی عملیات کی دکان کھول دے تو اس کا راستہ اور راہ ترقی بند ہو جاتی ہے۔ جس قدر پاک اور لطیف زبان سے کلام الٰہی پڑھا جاتا ہے۔ اتنے ہی آتشی و نوری موکلات عمل کے پاس آتے ہیں۔ یہ عمل زبان و دہن کے بجائے قلب سے پڑھنا چاہئے۔ ان وظائف سے نور پیدا ہوتا ہے اور جس قدر نور پیدا ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ نادیدہ مخلوقات کا ہجوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی کثرت تلاوت سے زمین و آسمان نورانی ہو جاتے ہیں۔ ملائکہ اور جنات کی غذا توانائی کی مختلف اقسام ہیں اور نور بھی قوت ہی کی ایک قسم ہے۔ کلام الٰہی کی تکرار و تلاوت سے نور و حرارت پیدا ہو جاتی ہے جن اس سے پرورش پاتے ہیں۔ زبان نفس سے عمل پڑھا جائے تو جنات حاضر ہو جاتے ہیں اور زبان قلب سے اسمائے حسنہ بطور وظیفہ ادا کیے جائیں تو ملائکہ راغب ہوتے ہیں۔ قلب سے پاک زبان روح کی زبان ہے زبان روح سے وظیفہ خوانی کی جائے تو ارواح مقدس حاضر ہوتی ہے۔ اگر آدمی جھوٹ نہ بولے، گالی نہ بکے، غیبت نہ کرے اور لغویات اور خرافات سے دہن آلودہ نہ ہو تو اس کے نفس قلب اور روح کی زبان میں غیر معمولی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے اور اس زبان سے ادائے کلام الٰہی کا اثر مردوں اور زندوں دونوں پر پڑتا ہے۔

فقیرہ نور محمد سروری قادری کا بیان ہے کہ:

میری ایک عزیزہ ہمشیرہ تھی۔ رابعہ بی اس کا نام تھا۔ نہایت نیک، عابد، پارسا اور سعادت مند لڑکی۔ اس فقیر سے رابعہ بی کو بڑی محبت تھی، نوجوانی کی عمر میں وہ مرض استسقا (پیٹ میں پانی بھر جانا) میں مبتلا ہو گئی۔ اس کا پیٹ اور ہاتھ پاؤں پھول گئے، رنگ زرد پڑ گیا۔ رابعہ بی مرحومہ کی نزع کے وقت میں اس کے قریب موجود تھا۔ فقیر نے یسین شریف پڑھا اور کلمہ شہادت کی تلقین کی۔ مجھے مرحومہ کی وفات کے بعد اس کے برزخی حالات (قبر میں کیا گزری) کی بڑی فکر تھی۔ تیسری رات میں نے باطنی طور پر واقعہ (خواب) میں دیکھا کہ میں اپنے خاندانی گورستان کی طرف جو ہمارے گھر کے قریب ہے۔ جا رہا ہوں، جب میں اس جگہ پہنچا، جہاں ہمشیرہ مرحومہ کو دفن کیا گیا تھا تو میں نے اس مقام کو ویران و شکستہ حالت میں پایا۔ دیکھا کہ وہ مرحومہ ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیماری کی حالت میں لیٹی ہیں، رنگت زرد

ہے، جسم کمزور ہے، مجھے دیکھ کر وہ چلا ئیں۔ بھائی! خدا کے لئے دوڑو۔ میں گھبرا رہی ہوں، میں پریشان ہوں۔ چنانچہ میں دوڑ کر ان کی چارپائی کے پاس گیا اور آیۃ الکرسی پڑھ کر، سورہ مزمل شروع کر دی۔ ابھی سورہ مزمل ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ میں نے دیکھا کہ وہ ویران کھنڈر شاندار محل اور خوبصورت باغ میں تبدیل ہو گیا۔ ہمشیرہ مرحومہ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک اٹھا اور وہ ریشمی زربفت کے لباس میں ملبوس نظر آ ئیں۔

یہ تو بیان ہے فقیر نور محمد سروری قادریؒ کا! میرے والد مرحوم علامہ سید شفیق حسن ایلیا امروہوی فرماتے تھے کہ جب ان کی والدہ (یعنی ہماری دادی) کا انتقال ہوا تو وہ بہت کم عمر تھے۔ بابا مرحوم فرماتے تھے کہ مجھے عجب قسم کی بے چینی محسوس ہوتی تھی کسی کل قرار نہ آتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی انمول چیز کھو گئی ہے۔ ایک روز میں نے خواب میں والدہ مرحومہ کو دیکھا، فرمارہی ہیں کہ میں بیمار ہوں اور میری دوا فلاں حافظ صاحب کے پاس ہے۔ چنانچہ ان مرحومہ کے لئے قران خوانی کرائی گئی درحقیقت یہ سب علم غیب کی باتیں ہیں اور ہم لوگ جو دنیائے ظاہر کے باشندے اور زندان حواس میں محبوس ہیں۔ ان مقامات اور واقعات کو کہانیاں سمجھتے ہیں۔ ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں۔ آدمی جس لذت سے محروم ہو۔ اس کا اس سے کیا مزہ اٹھا سکتا ہے!

☆.....☆.....☆

چند شرائط عمل

عمل تسخیرات جنات ہو یا موکلات کا عمل، اس کی اہل دعوت نے چند شرائط مقرر کی ہیں۔ ان شرائط کی تکمیل کے بغیر کسی عمل میں کامیابی ممکن نہیں۔

الف: پہلی شرط یہ ہے کہ عامل حق گو اور راست رو ہو یا وہ بدگوئی اور بدزبانی سے پرہیز کرے اور تختی کے ساتھ سوچ بولنے (صدق مقال) پر عمل کرے۔

ب: دوسری شرط یہ ہے کہ رزق وطیب کھائے۔ اس کی غذا پاک ہو اور اس کا رزق غیر مشتبہ ہو، یعنی اس کی کمائی میں شبہ کی گنجائش نہ ہو۔

ج: ہمیشہ پاک و پاکیزہ رہے، جسم لباس اور عمل خوانی کی جگہ پاک ہو۔ اگر ہو سکے تو عطر لگائے اور کمرے میں خوشبودار جڑی بوٹیاں جلائے۔ کیونکہ اعلیٰ مخلوق ہمیشہ پاکیزگی، خوشبو اور نفاست کو پسند کرتی ہیں۔

د: حقہ نوشی کا عادی نہ ہو، کچی پیاز اور لہسن استعمال نہ کرتا ہو۔

ذ: اگر جلالی و جمالی ہیز اور ترک حیوانات کرے تو اور مفید ہے یعنی حیوانات کے خون، گوشت، مچھلی انڈے، دودھ، گھی، دہی اور چاچھ سے پرہیز کرے۔

ز: عمل کی کامیابی کے لئے جگہ اور وقت کی پابندی بھی لازی شرط ہے یعنی جس وظیفہ کا جو وقت مقرر کر لیا ہے۔ وہ وظیفہ اسی وقت کرے، کیونکہ موکلات بھی وقت کے پابند ہوتے ہیں اور مقرر وقت پر عامل کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

عمل دعوت میں جو وظیفے پڑھے جاتے ہیں یا جن اسمائے الٰہی کا ورد کیا جاتا ہے ان کا نور عالم بالا کی مخلوقات کی غذا ہے۔ درحقیقت جن و موکل اپنی غذا کے حصول کے لئے عامل کے پاس آتے ہیں۔ عامل کا ظاہر و باطن جس قدر پاک وصاف ہوگا اس کے وظیفوں اور چلوں میں بھی طہارت و لذت ہوگی۔ یہی طہارت اور لذت ملائکہ اور جنات کے لئے وجہ کشش ہے اور اس کشش کے سبب وہ عامل کا رخ کرتے ہیں۔

ح: جس طرح دھات یا پتھر کو رگڑنے سے بجلی اور حرارت پیدا ہوتی ہے اسی طرح ذکر الٰہی کی تکرار سے ناقابل تصور برقی مقناطیسیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ط: اور سب سے زیادہ اصول اور بنیاد بات یہ ہے کہ عامل کو اپنے مقصد کی سچائی کا یقین ہو، اور وہ خود وظیفہ پڑھ رہا ہے۔ اس کی صداقت پر وظیفہ خواں کا ایمان کامل ہونا چاہیے۔ اگر یہ نہیں تو یہ سب کچھ کہانی ہیں۔

☆......☆......☆

جنات کے عقائد

بنی نوع انسان کی طرح جنات بھی عقائد کے لحاظ سے مختلف گروہوں اور قوموں میں تقسیم ہیں۔ ان میں عقیدے کے اعتبار سے مسلمان بھی ہیں۔ قرآن پاک کی ایک آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! اپنے اصحاب سے کہو، مجھے اس بات کی وحی ہوئی ہے۔ تمہیں بتادوں کہ جنات کے ایک گروہ میں سے ایک جن نے اگر قرآن سنا۔ اس نے اپنی قوم کو جا کر بتایا کہ اے میری قوم! میں نے ایک عجیب کلام سنا ہے، جو رشد وہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ایک اور دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے کلام پاک سنا۔ ایسی حالت میں اے رسول ﷺ کہ آپ ﷺ قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا خاموش ہوکر سنو، ابتدائے اسلام کے یہی وہ جن ہیں۔ جنہوں نے جنات کے گروہوں میں اسلام کی تبلیغ کی اور اپنے بہت سے ہم جنسوں کو مسلمان بنالیا۔

بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں سورہ رحمٰن سنائی تو ہم نے خاموشی کے ساتھ سنا، جب آپ ﷺ نے تلاوت ختم کرلی، تو فرمایا کہ میں نے فرقہ جنات کو سماع قرآن کے سلسلے میں تم سے بہتر پایا، جب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی کہ "تم خدا کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے" تو جن جواب دیتا کہ اے رب بے شک تو حمد وستائش کے لائق ہے خطیب نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ایک سفر کے دوران کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بڑا کالا سانپ نمودار ہوا اور حضور ﷺ کی طرف بڑھا۔ لوگوں نے اسے مارنے کا ارادہ کیا۔ تو آپ ﷺ نے اشارے سے منع کیا۔ وہ سانپ اپنا پھن حضور ﷺ کے کان مبارک کے پاس لے گیا۔ آپ ﷺ نے اس سانپ کے کان میں کچھ فرمایا اور پھر سانپ ایک طرف چل دیا۔ جب سانپ نظر سے غائب ہوگیا تو ہم نے عرض کیا کہ، یارسول ﷺ! یہ سانپ کس لئے آپ ﷺ کے پاس آیا تھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سانپ نہیں تھا، جنات کا ایک قاصد تھا۔ وہ قرآن کی چند "سورتیں بھول گئے تھے وہ یاد کرنے آیا تھا اور اب انہیں یاد کر کے اپنی قوم کو سنانے اور یاد کرانے جارہا ہے"۔

اس روایت سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سانپ اور جنات میں کتنا گہرا رشتہ ہے۔ قرآن مجید میں جہاں فرعون وموسیٰ کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ فرعون نے ساحروں کو حکم دیا اور مصنوعی سانپ زمین پر دوڑنے لگے، وہاں سانپ کے لئے "جان" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے عجیب تر بات یہ ہے کہ انسان کی ریڑھ کی ہڈی کی نچلے حصے میں یوگیوں نے جس وقت (کنڈالنی شکتی) کی نشاندہی کی ہے کہا جاتا ہے کہ وہ سانپ

کی شکل میں کنڈلی مارے بیٹھی ہے۔ ارتکاز توجہ، حبس دم، ذکر اور مراقبہ کی مشقوں سے یہ قوت بیدار ہو کر ریڑھ کی ہڈی سے سر کی طرف چڑھتی ہے۔ اس عالم میں مشق کرنے والے کو خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں سانپ نظر آتے ہیں۔

بیہقی نے سواد بن قارب سے روایت کی ہے کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا آشنا تھا وہ گاہے گاہے مجھ سے ملا کرتا اور مستقبل کے واقعات بتایا کرتا اور پوری ہونے والی پیشین گوئیاں کیا کرتا۔ ایک مرتبہ جو ملاقات کی تو اس نے مجھے چند شعر سنائے جن کا مفہوم یہ تھا کہ لوئی بن غالب کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوا ہے۔ میں نے جنات کو دیکھا کہ اونٹوں پر کجاوے کس کر اور گھوڑوں پر زین رکھ کر مکے کی طرف جا رہے ہیں اور ہدایت پا رہے ہیں۔ اے سواد! تو بھی اس طرف جا اور اس مرخود سے ہدایت پا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے بنی ہاشم میں سے چنا ہے پھر چند شعر لغت کے پڑھے۔ ان میں آخری شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم میرے اس روز شفیع ہو گے جب کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا"۔ سواد کہتا ہے کہ تین راتوں تک یہ معاملہ پیش آتا رہا۔

آخر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ:

مرحبا! یا سواد! مجھے معلوم ہے، جو چیز تجھے یہاں لائی ہے۔

سو میں نے اسلام قبول کر لیا۔

صاحب عرفان نور محمد سروری قادری لکھتے ہیں کہ:

ابتلائے حال میں یہ فقیر ایک روز دوپہر کو لیٹا ہوا تھا کہ چند جن قوالوں نے خواجہ حافظ شیرازی کی یہ غزل میرے پہلو میں بیٹھ کر بڑی خوش الحانی سے گانی شروع کی۔

ساقی! بنور بادہ برافروز جام ما
مطرب بگو کہ جہاں شد بکام ما
ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب دوام ما

اور جب انہوں نے یہ شعر دہرایا کہ:

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

تو مجھے وجد آ گیا اور بہت دیر تک وجدانی حالت طاری رہی اور ایک مرتبہ میں نے جنات کے بہت بڑے قافلہ کو حضرت سلطان العارفین کے مزار مبارک پر اپنی سواریوں سے اترتے اور فرد کش ہوتے دیکھا۔

اشتیاق ہوا کہ چل کر جنات کے اس قافلے کی سیر کروں اور دیکھوں کہ یہ قوم کس طرح رہتی سہتی ہے، چنانچہ میں نے بازار میں دو طرفہ قطاروں میں انہیں فروکش پایا۔ بازار کے دونوں طرف انہوں نے چارپائیاں ڈال رکھی تھیں اور ان چارپائیوں کے نیچے انہوں نے لمبے گہرے غار کھود لئے ہیں۔ چارپائیوں پر مرد جن اور عورتیں چڑھی بیٹھی ہیں اور نیچے غاروں کے اندر ان کے بچے بھرے پڑے تھے۔ ان کی شکلیں بالکل انسانوں کی سی تھیں۔ صرف آنکھوں اور انگلیوں کی بناوٹ میں کسی قدر فرق تھا، میں نے جنات کے اس قافلہ کو اول سے آخر تک دیکھا!

اس روایت سے جنات کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ (الف) وہ اولیاء اللہ کی قبروں پر زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ (ب) جنات کی سواریاں بھی ہوتی ہیں کس قسم کی؟ اس بارے میں راوی نے کچھ نہیں بتایا۔ (ج) ان کی شکلیں بالکل انسانوں جیسی ہوتی ہیں۔ البتہ انگلیوں کی ساخت اور آنکھوں کی بناوٹ میں کچھ فرق ہوتا ہے۔ صاحب روایت مزید لکھتے ہیں کہ ان عجیب واقعات کو دیکھتے وقت آدمی پر ایک ہلکی سی ضرور طاری ہو جاتی ہے۔ تاہم اس کے ہوش وحواس بالکل قائم وبرقرار رہتے ہیں۔ عالم جنات کا نظارہ بھی عامل اس غیبت کے عالم میں کرتا ہے، جب آدمی عالم ملکوت میں قدم رکھتا ہے تو غیبت کی کیفیت اور گہری ہو جاتی ہے اور عالم ارواح میں پہنچ کر وہ بالکل مستغرق ہو جاتا ہے، یعنی ڈوب جاتا ہے، جنات کی دنیا سے واپسی پر عامل ایک ہی جنبش وحرکت میں بیدار ہو جاتا ہے۔ عالم ملکوت سے واپسی پر دو مرتبہ بیدار ہونا پڑتا ہے، اور عالم ارواح کی سیر ختم کر کے تین مرتبہ بیدار ہونا پڑتا ہے اس حالت میں مبتدی سالک عجیب کشش و پیچ میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ اپنے کل کو بیدار سمجھتا ہے حالانکہ! عالم غیب میں محصور ہوتا یعنی اس پر بے خودی سی طاری ہوتی ہے!

☆......☆......☆

اہم انکشاف

اس بیان سے ایک اور اہم نکتہ وا شگاف ہوا، یہ کہ نادیدہ مخلوق (جن و ملائکہ اور ارواح) کی دنیاؤں کی سیر کامل بیداری کی حالت میں نہیں کی جاسکتی۔ شرط یہ ہے کہ پہلے آدمی کے عام شعور کی سطح مختلف ہو جائے، یعنی وہ بیداری سے نیم خوابی حالت (یعنی غیبت) میں پہنچ جائے۔ صرف اسی وقت وہ ان مخلوقات کا نظارہ کر سکے گا۔ جن کا ادراک حواس خمسہ کے ذریعے ممکن نہیں! یہاں سے ہمارا ذہن تنویمی کیفیت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ تنویمی نیند میں انسان کو جو مشاہدات اور حسی تجربے ہوتے ہیں وہ عالم بیداری کے مشاہدوں اور تجربوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ آدمی دوسرے کی ترغیب یا خود ترغیبی کے سبب جب "ہپناٹائزڈ" ہو جاتا ہے، یعنی تنویمی حالت میں چلا جاتا ہے، تو وہ ایک مختلف دنیا کی مخلوق بن جاتا ہے۔ جہاں ہر چیز ممکن ہے اور ہر قسم کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔

☆......☆......☆

چند اور حکایات

آپ نے اس کتاب میں انسانوں اور جنوں کے معاشقے اور امور معاملات کے بارے میں چند واقعات پڑھے۔ کتاب عرفان (جلد دوم) میں بھی ایسی چند حکایتیں بیاں کی گئی ہیں۔ جن کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

مصنف رقم طراز ہیں کہ:

جب بعض انسانی عورتوں سے تعشق پیدا کر لیتے ہیں اور ان سے مردوں کی طرح جنسی عمل کرتے ہیں اگر اس عمل سے کوئی عورت حاملہ ہو جائے تو اس سے دو غلے قسم کے آسیب زدہ اور کاہن مزاج بچے پیدا ہوں گے۔

بیہقی نے امام زین العابدین سے روایت کی ہے کہ پہلے پہل آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر مدینے کے کسی ایک جن کے ذریعے پہنچی تھی۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ ایک جن مدینہ کی کسی عورت سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ جن ہمیشہ رات کو مرد کا روپ بدل کر عورت کے پاس آتا اور وصل کے مزے لوٹتا۔ پھر یکا یک اس جن کی آمد و رفت بند ہو گئی۔ بہت دن بعد جب وہ جن رات میں عورت کے پاس آیا تو اس نے اتنی مدت نہ آنے کا سبب پوچھا۔ جن نے جواب دیا کہ

تجھے معلوم نہیں کہ اس شہر میں خدا ایک سچا اور برگزیدہ نبی ظاہر ہوا ہے اور میں اس کے ہاتھ پر ایمان لے آیا ہوں اب میں تیرے کام کا نہیں رہا۔

ابن عاکر اور خرائطی نے مرداس بن قیس ودسی سے روایت کی ہے۔

ایک دن آنحضرت ﷺ کی مجلس میں کاہنوں اور کہانت (غیب کی پیش گوائیاں) کرنے والوں کا ذکر چھڑا، اور لوگ اس بارے میں اپنے چشم دید واقعات اور حالت بیان کرنے لگے، مرداس نے بیان کیا کہ مجھے بھی اس معاملے میں عجیب اتفاق پیش آیا۔ ایام جاہلیت میں میرے پاس ایک لونڈی تھی، اس کا نام خلصہ تھا۔ اس لونڈی نے ایک روز ہمیں بتایا کہ ان دنوں مجھ پر عجیب حالت گزر رہی ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ تم مجھ پر زنا کا الزام اور حرام کاری کا اتہام نہ لگا دو۔ صورت یہ ہے کہ ہر روز ایک سیاہ فام وجود مجھ سے ہم بستری ہوتا ہے۔ چنانچہ چند ماہ سے اس لونڈی کو حمل رہ گیا۔ وقت معینہ پر اس لونڈی نے ایک بچہ جنا۔ جس کے کان کتے کی طرح تھے اور اس کی عام شکل بھی انسانوں کی طرح نہ تھی، جب وہ کچھ بڑا ہوا تو وہ کاہنوں کی طرح باتیں کرنے لگا اور آئندہ کے واقعات اور غیب کی خبریں بتاتا ایک دن اس نے بتایا کہ تمہارے دشمن فلاں جگہ چھپے ہوئے ہیں اور تمہاری گھات میں ہیں۔ جب ہم وہاں گئے تو ہم نے دشمنوں کو وہاں

گھات میں بیٹھا دیکھا۔

نور محمد سرور قادری لکھتے ہیں کہ:

ہمارے گھر کے نزدیک ایک بیوہ رہتی تھی جو بہت نیک اور پاک دامن تھی، میری موجودگی میں والدہ صاحبہ نے کہا کہ بہن! تو بیوہ ہو کر شادی شدہ عورتوں کی طرح کیوں بنی ٹھنی رہتی ہے اور شوہر دار بیوں کی طرح کیوں سنگھار کرتی ہے؟ تیرے اس چلن پر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ والدہ کی اس نصیحت پر وہ عورت رو پڑی اور اس نے کہا کہ میں آپ کو کیا بتاؤں، میرا قصہ عجیب و غریب ہے۔ چنانچہ اس نے قسم کھا کر کہا کہ رات کے وقت ایک جن مادی جسم اختیار کرتا ہے اور میرے پاس آتا ہے، اور مردوں کی طرح ہم کنار و ہم صحبت ہوتا ہے، جس رات وہ مجھے میلی کچیلی پاتا ہے تو بہت غصہ کرتا ہے کہ آج تو نے اپنے آپ کو کیوں نہیں سنوارا؟ وہ مجھے بہت تنگ کرتا ہے۔ رات بھر سونے نہیں دیتا، غرض میں جن کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ اس لئے اس موذی کی خاطر اپنے کو سنوارتی ہوں۔

اس فقیر نے بہت مرتبہ جنوں کو کامل ہوش وحواس کے عالم میں دیکھا ہے بہت دفعہ وہ اپنے بیماروں کو دم کرانے لاتے اور اپنی حاجتوں کی تکمیل کے لئے دعا کراتے ہیں۔ ایک مرتبہ فرقہ جنات کا بادشاہ اس فقیر کو ملا، یہ اونچے لمبے قد کا سفید خوبصورت جوان تھا۔ میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام "مستخہ" بتایا۔ بعض لوگ وجود جنات کے قائل نہیں، اور قرآن وحدیث میں جنات کا جو ذکر آیا ہے۔ اس کی بہت سی تاویلیں کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جن سے مراد، وحشی اور جنگلی لوگ ہیں۔ اگر کوئی شخص جنات کے متعلق اپنا کوئی واقعہ یا مشاہدہ بتاتا ہے تو اس سے طرح طرح سے تاویل کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں آسیب زدگی کے واقعات محض ہسٹریا (اختناق الرحم) کے دورے ہوا کرتے ہیں۔ ان کے انکار وتاویل کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی چھٹی پر اسرار حس (ادراک ماورائے حواس یا E.S.P) کو ترقی نہیں دی جن سے کام لے کر ان نادیدہ مخلوقات کو دیکھا جا سکتا۔ عربی زبان میں "جن" کے معنی چھپنے اور پوشیدہ ہونے کے ہیں، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یعنی جب اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو اس نے ستارے کو دیکھا، کیونکہ یہ ایک ایسی مخلوق ہے جو آنکھ سے اوجھل رہتی ہے۔ اس لئے اسے جن کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابلیس کا تعلق بھی جنات ہی سے ہے۔

☆.....☆.....☆

جنات کی اقسام

واضح ہو کہ جنات اور ارواح خبیثہ کی بہت سی قسمیں ہیں اور ان کی علیحدہ علیحدہ خصوصیات اور الگ الگ کام ہیں۔ چنانچہ ان کی ایک قسم وہ ہے، جو کسی گھر یا مکان کے اندر سکونت اختیار کر لیتی ہے اور اس گھر کے رہنے والوں کو خواب و بیداری میں ڈراتی اور آزار پہنچاتی ہے۔ ہر شہر میں کوئی نہ کوئی گھر ایسا ضرور ہوتا ہے جس میں جن رہائش رکھتے ہیں، انہی مکانات کو آسیب زدہ کہا جاتا ہے۔ یورپ خصوصاً برطانیہ میں (HAUNTED HOUSE) کا بہت چرچا ہے اور برطانیہ کی مشہور ومعروف مجلس تحقیقات نفسیہ نے آسیب زدہ مکانات کے بارے میں کافی تحقیقات سائنسی طرز کی ہے۔ اس تحقیقات سے ان خارق العادات واقعات کی تصدیق ہو جاتی ہے، جو آسیب زدہ مکانات میں رہنے والوں کو پیش آئے۔ ایسے مکانوں میں جن مختلف شرارتیں کرتے ہیں بعض اوقات گھر کے رہنے والوں پر اینٹیں اور پتھر برساتے ہیں، بعض جگہ غلاظت اور گندگی گرا دیتے ہیں۔ چیزوں کو توڑتے پھوڑتے ہیں، کپڑوں اور اسباب خانہ داری میں آگ لگا دیتے ہیں۔ غرض طرح طرح کی حرکتیں، روز روشن میں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے کرتے ہیں۔ ان جنات کا شمار خبیث روحوں یا شیاطین میں کرنا چاہئے، یہ نہ صرف انسانوں کے لئے سبب زحمت بن جاتے ہیں بلکہ حیوانات کے سر پر سوار ہو کر انہیں پاگل بنا دیتے ہیں۔ نصیر الدین حیدر فرمانروائے اودھ کے زمانے میں ایک گھوڑے پر جنوں کے دورے پڑتے تھے۔ اس گھوڑی کا ذکر نصیر الدین حیدر کے ایک انگریز مصاحب نے اپنی مطبوعہ ڈائری میں حیرت انگیز واقعات نقل کئے ہیں۔ مثلاً جنون زدہ یا جن زدہ گھوڑے کا مقابلہ شیر سے کرایا گیا اور وہ شیر پر غالب رہا یہ پاگل گھوڑا مدمقابل پر ایسے جارحانہ حملہ کرتا تھا، کہ خدا کی پناہ! حیوانوں کے ہر گلے اور ہر ریوڑ میں ایک نہ ایک جانور مست ہو کر گلے سے نکل جاتا ہے اور دوسرے حیوانوں کے لئے دہشت انگیز بن جاتا ہے۔

☆......☆......☆

آ گیا بیتال

مظہر علی وکیل ہمارے تاریخ کی ایک یادگار اور معرکہ انگیز شخصیت ہیں۔ چھہتر، ستتر سال میں بھی ان کا ولولہ عمل اور جوش کار قابل تعجب ہے۔ مظہر علی علوی نے اپنے اور اپنے والد ماجد (مشہور و معروف) شیخ اظہر علی (ممبر مرکزی اسمبلی) کی سوانح بڑی لطافت اور جامعیت کے ساتھ لکھی ہیں۔ لکھنو میں دارالندوہ کا قیام انہیں کے بزرگان خاندان منشی احتشام علی اور منشی سخاوت علی وغیرہ کی کوششوں سے عمل میں آیا تھا۔ مظہر علی علوی اپنی سیاسی اور قانونی زندگی کے دلچسپ اور تاریخ بن جانے والے واقعات سناتے ہیں، تو لطف آ جاتا ہے، مثلاً مسلم لیگ کی تاسیس، مسلم لیگ کا پہلا دفتر بقول جناب مظہر علی علوی 1901ء میں ان کے دولت خانے پر قائم ہوا تھا۔ اور اس مالی اعانت کے تمام وسائل ان کے ماموں منشی احتشام علی مہیا کئے تھے۔ دارالندوہ کا قیام! مرحوم مہاراجہ امیر احمد مرحوم سے مسلم لیگ کی تنظیم نو کے لئے پانچ کروڑ روپے کا عطیہ حاصل کر کے جناح صاحب کو دلوایا۔ سندھ میں مسلم لیگ کا احیاء (1935ء میں) "ریڈ کلف" کے سامنے تقسیم بنگال کے مقدمے کی پیروی وغیرہ وغیرہ۔ منشی مظہر علی علوی نے ہر موضوع (تفسیر قرآن، سیرت نبوی ﷺ، اسلام کا اقتصادی نظام، سیاسی مسائل، قانونی موضوعات وغیرہ) پر اتنا لکھا ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ ان کی طبیعت میں جتنا تنوع ہے ان کی خطابت میں بھی اتنی ہی رنگارنگی ہے، وہ مجلس آراء قسم کے بزرگ ہیں ہم سنیں اور کہا کرے کوئی۔ مظہر علی علوی صاحب کے پسندیدہ موضوعات میں ایک موضوع (شکار) بھی ہے۔ شکارنامے کا مسودہ علوی صاحب نے بکمال نوازش مجھے عطا فرمادیا ہے۔ تاکہ میں اس کی ترتیب کر سکوں اس شکارنامے کے ایک باب، آ گیا بتیال کے موضوع پر بھی ہے۔ آ گیا بتیال جنات کا ایک شریر و مضحکہ خیز قبیلہ ہے۔ جس کا کام لوگوں کو ڈرانا اور طرح طرح کے روپ بدل کر اپنی مضحکہ خیز چھب دکھلاتا ہے لکھتے ہیں:

بیسویں صدیقی کے اس ترقی یافتہ عہد میں نہ آپ کو بھوتوں پر یقین ہے۔ نہ مجھ کو! اب تو جنات کا وجود تک مفروضہ قرار پا گیا ہے باوجودیکہ قرآن مجید میں واضح طور پر جنات کا ذکر کیا گیا ہے اور متعدد احادیث نبوی ﷺ اس سلسلے میں موجود ہیں۔ جن اور بھوت کو انہیں نادیدہ مخلوقات کی دو علیحدہ علیحدہ قسمیں تصور کیا جاتا ہے۔ جن یا بھوت، ان دونوں کے بارے میں بنیادی تخیل یکساں ہے۔ بھوت ہندوستان تخیل کی پیداوار ہے۔ دیو اور پری زادوں کو ایرانیوں نے کوہ قاف پر جا بیٹھایا ہے اور جنات کا ذکر عرب میں کیا ہے۔ ہندوستانی تخیل کی پیدا کردہ بھوتوں کی ایک قسم "آ گیا بتیال" بھی ہے، جو آگ میں پرورش پاتا ہے اور وہی کرتا ہے۔ جو حرکات جنات سے منسوب ہیں۔ آ گیا بتیال کے مظہر کو بعض اہل علم فارسفورس کی چمک سے منسوب کرتے ہیں۔ بہرحال آ گیا بتیال کوئی خارق العادۃ کرشمہ ہو یا

فاسفورس کی چمک دمک! یہ ایک چیز ہے ضرور! میں نے خود ''آ گیا بتیال'' کا غیبی مشاہدہ کیا ہے۔ مجھے آج تک وہ کیفیت بخوبی یاد ہے، جو آ گیا بتیال کو دیکھ کر طاری ہوئی تھی۔ اگرچہ اس واقعہ کو 50 سال سے زیادہ مدت گزر چکی ہے۔ تاہم پورا منظر اس طرح ذہن میں محفوظ ہو گیا میں آج بھی اسے دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے بہت سی خوفناک کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ پردہ فلم پر (FRANKESTEN) کی تصاویر بھی دیکھی ہوں گی۔ لیکن جو واقعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آپ بمشکل اس پر یقین کریں گے۔

(آج سے اٹھاون سال قبل) مئی یا جون کا مہینہ تھا، اور 1920ء میں نے اس سال میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا اور علی گڑھ کالج سے موسم گرما کی تعطیلات گزارنے کے لئے لکھنو آیا تھا۔ میرے ماموں صاحب قبلہ منشی احتشام علی اس سال رمضان شریف اپنے گاؤں رسول پور ضلع اناؤ میں گزارنے تشریف لے گئے تھے۔ بچپن ہی سے رسول پور ہم سب لوگوں کی سب سے بڑی شکارگاہ تھی۔ ماموں جان کو دہاں کی رہائش بے حد پسند تھی، اور ہر سال جاڑے اور گرمی میں دو یا تین مہینے رسول پور میں گزارتے تھے۔ اس مہم میں ماموں جان کے ساتھ، بھائی نظام، راشد اور خلیل بھائی ضرور ہوتے تھے۔ البتہ اس سال ان کے ساتھ کوئی نہ تھا، صرف ہمارا بہرا دوست نور موجود تھا۔ نور ہمارا ہیرو تھا۔ ہم لوگوں کی نظر میں نور ''دیوزاد شخصیت'' کا مالک تھا اور عجیب وغریب قوتوں کا مجموعہ! وہ ہمارے ضلع دار میر عبدالسلام قائم گنج والے کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا، ہمارا ہم عصر، ہم عمر بھی تھا۔ ساتھ کھیلا بڑھا تھا۔ ہم لوگوں کے پاس ایک ہوائی بندوق (AIR GUN) بھی تھی، اور نور اس بندوق کو چلانے میں ماہر تھا۔ گاؤں میں رہنے کے سبب اپنے بجز سیر وشکار کوئی کام نہ تھا۔ چنانچہ شکار میں اس کی مشق و مہارت مسلمہ تھی اور ہرن کو آواز سے مار لیتا تھا۔ گرد ونواح میں 25 یا 30 میل تک کا جنگل۔ اس کا چھانا ہوا تھا اور وہ اس کے چپے چپے اور ذرے ذرے کو جانتا تھا۔ نور جنگل کے ایک ایک ہرن سے واقف تھا۔ جانتا تھا کہ کون کالا ہے اور کون سا مہندیا؟ کون ابھی پٹھا ہے کون بڑھیا گیا ہے کس کے سینگ ٹیڑھے ہیں اور کس کے سیدھے؟ کون کتنی گولیاں کھانے کے بعد ابھی تک بچتا رہا ہے اور کون داہنے پیر یا اگلی پچھلی ٹانگ سے لنگڑاتا ہے۔ غرض اس قسم کی معلومات نور کے سینے میں محفوظ تھیں، کمال یہ تھا کہ وہ گونگا تھا۔ لیکن گونگے ہونے کے باوجود وہ اپنے تمام مطالب اشاروں کے ذریعے ادا کر سکتا تھا وہ تاش پچیسی اور شطرنج ہمارے ساتھ کھیلتا تھا۔ شکار کے موقع پر ہمیشہ اپنی باپ کی دی ہوئی چھوٹی سی ٹوپی دار بندوق رکھا کرتا جو ہماری کارتوس والی بندوق سے زیادہ دور مار لیتی تھی۔ کیونکہ نور اس میں زیادہ بارود اور چھرے ٹھوک دیتا تھا۔ اس بندوق کا توازن (BALANCE) بہت اچھا تھا۔ خدا جانے اس بندوق سے نور کے والد میر عبدالسلام نے کتنے ہرنوں کو جام شہادت پلا دیا تھا۔ یہ بندوق اسی برس پرانی تھی۔ نور کو یہ بندوق اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی۔ جب یہ نور کے ہاتھ چڑھی تو اس نے بھی پانچ سوسے لے کر آٹھ سو ہرن تک اس ٹوپی دار بندوق سے شکار کئے تھے۔ انہی وجود کی بنا پر یہ ''خونی بندوق'' کہلائی تھی۔ ہم لوگ اس بندوق کو برنجی توپ یا نور کا دھماکہ کہا کرتے تھے۔ جس روز یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ اس روز بھی نور کے پاس وہی بندوق تھی۔ شام کے چار پانچ بجے ہوں گے کہ نور نے ہم سے کہا (یعنی اشاروں سے بتلایا، کیونکہ وہ گونگا تھا) کہ چلو' بھٹیوں کے پاس ایک خوبصورت ہرن

آ گیا ہے۔ جس کے سینگ بالکل صراحی دار ہیں وہ رنگ میں مہندیا تھا۔ چل کر اس ہرن کو مار لائیں"۔ ہمیں بھی اس ہرن کے مارنے کا بہت شوق تھا، جھٹ اپنا رائفل لے کر تیار ہو گئے۔ رمضان کا مہینہ اور گرمی کا زمانہ! ہم دونوں روزے سے تھے۔ روزہ بہلانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ دن بھر شکار کھیلا جائے۔ روزے میں شکار ہمارے واسطے کوئی بات نہ تھی۔ بہرحال تھوڑا سا میوہ، خرما اور چنے تھیلی میں بھر کر ہم ہرن کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ نور نے پانی کی کپی اور شکاری جھولا لٹکایا۔ ہم لوگ رسول پور سے دو میل کے فاصلے پر نکل گئے۔ جہاں ایک نالہ راستے میں پڑتا تھا۔ اس نالہ کو لوگ تڑپڑا کہتے ہیں۔ اس کے آگے میل بھر کے فاصلے پر بھٹیں تھیں۔ جن میں کثرت سے پان کی کاشت ہوتی تھی ان بھٹیوں سے نکل کر ایک بہت بڑا لق ودق میدان تھا۔ مگر نور نے وہیں سے دیکھ کر اشارے سے بتانا شروع کیا کہ دیکھو، وہ صراحی دار سینگ رکھنے والا ہرن اس غول میں موجود ہے۔ نور کی نظر غیر معمولی طور پر تیز تھی اور ہم دونوں اس غول کے پیچھے لگ گئے۔ میں نے اس ہرن کو غور سے دیکھا لیکن ابھی وہ ہماری زد پر نہ تھا۔ شام کا اندھیرا چھاتا چلا جاتا تھا۔ میں نے اس ہرن کو غور سے دیکھ کر اندازہ لگایا کہ اس وقت گولی چلائی تو اس پر کارگر نہیں ہو گی۔ یکایک بائیں طرف سے فائر کی آواز آئی۔ یقیناً یہ گولی ہرنوں کی ڈار پر نہیں کسی اور نشانے پر چلائی گئی تھی۔ تاہم اس گولی کی گونج سے ہرن تتر بتر ہو گئے۔ صورت یہ تھی کہ ملیح آباد کے کچھ پٹھان اس جنگل میں لکڑی کی کٹائی کر رہے تھے۔ یوسف خان ان کا سرگروہ تھے۔ انہوں نے جنگل کی کٹائی کا ٹھیکہ لیا تھا اور جنگل کی کٹائی کرنے والے پٹھان وقتاً فوقتاً گولیاں چلاتے رہتے تھے۔ ہرنوں کے تتر بتر ہونے کے بعد وہاں ٹھہرنا بے کار تھا چنانچہ ہم تیز تیز، جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے تاکہ افطار کے وقت تک ڈیرے پر پہنچ سکیں لیکن راستے میں روزہ کشائی کا وقت آ گیا اور ہم لوگوں نے زادِ سفر سے افطار کر لیا۔ نور نے (اشاروں اشاروں میں) بتلایا کہ یوسف خان کے پاس موٹر بھی موجود ہے اور رائفل بھی۔ ملیح آباد کے پٹھان بھٹیوں کے آس پاس رہتے تھے، اور وہاں سے با آسانی ہرنوں کو زخمی اور شکار کرتے رہتے تھے۔ اس روز روز کی فائرنگ کے سبب جنگل کے ہرن بہت چوکنا ہو گئے تھے، اور کسی طرح شکاریوں کی چاپ کو نہ سہہ سکتے تھے۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ یوسف خان کے ڈیرے کی طرف سے رات کے اندھیرے میں ایک شعلہ نظر آیا اور پھر بجھ گیا۔ تھوڑی دور آگے چلنے کے بعد خیال ہوا کہ شاید کوئی شخص لالٹین لئے جنگل میں چل رہا ہے۔ اب خاصہ اندھیرا ہو چکا تھا۔ ہم لوگ بھٹیوں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر نکل گئے ہوں گے کہ تڑپڑا نالہ آ گیا، جو خشک تھا۔ اس وقت پھر ہمیں وہی روشنی نظر آئی، پھر وہ شعلہ روشن ہماری طرف بڑھنے لگا۔ اب وہ لالٹین نہ معلوم ہوتی تھی بلکہ روشنی کی چادر سی تھی۔ جو جنگل میں بڑھی چلی آ رہی تھی اور اس کا رخ ہماری طرف تھا۔ میں نے جو دیکھا کہ نور اس روشنی سے خوف زدہ ہے اس نے اشارہ کیا کہ جلدی بھاگ نکلو! چنانچہ ہم لوگوں نے ایک طرف بھاگنا شروع کیا۔ ہم 40 یا 50 قدم ہی آگے بڑھے ہوں گی کہ وہ روشنی آگ کا زبردست لوکا معلوم ہونے لگی۔ میں نے سوچا، یہ یقیناً فاسفورس ہے۔ اس منظر (کرشمہ) کا پوری طرح معائنہ کرنا چاہئے۔ اس لئے میں وہیں رک گیا۔ نور نے پکڑ کر میرا ہاتھ کھینچا کہ ہم دونوں بھاگ نکلیں میں نے پوچھا کہ کیا ہے! کیوں ڈر رہے ہو؟ تو اس نے اپنے دونوں

سامنے کے دانت منہ سے باہر نکال دیئے اور پھر منہ کے اندر انگلیاں ڈال کر بھیانک شکل بنائی۔ اس طرح ظاہر کر دیا کہ کسی نہایت خوفناک چیز سے ہمارا پالا پڑ گیا ہے۔ وہ ہم پر حملہ کرنے والی ہے اس لئے سلامتی کا واحد راستہ یہ ہے کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جائیں میں نے اشارے سے نور کو سمجھایا کہ یہ سب وہم ہے، وہ ہرگز خوف زدہ نہ ہو۔ نور نے یہ سن کر اپنے کاندھے سے بندوق اتاری اور اس کی نالی میں گراب اور گولیاں بھرنے لگا۔ مجھے نور کی اس حرکت پر ہنسی آ گئی۔ لیکن اس کے خوف و دہشت میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ غرض یہ کہ اس عرصہ میں آگ کے قد و قامت میں برابر اضافہ ہو رہا تھا اور وہ زندہ اور مجسم جہنم ہماری طرف لڑھکتا چلا آ رہا تھا۔ اب ہمیں خطرہ ہوا کہ وہ آگ ہمیں محاصرے میں لے رہی ہے اور ہر طرف جنگل میں شعلے بھڑک رہے ہیں۔ آگ کے شعلے بلند ہو کر آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ دور دور تک کوئی جھاڑی نظر آتی تھی، نہ پتا، ور کا کوئی جنگل! مگر وہ آگ (وہ سیل آتشیں) آندھی دھاندی کی طرح ہماری سمت بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ آخر نور نے گھبرا کر اپنی بندوق کا رخ اس آگ کی طرف کر دیا، میں نے اشارے سے پوچھا کیا کرو گے۔ نور نے جواب دیا کہ اس کے گولی ماروں گا، میں نے کہا کہ کس کو گولی مارو گے۔ کہنے لگا کہ اس لو کے کو (میں نے اشارے سے پوچھا) آگ کو تم کیسے مار سکتے ہو؟ یہ سن کر وہ اپنی غلطی پر نادم ہو گیا۔ اب اس آگ نے تین طرف سے ہمارا محاصرہ کر لیا تھا اور صرف سامنے کا رخ باقی تھا۔ آگ کے شعلے بلا مبالغہ آسمان کی طرف لپک رہے تھے اور ہم دونوں اس کی تپش سے پھنکے جا رہے تھے۔ تب مجھے یقین ہوا کہ بلاشبہ کسی بلا سے ہمارا سامنا ہو گیا اور یہ کوئی ایسی چیز ہے، جو ہماری دسترس سے باہر ہے، یعنی اس سے مقابلہ آسان نہیں۔ میں نے نور کو اشارہ کیا کہ وہ آسمان کی طرف ہاتھ، اٹھا کر دعا کرے کہ وہ ہمیں اس آفت آتش ناک سے نجات دے۔ اب وہ گرم لو اور سرخ آنچ اور قریب آ گئی تھی۔ پھر ان شعلوں کے اندر سے دھڑ دھڑ کی آواز آنے لگی۔ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ آگ میں چاروں طرف آندھی چل رہی تھی اور اس صرصر آتش کے درمیان ایک کالا بھجنگ دیو نظر آیا، جو سینکڑوں فٹ بلند تھا اس کے جسم پر کالے کالے بال تھے۔ اس کی چوڑائی پچاس فٹ سے کم نہ ہو گی، اس کا چہرہ خدا کی پناہ۔

سر طبلک معکوس جبیں حد سے فزوں تنگ
عذار و سلحشور و جفا پیشہ و سرہنگ
کہنے کو بشر پر قد و قامت کا نیا ڈھنگ
حیراں شب ظلمات ہو یہ تیرگی رنگ
پہلے سے یہ کالا تھا منہ اس دشمن رب کا
بن جائے تو اعکس سے آئینہ حلب کا

سامنے کے دو دانت نکلے ہوئے تھے اور کان، ہاتھیوں کے کان سے بیس گنا بڑے تھے۔ دونوں نتھنوں سے دھواں نکل رہا تھا،

منہ اور کان میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اس کے منہ سے آواز آ رہی تھی، او، واہ، او، اوہ! اس اگنی دیوتا (فرشتہ جہنم) کا لباس آگ کا تھا، میں اس نظر کو بیان نہیں کر سکتا۔ چھہتر سال کی عمر میں ہزاروں عجیب و غریب نظارے دیکھے ہیں۔ لیکن اس نظارے کا تو تصور بھی نہ تھا۔ آخر میں میں نے جلد جلد قرآنی آیات پڑھنی شروع کیں۔ جب قل اعوذ و برب الناس کا ورد شروع کیا، تو وہ آگ پیچھے ہٹنے لگی جوں جوں میں سورہ الناس کی تلاوت کرتا جاتا تھا، آگ پیچھے ہٹی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ شعلہ آتش جدھر سے نمودار ہوا تھا۔ اس طرف جا کر بجھ گیا۔ نورا کو دیکھا تو پسینے پسینے تھا، رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ آخر بمشکل قل اعوذ و برب الناس کی چھتری لگا کر ہم لوگ گھر پہنچے۔ میں نے، سن وعن یہ واقعہ ماموں جان کو سنایا تو فرمانے لگے کہ ایک بار مجھے اور میر عبدالسلام کو بھی تڑپڑے نالے کے پاس اسی طرح آگیا بتیال نے گھیر لیا تھا۔ مظہر علی علوی کا ذہن سائنسی اور نقطہ نظر سو فیصدی حقیقت پسندانہ ہے، نہ وہ مبالغہ پسند ہیں۔ نہ اوہام طراز! علوی صاحب نے رسول پور کے نواح میں جو کچھ دیکھا اسے بیان کر دیا۔ اس بیان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نادیدہ مخلوق (جنات) آگ کی بنی ہوئی ہے یا کم از کم جنات کا ظہور طوفان آتشیں کے ساتھ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی جنات کا مایہ خمیر آگ کو قرار دیا گیا ہے۔ اس مخلوق آتشیں کو غاکی نژاد مسخر کر سکتا ہے۔ لیکن عمل تسخیر جنات آسان نہیں عام انسانوں کو اس بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہئے۔ یہ عملیات بے حد مشکل ہیں اور صرف صحرا نشین قوی الارادہ شخص ہی کو تسخیر جنات کی جرات کرنی چاہئے۔

☆......☆......☆

تسخیر جنات

اگرچہ انسان میں ہر طرح کی صلاحیت وقوت موجود ہے۔ تاہم قدرت نے انسان کو غیر مرئی (ان دیکھی) دنیا کے بجائے دیدہ اور محسوس کائنات کی تسخیر کے لئے مامور کیا ہے۔ قرآن پاک میں انسان کو مخاطب کر کے کہاں گیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اسے انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ یقیناً انسان فاتح کائنات اور تسخیر کنندہ شش جہات ہے۔ انسانی فطرت میں نادیدہ دنیا کی طرف سے جو خوف، جو دہشت اور جو بیزاری پائی جاتی ہے، وہ قدرت کا بہت بڑا انعام ہے۔ قدرت نے دنیائے مادی کی تمام نعمتیں انسانی دست رس میں دے دی ہیں اور اسے "سائنس" اور "تکنیک کاری" کی قوت ایجاد سے مسلح کر دیا ہے۔ تاکہ انسان قدرت سے کہہ سکے کہ:

تو شب آفریدی چراغ آفریدم

(تو نے رات کو پیدا کیا اور میں نے چراغ کو ایجاد کیا)

اگر انسان کے تمام خوابیدہ حواس بیدار ہو جائیں یعنی اسے کشف ہونے لگے۔ وہ مستقبل میں واقع ہونے والے واقعات کا علم حاصل کر لیا کرے، یا ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے ابنائے جنس سے رابطہ پیدا کرنے پر قادر ہو جائے یا ندیدہ مخلوقات سے اس کا رابطہ قائم ہو جائے اور وہ رابطہ مستقل رہے تو اس دنیائے مادی کی تسخیر تکمیل اور تزئین ممکن نہیں۔ انسان قوائے فطرت پر غالب آنے کی حیرت انگیز اور جانکاہ کوشش کر رہا ہے۔ وہ اس لئے کہ انسان اپنے کو بے بس کمزور اور خطرے میں گھرا ہوا محسوس کرتا ہے زمین پر چلنے والے انسانوں کی ترقی کا ذریعہ صرف یہ ہی ہے کہ عقل منطقی سے کام لے کر سنگ و خشت اور آب و گل کی دنیا کی تسخیر کرے اور نادیدہ دنیا کے اسرار دیدہ دنیا کے تجربات کی روشنی میں معلوم کر سکے۔ قدیم زمانے میں بلاشبہ انسان آوارہ گرد ارواح سے متعدد کام لیتا تھا، وہ جادو سے بھی واقف تھا لیکن یہ ساری قوتیں اس کی پس ماندگی کا علاج نہ کر سکیں اور جادوگر ہونے، نادیدہ مخلوق کا آلہ کار بننے اور ٹیلی پیتھی سے کام لینے کے باوجود انسانی ذہن پر حیوانیت غالب رہی۔ آدمی نے صرف اسی وقت انسانیت کبریٰ (عظیم انسانیت) کی طرف قدم بڑھایا۔ جب اس نے حواس باطنی کے بجائے حواس ظاہری سے کام لینا شروع کیا اور جنگل کی زندگی کے بجائے شہری تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈالی۔ زمانہ ماقبل تہذیب میں جنات، فرشتے اور ہولناک انسانی ذہن پر حکمراں تھے۔ ظہور تہذیب کے بعد یہ نادیدہ مخلوق زمینوں سے بھاگ کر عالم بالا میں جا چھپی اور کرہ ارض پر انسانی عظمت کا پرچم لہرانے لگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عہد ماقبل تاریخ کے لوگ فطرت کی بعض پراسرار قوتوں کے عمل سے واقف تھے۔ اس کا ثبوت اہرام مصر کے نمونوں سے ملتا ہے۔ اہرام نما عمارتوں کی انجان توانائی کے اثرات حال ہی میں محسوس کئے گئے

ہیں، مثلاً اہرام نما عمارتوں کے اندر جو چیزیں رکھی جاتی ہیں۔ وہ کبھی نہیں سڑتیں، لوہے کے بلیڈ رکھے جائیں تو ان کی دھار کند نہیں ہوتی۔ دوائیں رکھی جاتی ہیں تو ان کی تاثیر وشفا بخشی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اہرام نما عمارتوں میں رہنے سے زخم جلد مندمل ہو جاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ عجیب بات یہ ہے کہ عہد قدیم کے جادوگروں اور ساحروں نے اپنی قوتوں کا استعمال سائنسی طریقہ پر نہیں کیا۔ ورنہ انسان آج سے دس ہزار سال قبل ہی چاند پر پہنچ چکا ہوتا نوع انسانی نے پچھلے دس ہزار سال میں تہذیب وترقی کی جو راہ طے کی اور آئندہ صدیوں میں جو کچھ ہونے والا ہے، حیران ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی، وہ انسانی عقل کے تجرباتی استعمال کا نتیجہ ہے۔ عہد قدیم کے فلاسفہ تفکر، وجدان اور منطق کی تمام بنیادوں سے مسلح تھے۔ کلیات پر ان کی گہری نظر تھی حیرت یہ ہے کہ وہ جزئیات کو کس طرح نظرانداز کر دیتے تھے کہ آپ نے اس کتاب اور اس کے حصہ اول میں ''انسان اور جن'' کے باہمی روابط کے متعدد واقعات پڑھے۔ کیا نتیجہ اخذ کیا؟ میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قوی ارادہ رکھنے والے انسانوں پر نہ عالم مادی کی قوتیں اثر انداز ہوتی ہیں، نہ عالم ارواح کی! انسان کا ارادہ بجائے خود مشیت الٰہی ہے وہ اس ارادے سے کام لے کر ظاہری اور باطنی دونوں کائناتوں کو مسخر کر سکتا ہے۔ آپ کی روح میں جتنی صفائی قلب میں جتنی پاکیزگی اور آپ کے ذہن میں مثبت جذبات اور صحت مند احساسات جتنی فراوانی سے ہوں گے آپ کے سامنے کائنات کی تمام قوتیں اتنی ہی حقیر اور ناقابل ذکر ہوں گی۔ تسخیر جنات ممکن ہے بشرطیکہ آپ خود کامل انسانیت نمونہ ہوں آپ کے مثبت جذبات یعنی شجاعت انسان دوستی، پاکیزہ خیالی، بے تعصبی، قناعت ایثار، خدمت خلق، ذکر الٰہی، صدق مقال (ہمیشہ سچ بولنا) اکل حلال (حلال کی کمائی کھانا) یہ سب کائنات گیر اور جہاں کشا طاقتیں ہیں ان سے انسانی کردار میں کشش قوت اور وہ ہیبت پیدا ہو جاتی ہے جن تو جن ملاء اعلیٰ کے فرشتے تک آپ کے سامنے سربسجود ہو جائیں مثبت جذبات اور صحت مند کردار کے سبب انسانی نفس سے ایسی لطافت ابلنے لگتی ہے کہ جنات وملائکہ اور شمس وقمر انسانی عظمت کے گرد مستانہ وار رقص کرتے لگتے ہیں لیکن چونکہ عام انسان ابھی تک حیوانیت کی سطح سے بلند نہیں ہو سکا بناء بریں اس پر کرہ ارض کی آوارہ گرد قوتیں (آپ انہیں جنات بھی کہہ سکتے ہیں) غالب آ جاتی۔

☆.....☆.....☆

زعفر جن

محمود علی خاں عرف آغا علی خاں (رئیس واسپیشل مجسٹریٹ دریا جوالہ آباد) لکھتے ہیں کہ:

میرے پرانے خاندانی محلات کے متعلق ہمیشہ سے یعنی صدہا برس سے یہ مشہور چلا آ رہا ہے کہ ان عمارتوں میں جنات رہتے ہیں۔ان کے متعلق صدہا افسانے اور کہانیاں مشہور ہیں۔خان بہادر سید اصغر عباس سپرنٹنڈنٹ پولیس (جوالہ آباد میں سی آئی ڈی کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے) کی قابلیت ودیانت محتاج بیان نہیں، جو لوگ ان سے واقف ہیں جانتے ہیں کہ قدرت نے کیسی عالمگیر جامعیت ان کے دماغ کو عطا فرمائی تھی۔خان بہادر صاحب موصوف کی تحقیقات ان مسائل میں زبردست تھیں اور ان میں اتنی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی کہ انہوں نے خود مجھ سے فرمایا کہ میں نے زعفر جن کو بلا کر، واقعات کربلا اس کی زبان سے سنے تھے۔خان بہادر سید اصغر عباس نے بھی تصدیق کی کہ تمہارے خاندانی محلات میں جنات کا بسیرا ہے۔اب اس سلسلے میں یہ واقعہ سنئے۔دوسرے حضرات کے علاوہ خود چچا جان مرحوم نے یہ واقعہ مجھے سنایا۔

فرماتے تھے کہ تخمیناً پچاس ساٹھ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ میرے خاندان کے ایک بزرگ کے ان کا سن اس وقت سال ڈیڑھ سال کا تھا۔دایہ کے پاس تھے دایہ کسی ضرورت سے دوسرے مکان میں چلی گئی۔واپس آئی تو دیکھا کہ بچہ پنگوڑہ سے غائب ہے۔عورتوں نے خیال کیا کہ دوسری ملازمہ بچے کو اٹھا کر لے گئی ہے۔ بچے کو تلاش کیا کہیں نہ ملا۔یہاں تک کہ محلہ بھر میں تفتیش وتلاش کی گئی کہیں پتہ نہیں چلا یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ بالا آخر یہ خیال کیا کہ شاید بچے کو کوئی جانور اٹھا کر لے گیا ہے۔سب لوگ رو دھو کر خاموش ہو گئے۔ایک ہفتہ بعد شام کے وقت کوٹھے پر سے کسی بچے کے رونے کی آواز آئی۔ پہلے خیال کیا کہ کسی خادم کا لڑکا کوٹھے پر رو رہا ہوگا۔جا کر دیکھا تو وہی صاحبزادے تھے، جو پنگوڑے سے غائب ہو گئے تھے۔کئی قسم کے پھل اور مٹھائیاں ان کے قریب رکھی تھیں انہیں صاحب کی زندگی کا دوسرا واقعہ سنئے۔سہ پہر کا وقت کسی گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک مقدس صورت کے بزرگ سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔جب قریب پہنچے تو ان مقدس بزرگ نے انہیں گلے سے لپٹا لیا، اور ہر فرد خاندان کی خیریت پوچھنے لگے۔یہ حیران کہ کون صاحب ہیں؟ جو اس تپاک اور محبت سے پیش آ رہے ہیں۔آخر انہوں نے دریافت کیا کہ معاف فرمائیے۔ہمارے خاندان سے آپ کی واقفیت کب سے ہے؟ فرمانے لگے کہ بیٹا! میں تو برسوں تمہارے گھر میں رہ چکا ہوں تمہارے سارے خاندان سے واقف ہوں۔یہی نہیں کئی دن تمہیں اپنی گود میں پالا ہے۔یہ کہہ کر وہ قریب کی گلی کے موڑ سے دوسری طرف چلے گئے۔ان کے جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ وہی بزرگ تو نہیں

جس کی نسبت میں نے سنا ہے کہ ایک ہفتہ تک انہوں نے مجھے اپنے پاس رکھا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی میں گلی کی طرف دوڑا۔ پر وہ غائب ہو چکے تھے، بہت تلاش کیا، نظر نہ آئے۔

میں نے یہ واقعہ رسالہ "جن" (مئی 1930ء) سے نقل کیا ہے۔ ہمارے عزیزوں میں ایک صاحب تھے۔ بھائی مبین صاحب (ساکن محلہ دربارک کلاں، امروہہ) حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ بھائی مبین کے بارے میں مشہور ہے کہ بچپن میں وہ جنات کے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ میں نے مرحوم کا جدی دیوان خانہ دیکھا ہے۔ اس کی چھت پر ایک سہ دری جنات کی سکونت وہیں بتائی جاتی تھی۔ بھائی مبین حسن سے جب بھی پوچھا صرف اتنا اعتراف کیا کہ ہاں! کچھ یاد تو ہے وہ عجیب قسم کے بچے تھے، جو میرے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ لیکن مجھے ان سے ذرا بھی ڈر نہ لگتا تھا!

☆......☆......☆

ناطق جیلانی کی روایت

لکھتے ہیں کہ:

حضرت مولانا ماجد علی صاحب جونپوری اب تک یہ فرمایا کرتے ہیں کہ ترمذی شریف کے دورے کے لئے جیسی جماعت طلبہ، انہیں گاؤٹھی میں ملی تھی ویسی پھر نہیں ملی اور گو اس زمانے کو گزرے ہوئے تیس سال کا عرصہ ہوگیا ہے لیکن ترمذی کا درس دے کر انہیں ایسی مسرت کبھی نہیں ہوئی، جیسی اس وقت ہوتی تھی سبب یہ ہے کہ اس جماعت میں دو ایک طالب علموں کو چھوڑ کر سب جماعت میں اور ہر اعتراض محققانہ ہوتا تھا۔ راقم الحروف کو بھی اس جماعت میں ہونے کا شرف حاصل تھا، یہ کوئی خودستائی نہیں بیان واقعہ ہے کہ بیشتر ایسے سوالات میں ہی کرتا تھا جو وزنی اور دقیع ہوتے تھے اور جن کے جوابات حضرت قبلہ (مولانا ماجد علی) اور پوری جماعت کے لئے دلچسپی کا سبب ہوتے تھے اور علم وفضل میں اضافہ ہوتا تھا اسی خصوصیت کے سبب جب میں کسی وجہ سے درس میں شریک نہ ہوتا تو درس موقوف ہو جاتا۔

گلاؤٹھی کا مدرسہ عربیہ جامعہ مسجد کے ایک حصہ کا واقعہ ہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ جس سرزمین پر مسجد تعمیر ہوئی ہے، وہاں پہلے قبریں تھیں چنانچہ مسجد کے صحن زیریں میں میری یاد تک بہت سی قبریں تھیں۔ جو رفتہ رفتہ معدوم ہوتی چلی گئیں تاہم ان میں بھی کئی پختہ مزار باقی ہیں۔ اس مسجد کے صحن اور مدرسے کے متعلق مشہور تھا کہ یہ جنات کا مسکن ہے اور بیرونجات کے کئی طلبہ سے (جو وہیں حجروں میں مقیم تھے) میں نے کئی مرتبہ سنا تھا کہ انہوں نے ایک عظیم الجثہ مخلوق کو دیکھا ہے جس نے کسی کو ستایا نہیں خود میں نے کوئی ایسی مخلوق کبھی نہیں دیکھی لیکن کئی مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب میں عشاء کی نماز کے بعد تنہا بیٹھ کر وہاں کتب بینی کرتا (جو ہمیشہ قبل از امتحان ہوتا تھا) تو مجھے محسوس ہوتا کہ کوئی میرے برابر آ کر بیٹھ گیا ہے تمام جسم پر روئیں کھڑے ہو جاتے لیکن نظر کچھ نہ آتا میں ہمیشہ اسے واہمے کی خلاقی سمجھتا تھا کیونکہ معاً یہ خیال آتا کہ یہ سب بچپن میں سنی ہوئی جناتی کہانیوں کے تاثرات ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے 1902ء میں درسیات سے فارغ ہو کر میں ممالک متوسط (اس زمانے میں سی پی بھی کہا جاتا تھا) چلا آیا جہاں میرے والد مرحوم بہ سلسلہ تجارت مقیم تھے یہاں آنے کے بعد حضرت قبلہ نے فرمایا کہ میاں! درس نظامی تم ختم کر آئے فکر معاش کی ابھی تمہیں ضرورت نہیں کیونکہ بغیر تمہاری مدد کے یہ کار خدمت ہم انجام دے سکتے ہیں مطب کرنے کے لئے جانا تم پسند نہیں کرتے اور تمہیں وعظ یا شاعر بنانا ہمیں منظور نہیں چونکہ ابھی تمہاری عمر بہت کم ہے اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم تمہارے لئے ایک ماسٹر رکھ لیں اور تم انگریزی پڑھنے لگو۔ مجھے یہ مشورہ بہت پسند آیا اور میں نے اسی ہفتے انگریزی کی تحصیل شروع کر دی تا آنکہ نو دس ماہ میں مجھے حسب ضرورت انگریزی لکھنا اور بولنا آ گیا اور میں نے والد

صاحب کے کاروبار کا وہ حصہ وہ اپنی نگرانی میں لے لیا جس کا تعلق انگریزی خطوط کتابت سے تھا ایک سال کے بعد گلاوٹھی آنا ہوا، تو وہاں ہر استاد اور طالب علم اور بزرگ نے میرے علوم عربیہ کا شغل چھوڑ دینے پر اظہار افسوس کیا اور یہ معلوم کر کے تو انہیں بے حد مایوسی ہوئی کہ میرے والد نے انٹرنس (میٹرک پاس کرا کے بیرسٹری کی تعلیم کے لئے مجھے انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے! ان لوگوں کے خیال کے مطابق میں علم دینی کے لئے بہت کار آمد تھا اور مجھے مذہب کی خدمت کرنا چاہیے تھی!

☆.....☆.....☆

جن کی پیشکش

ایک روز رات کو جب میں اپنے کمرے میں تنہا سو رہا تھا اور اندر زنجیر لگی ہوئی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے میرے تھپڑ رسید کیا ہے۔ چونک کر اٹھ بیٹھا چراغ بدستور روشن تھا، زنجیر لگی ہوئی تھی۔ میں نے یہ خیال کر کے کہ سارا معاملہ خواب میں پیش آیا ہے پھر سو گیا۔ لیکن صبح جاگنے سے قبل پھر وہی معاملہ پیش آیا (یہ احساس ہوا کہ کسی نے میرے تھپڑ مارا ہے) اس مرتبہ بھی کچھ توجہ نہ کی اور نماز کے لئے چلا گیا۔ دن کے گیارہ بجے ہوں گے کہ میرا ایک پڑوسی آیا۔ اس نے بتایا کہ ایک سات سالہ لڑکی پر جن آ گیا ہے اور کہا ہے مولوی ابوالحسن (ناطق جیلانی) کو بلاؤ۔ ہم ان سے کچھ باتیں کریں گے۔ میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب میرا سامنا (سات سالہ) لڑکی سے ہوا، گو اس نے سروقد استادہ ہو کر سلام کیا۔ مصافحے کو ہاتھ بڑھائے مزاج پرسی کی اس کے بعد جن نے کہا کہ رات ہم تم سے ملنے آئے تھے۔ دو دفعہ جگایا بھی، لیکن پھر اس خیال سے ملاقات نہیں کی کہ کہیں تم ڈر نہ جاؤ۔ کیونکہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ جب کبھی مدرسہ میں ہم تمہارے پاس آ کر بیٹھتے تھے، تم گھبرا جاتے تھے ہم تم سے یہ کہنے آئے تھے کہ تم سے ہمیں بے انتہا محبت ہے اور تمہاری ذہانت وقابلیت کی ہم بے حد قدر کرتے ہیں جو کچھ تم نے پڑھا ہے وہ پڑھانا بھی چاہیے۔ دنیا کی دولت اور انگریزی زبان تمہارے کس کام آئے گی؟ یہیں رہو خدا تمہیں بہت دے گا۔ میں نے کہا کہ کہاں سے؟ کیا چھپڑ پھاڑ کر؟ تو جواب ملا کہ جب ہمیں تمہاری جدائی شاق ہے تو اس کا انتظام ہم کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ معاف کیجئے، مجھے آپ پر اعتماد نہیں۔ اس پر منہ بنا کر کہہ وعلیکم السلام (چلے گئے) اور لڑکی ہوش میں آ گئی مختصر یہ کہ جنات اور نادیدہ مخلوقات کی کہانیاں عام ہیں۔ مذہب کی طرح ادبیات کی دنیا میں بھی جب تک نادیدہ ہستیوں کے وجود پر ایمان نہ لایا جائے۔ تخیل شکستہ رہا ہے، البتہ سائنس اور تاریخ کی حدود میں ان ہستیوں کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں۔ خالص سائنسی نقطہ نظر سے تو مادے کے صرف ان مظہر کو زیر بحث لایا جا سکتا ہے۔ جنہیں حواس خمسہ اور حواس خمسہ کے ایجاد کردہ آلات کے بذریعے دیکھا جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے، جن، فرشتے اور ہمزاد ایک ایسے مادے کے بنے ہوئے ہیں جس کی نوعیت سے ہنوز ہم بے خبر ہیں۔

☆......☆......☆

تسخیر ہمزاد

جنات کا ذکر آئے اور ہمزاد کی طرف دھیان نہ جائے، یہ کس طرح ممکن ہے؟ جنات کی طرح ہمزاد کی حقیقت کم و بیش نامعلوم ہے، البتہ ہمزاد کی ایک شکل وہ ہے۔ جسے ہم محض اپنے تصور کی طاقت سے پیدا کر سکتے ہیں۔ مجلس اہرام پاکستان کے سیکریٹری جنرل پروفیسر منیر احمد (استاد کیمسٹری اسلامیہ کالج، کراچی) مصنف "اہرام کے کرشمے" کی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

موجود نفسیاتی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ خیالات انسانی عملی زندگی میں برابر عمل کرتے رہتے ہیں۔ چاہے وہ خیالات عام فہم زبان میں ہوں یا پوشیدہ! مشہور عالم نفسیات کارل یونگ کے نزدیک اعداد بھی اجتماعی لاشعور کے اشارات ہیں انسان کی پوری زندگی اجتماعی شعور سے وابستہ ہے۔ ہم اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر لاشعوری کی اجتماعی لاشعور کا عکس ہے مصنف (OMAR GARRISON TANTRARIC YOGA OF SE) ایک امریکی ڈاکٹر ہیں۔ گیریزن نے اپنی مذکورہ بالا تصنیف میں ایک امریکی عورت کا ذکر کیا ہے، جس نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ تبت میں گزارا تھا۔ وہاں اس نے تبتی لاماؤں سے "تن تارک یوگا" کی تعلیم حاصل کی اور پھر اس نے مسلسل ذہنی توجہ (کن سن ٹریشن) سے ایک لاما کی تخلیق کی۔

یہ لاما اس کے گھر کا پورا کام کرتا رہا۔ بازار سے سودا خرید کر لاتا اور مہمانوں کی خاطر مدارت بھی! دیکھنے والوں کی نظر میں یہ عام گوشت پوشت کا آدمی تھا۔ کچھ عرصہ بعد (تخلیق کردہ) لاما کی حرکات میں سرکشی کا عنصر نظر آنے لگا۔ اس عورت نے بڑی مشکل سے اپنی خیال قوت سے اس لاما کو ختم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خیالی اشکال (THOUGHT FOR MS) مادی صورت بھی اختیار کر سکتی ہیں وہ علم جسے جادو کہتے ہیں، درحقیقت اسی اصول پر مبنی ہے۔ آپ کے ذہن میں سوال ابھرے گا کہ منتر یاد کرنے کے ساتھ دوسری رسوم، مثلاً دھونی، قربانی، خون کا چھڑکاؤ وغیرہ وغیرہ کیوں ادا کی جاتی ہیں (صورت یہ ہے کہ) خیال اور جذبہ میں چولی دامن کا ساتھ ہے یعنی خیال و جذبہ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر جذبہ کم ہو گیا تو خیال کا اثر بھی کم ہو گا۔ اگر جذبہ شدید ہے تو خیال زیادہ پر اثر ہو گا۔ ان رسومات کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔ جذبات کی شدت کو انتہا تک پہنچا دیا جائے تا کہ یہ خیال زیادہ پر اثر مادی دنیا میں تبدیلی و تعمیر پیدا کر سکے۔ اشکال خیال کس طرح مجسم ہو جاتی ہے؟ ذہنی توانائی کے اس قانون سے ہم اب تک واقف نہیں۔ البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ ارتکاز خیال کی بدولت یہ ممکن ہے کہ آپ خیال کی شکل کو جسمانی صورت دے سکیں "تذکرہ غوثیہ" میں حضرت غوث علی شاہ قلندر کی زبانی اسی قسم کی روایت نقل کی گئی ہے۔ بنارس میں حضرت کی نظر ایک "زن ماہوش" پر پڑی اور ہوش اڑنے لگے۔ نگاہ کے ساتھ! قلندر صاحب

حجرہ مسجد میں دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ خواب وخور حرام کرلیا اور تصور محبوبہ میں مستغرق ہو گئے۔ آٹھویں دن وہ تصور مجسم ہو گیا بخوبی یاد ہے کہ حضرت سید ذہین شاہ تاجی (سرتاج سلسلہ تاجیہ) نے بھی ایک محفل میں مجھ سے اجسام خیالی اور اشکال وہمی کی تجسیم (مادی صورت میں ڈھل جانا) کا ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ ایک شخص کے ہزاروں خیالی جسم بن سکتے ہیں، ہمزاد (جسے قرین بھی کہتے ہیں) کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور اس کی موت کے بعد بھی کچھ عرصہ باقی رہتا ہے۔ لیکن خیال اشکال ایسے ہمزاد ہیں۔ جنھیں انسان خود اپنی قوت تخیل سے پیدا کرتا ہے اور فنا کرسکتا ہے۔

☆.....☆.....☆

آپ اپنا تصور

پشتو زبان کے بابائے تغزل اردو اور ذی علم صوفی بزرگ امیر حمزہ شنواری اپنے مکتوبات (بنام امروہوی) میں لکھتے ہیں کہ:

آپ اپنا تصور کیجئے۔ آئینے میں یا روشنی میں اپنے سائے کو متواتر دیکھا کیجئے دیکھتے وقت جہاں تک ہو سکے، پلکیں نہ جھپکایئے۔ پھر فضا میں پلک جھپکائے بغیر دیکھیں تو آپ کے سائے کا سفید عکس ظاہر ہوگا۔ آپ اس مشق کو جتنا زیادہ کریں گے، آپ کی مثال (ہمزاد) آپ سے قریب تر ہوتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ آپ ہمیشہ اپنے چہرے کا مشاہدہ کریں گے اور اندھیرے میں بھی اپنے آپ کو دیکھ سکیں گے۔ آپ کو عجیب وغریب اسرار معلوم ہوں گے اور آپ کے وسوے اور شکوک بتدریج دور ہوتے چلے جائیں گے۔ ہمارے شیخ ان طالب علموں کو جن کے وسوسے زیادہ ہوتے تھے یہی چیز سکھایا کرتے تھے۔ آپ ہزاروں میل سے بھی ایک شخص کو اپنی منشاء کے مطابق متاثر کرنے پر قادر ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان ایک انفرادیت اور ایک اسم الٰہی کا مظہر ہے۔ اس لئے دیگر علوم کے علاوہ اس کا ایک ذاتی بالقوہ علم بھی ہوتا ہے۔ جو کسی دوسرے انسان کا حصہ نہیں ہوتا۔ انسان کی تکمیل کی ضمانت وہی ذاتی علم ہے جب تک وہ حاصل نہیں ہوتا۔ اطمینان نامکمل ہے، کامل انسانوں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ انسان کی مرکزی صفت کو دیکھتے ہی جان (اور پہچان) جاتا ہے اور پھر اس کے مطابق اس کی تربیت کرتا ہے۔ اپنے سائے کے تصور سے خود اپنے علوم ابھرنے لگتے ہیں اور جس قدر یہ مشق بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اپنے بالقوہ علوم (وہ علم جو آپ کے اندر چھپے ہوئے ہیں، ظاہر نہیں ہوئے) ذہن کے سامنے آنے لگتے ہیں میں نے یہ عمل دا جی کیا تھا، جو بعد میں مسلسل خوف کی وجہ سے ترک ہو گیا۔ اس تصور (سائے) کے ذریعے آپ اپنے کسی غائب دوست یا رشتہ دار کی خیریت کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کا تصور کریں تو اس کے خیالات آپ کے ذہن پر مرتسم ہوں گے اور اگر مر گیا ہوگا تو اس کا تصور مکمل طور پر قائم رہے گا۔ کیونکہ اس کے اندر خیالات نہ ہوں گے، صرف کھوپڑی ہوگی۔ اس کے چہرے کا تصور بھی پورا آئے گا کیونکہ اس کے خیالات موجود نہ ہوں گے، جو مرتسم ہو کر آپ کی توجہ کی پریشانی کا باعث بن سکیں۔ عام طور سے آپ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ زندہ شخص کا چہرہ تصور میں آدھا ہی آتا ہے گو سرسری طور پر ہم سمجھتے ہیں کہ پورا چہرہ آ گیا ہے۔ لیکن غور سے دیکھیں تو آدھا ہی آتا ہے، لیکن مرے ہوئے آدمی کا پورا چہرہ (تصور میں) آتا ہے۔ یہ باتیں اگر آپ نے تھیا سوفی یا دیگر علوم وفنون میں پڑھی ہوں تو مہربانی کر کے مجھے بھی ان سے باخبر کیجئے۔

☆.....☆.....☆

سایہ بینی کا طریقہ

مخفی علوم میں سایہ بینی کا یہ طریقہ تجویز کیا گیا ہے کہ آپ کسی خالی مگر روشن جگہ میں اس طرح کھڑے ہوں کہ آپ کا سایہ آپ کے سامنے پڑے اس طرح کھڑے ہو کر آپ اپنے سائے کی گردن پر نظریں جما دیں اور کوشش کریں کہ پلک نہ جھپکنے پائے۔ خیال اور توجہ کی پوری قوت سائے کی گردن (جس پر آپ کی نظریں جمی ہوئی ہیں) پر مرکوز رہے اس مشق کا آغاز ایک منٹ سے کریں اور رفتہ رفتہ مشق کی مدت کو بڑھاتے رہیں۔ یہاں تک کہ آپ رفتہ رفتہ ایک گھنٹے تک کامل یکسوئی محویت اور استغراق کے ساتھ سائے کو تکنے پر قادر ہو جائیں۔ رفتہ رفتہ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کے سر کے اوپر فضا میں سفید رنگ کا ایک بادل جھول رہا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ سفید سایہ آپ کے سائے میں مجسم ہو جائے گا اور ایک ادنیٰ موکل کی طرح آپ کے احکام کی تعمیل کرے گا۔ جناب امیر حمزہ شنواری نے لکھا ہے کہ میں نے اس عمل کا واجبی سا تجربہ کیا ہے۔ یہی حال راقم الحروف کا ہے، ارتکاز توجہ کے عمل کے زمانے میں میں نے بھی چند ہفتہ تک یہ عمل کیا تھا۔ اپنا سایہ بھی دیکھا اور چند سیکنڈ کے لئے اپنا ہمزاد بھی نظر آیا، پھر توجہ اس کھیل کی طرف سے ہٹ گئی۔ خیال کی تجسیم (خیال کو مجسم کرنے) کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں اور اپنے چہرے کا تصور قائم کریں۔ بار بار خیالات کی رو میں خلل پڑے گا۔ آپ کی توجہ بھٹکے گی ہر بار آپ اپنے خیال کو اپنے چہرے کی طرف کریں۔ ہوتے ہوتے توجہ قائم ہونے لگے گی اور وہی نتائج نکلیں گے جو سایہ بینی سے برآمد ہوتے ہیں، اس ضمن میں آئینہ بینی کا ذکر بھی مناسب ہوگا۔ آئینہ سامنے رکھ کر دو ڈھائی فٹ کے فاصلے پر بیٹھ جائیں اور اپنے چہرے (بعض کہتے ہیں کہ داہنی آنکھ کے تل) پر نظریں جما دیں پلک نہ جھپکنے کی شرط البتہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ تمام عملیات کسی استاد باخبر کی اجازت سے کئے جائیں۔ ان تمام عملیات کا تعلق ذہن سے ہے اور ذہن بے حد نازک و حساس آلہ ہے ذرا سی بے احتیاطی سے عقل پر جنون غالب آ جاتا ہے۔ ان تمام عملیات اور مشقوں کی پابندی سے مزاج میں سوداویت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور سوداویت مالیخولیا (ذہنی اختلاج) کی پہلی سیڑھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان عملیات کے زمانے میں طالب کو ترک حیوانات کی ہدایت کی جاتی ہے تا کہ جگر سوداویت سے محفوظ رہے۔ بلاشبہ خیال میں توانائی ہوتی ہے شرم اور غصے سے چہرے کا سرخ اور غم واندوہ سے زرد ہو جانا اس کی علامت ہے کہ خیال کی توانائی جسم پر غالب کی لہریں میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ عام حالات میں ہمارے دماغ میں (BETA WAVES (ب، لہریں) پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ ب، لہریں میں ذہن کی کیفیت بندر کی طرح ہوتی ہے۔ بندر شاخ در شاخ لپکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ذہن مختلف مقامات خیالات کی طرف جست کرتا ہے یعنی ایک خیال سے جست کر کے اسی سے جڑے ہوئے دوسرے خیال کی طرف

پھاند جاتا ہے۔ ارتکاز توجہ یعنی مراقبے کی حالت میں (جبکہ ذہن کی تمام تر قوتیں کسی ایک نقطہ کی طرف مرکوز ہوتی ہیں) ب، لہریں (ALPHA WAVES) الف لہروں کے پیدا ہونے سے جسم میں اہم کیمیاوی مادی کی کمی واقع ہوجاتی ہے (LAC TATE) مادہ تھکن پیدا کرتا ہے اس مادے کی کمی سے جسم اور ذہن کی تھکن دور ہوجاتی ہے آدمی تازہ دم ہوجاتا ہے اور اسی حالت میں ذہن کی خفی قوتیں بیدار ہوجاتی ہیں۔ ہمارے دماغ کا اوپری حصہ دو حصوں میں منقسم ہے ایک کو ہم RIGHT CEREBRAL (HEMISPHERE) کہتے ہیں، اور دوسرے کو (LEFT CEREBRAL HEMISPHERE) کہا جاتا ہے۔ دماغ کے بائیں نیم کرے کا کام منطقی سوچ گفتگو اور جسمانی حرکات کو کنٹرول کرتا ہے۔ جب کہ دایاں نیم کرہ زندگی کے مخفی اعمال کا ذمہ دار ہے۔ سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے کہ ادراک ماورائے حواس (E.S.P) وجدان، کشف، ٹیلی پیتھی، جادو اور تسخیر ہمزاد کا تعلق دماغ کے بالائی داہنے سے نیم کردہ کی سرگرمیوں سے ہے۔ جب توجہ میں گہرائی پیدا ہونے لگتی ہے تو الف لہریں، جب ج، لہروں (THETA WAVES) میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ جب آدمی اس عالم میں پہنچتا ہے تو دنیا ہی بدل جاتی ہے اور وہ ایک ایسی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں بقول غالب۔ اصل شہود و شاہد و شہود ایک ہے، کا عملی تجربہ ہوتا ہے۔ یعنی شاہد دیکھنے والا (ذات خود آگہی) اور مشہود (جسے دکھارہا ہے) دونوں معدوم ہوجاتے ہیں۔ اس حالت کو یوگا میں ''فنا'' کہتے ہیں۔ (SAROTI) بدھ مت میں نروان اور تصوف کی زبان میں ''فنا'' کہتے ہیں۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا

☆......☆......☆

مصنوعی ہمزاد

وہ ذہنی توانائی (جس کا ذکر ہم نے الف، ب، ج، لہروں کے عنوان سے کیا ہے)۔ مصنوعی ہمزادوں کی تخلیق کرتی ہے، مصنوعی ہمزاد کی تخلیق بے حد وقت طلب عمل ہے۔ لیکن اگر طالب مسلسل ارتکاز توجہ کی مشق کرے تو وہ رفتہ رفتہ ان عملیات پر قادر ہو سکتا ہے۔

بشیر غوری (پنو عاقل) لکھتے ہیں کہ پچھلے خط میں میں نے لکھا تھا کہ:

سایہ چند لمحوں کے لئے غائب ہو جاتا ہے۔ اب از سر نو مشق شروع کی ہے۔ دس منٹ کے ارتکاز توجہ کے بعد سایہ پہلے سنہری رنگ اختیار کرتا ہے۔ پھر ارغوانی رنگ! اور سایہ نما جسم کو پوری طرح چھپا لیتا ہے۔ جب سایہ پوری طرح غائب ہو جاتا ہے تو آسمان کی طرف دیکھتا ہوں۔ سایہ وہاں (فضا میں) سفید ابر پارے کی طرح آتا ہے۔ البتہ متحرک ہوتا ہے، ایک جگہ قیام نہیں کرتا۔ آسمان پر جس طرف نظر کروں، سائے کی آؤٹ لائن نظر آتی ہے۔ ویسے تو مشق کے شروع ہی سے جب سائے کی طرف دیکھتا تھا، تو گہرے آسمانی رنگ میں سایہ نظر آتا تھا، اب گہرا آسمانی رنگ سفید رنگ میں تبدیل ہو گیا ہے۔ استاد محترم! کیا مشق پورے ایک گھنٹہ جاری رکھوں؟ یا وقت کم کردوں؟ سایہ بینی کرتے ہوئے جذب کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور میرے گرد ارغوانی حلقہ پھیل جاتا ہے۔ اس زمانے میں شہوانی جذبہ عروج پر رہا! کبھی کبھی دردسر کی شکایت ہو جاتی ہے مگر اس شکایت پر خود ترغیبی سے غالب آ جاتا ہوں۔

محمد ریاض (دینہ) کا بیان ہے کہ:

میں نے آپ کے حکم کے مطابق ہمزاد کا عمل شروع کیا۔ غسل سے فارغ ہو کر پشت کی طرف روشن چراغ رکھ لیتا اور اگربتی سلگا دیتا ہوں۔ اب میرا اپنا عکس دیوار پر نظر آتا ہے، ہر رات کو متواتر تین گھنٹے تک (پلکیں جھپکائے بغیر اپنے سائے کو) دیوار پر تکتا رہتا۔ تصور یہ ہوتا کہ اب بہت جلد میرا ہمزاد مجسم ہو کر مجھ سے ہم کلام ہو جائے گا۔ رفتہ رفتہ مجھے سیاہ رنگ کے سائے میں سفید ہیولیٰ نظر آنے لگا۔ جب اس طرح عمل کرتے ہوئے سات راتیں بیت گئیں تو اس سائے کے اندر سے ایک اور سایہ الگ ہو کر دائیں، بائیں ہلنے لگا! میرے جسم کو زوردار برقی جھٹکا لگا اور وزن غائب ہو گیا، چند منٹ بعد جسم میں پھر وزن پیدا ہو گیا۔ البتہ میرے جسم سے سفید رنگ کی روشنی نکل رہی تھی۔ میں یہ عمل (دیوار پر پلک جھپکائے بغیر اپنے سائے کو تکنا، ننگا ہو کر کیا کرتا تھا۔ البتہ لنگوٹ بندھا رہتا تھا۔ سفید رنگ کی روشنی پھر رفتہ رفتہ بدلنے لگی۔ سرخ، سبز، گلابی وغیرہ لیکن میری نگاہ بدستور سائے پر جمی رہی۔ رفتہ رفتہ دونوں سائے غائب ہو گئے اور یہ محسوس ہوا کہ کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے اور میری طرح لنگوٹ باندھے کھڑا ہے۔ یہی نہیں بلکہ میری طرح عمل بھی پڑھ رہا ہے۔ خوف

سے میرے دل میں تھرتھری پڑ گئی۔ تاہم فوراً اس کیفیت پر غالب آ گیا۔ یکا یک ہمزاد کا تصور غائب ہو گیا، اور پھر دیوار پر سایہ نظر آنے لگا۔ چند لمحے کے بعد پھر ہمزاد نظر آیا اس کی شکل ہو بہو میری طرح تھی۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ میں اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔ وہ ہمزاد میرے ارد گرد چکر کاٹنے لگا۔ اس کے چلنے سے زمین ہلتی تھی پھر ایک زوردار گڑگڑاہٹ ہوئی دیکھا کہ دیوار (جس پر سایہ نظر آتا تھا) میں سوراخ ہو گیا ہے۔ اس پار ایک خوفناک جنگل ہے، جنگل میں درندے بھی ہیں۔ پرندے بھی! وہ سب غضبناک ہو کر میری طرف بڑھ رہے ہیں جب وہ بالکل نزدیک آ گئے تو دہشت کے مارے میری جون لبوں پر آ گئی۔ نہ جانے وہ کون سی قوت تھی، جس نے مجھے ان بلیات کے سامنے ثابت قدم رکھا۔ یکا یک ایک دیو قامت وجود نظر آیا۔ جو درندے مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے وہ اس دیو زاد مخلوق کو دیکھ کر چیخنے لگے۔ اس مخلوق کی شکل انسانی تھی، ناخن بہت لمبے تھے، ہمزاد درندوں کو گیند کی طرح فضا میں اچھالتا اور پھر انہیں ہڑپ کر جاتا۔ اس تماشہ کے بعد دیو مجھ سے مخاطب ہوا۔

ریاض! تم بہت نڈر ہو۔ تم جانتے ہو کہ میری قوتیں کتنی لامحدود ہیں۔ میں تمہارے قبضے میں آ جاؤں گا۔ سنو! میں مستقبل بھی بتا سکتا ہوں ابھی ابھی منگلا ڈیم کا پشتہ ٹوٹ جائے گا۔ تم عمل کو چھوڑ کر سب لوگوں کو اس خطرے سے خبردار کر دو۔ ہمزاد کی اس تقریر پر میں بھی بوکھلا گیا، لیکن عمل جاری رہا۔ دیکھا کہ ہمزاد غائب ہے۔ مجھے دور سے سیلاب نظر آ رہا تھا کہ الغاروں پانی بل کھاتا لہراتا چلا آ رہا ہے) اور پانی پر انسانی لاشیں تیر رہی ہیں۔ میں عمل ناتمام چھوڑ کر بھاگا تو ٹھوکر کھا کر گر گیا، بے ہوش ہو گیا۔ یہ ہے ریاض کا بیان۔ کاش وہ عمل کو جاری رکھتے اور ہمزاد کے اس چکمے میں نہ آتے کہ دریا کا بند ٹوٹ گیا ہے۔ اگر وہ ذرا بھی فراست اور ہمت سے کام لیتے تو اس دیو کو تابع فرمان کر لینا ناممکن نہ تھا۔

☆......☆......☆

حرف آخر

آپ نے جنات، ہمزاد اور اسی قبیل کی دوسری نادیدہ مخلوقات کے بارے میں متعدد لوگوں کے بیانات اور مشاہدات پڑھے۔ یہ سلسلہ بیان ہوشربا بھی ہے۔ حیرت انگیز بھی! جنات کا وجود تسلیم! مگر ان کے وجود کی نوعیت کیا ہے۔ وہ نظام کائنات میں کیا فرائض انجام دیتے ہیں۔ ان کے مقاصد حیات کیا ہوتے ہیں۔ ان کی سرشت اور سرنوشت کیا ہے؟ اس سلسلے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم۔

ماز آغاز وز انجام جہاں بے خبریم
اول و آخر ایں کہنہ کتاب افتادست

❁ ❁ ❁

ختم شد